



زر کا حقیقی مطالعہ

شرعی نقطہ نظر سے

ڈاکٹر مولانا عصمت اللہ صاحب

ادارۃ المعارف دہلی

زَرَ کا تحقیقی مطالعہ شرعی نقطہ نظر سے

ڈاکٹر مولانا عصمت اللہ صاحب



ایازۃ المعجّز ارفیکر اچھی

جملہ حقوق ملکیت بحق اِذَا زَالَمَعْنَارُفٌ بَکْرُالْجَنِّ محفوظ ہیں

باہتمام : مکتبہ معارف القرآن کراچی

طبع جدید : رمضان ۱۴۳۰ھ - ستمبر ۲۰۰۹ء

مطبع : شمس پرنٹنگ پریس کراچی

ناشر : اِذَا زَالَمَعْنَارُفٌ بَکْرُالْجَنِّ

ملنے کے پتے:

اِذَا زَالَمَعْنَارُفٌ بَکْرُالْجَنِّ

فون: 021-35049733, 021- 35032020

موبائل: 0300 - 2831960

✽ مکتبہ معارف القرآن کراچی ۱۴ ✽ دارالاشاعت، اردو بازار کراچی

✽ ادارہ اسلامیات، تارکلی، لاہور

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عنوان
۱۹	تقریظ: شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم ...
۲۱	 مقدمہ
۲۱	 موضوع کا تعارف اور اس کی اہمیت
	باب اول
۲۳	ذر - تعارف و حقیقت
۲۳	 ذر (Money) کی تعریف فقہائے کرام کے نزدیک
۲۳	 پہلا نظریہ
۲۴	 دوسرا نظریہ
۲۵	 تیسرا نظریہ
۲۶	 ذر کی تعریف ماہرین اقتصاد کے نزدیک
۲۷	 تعریف ذر کے اجزاء یا خصوصیات (Features)
۳۰	 ذر کی حقیقت (The Nature of Money)
۳۰	 ① شیء مصرفی (Consumption Goods)
۳۰	 ② شیء پیداوار (Production Goods)
۳۲	 مذکورہ موقف اہل اقتصاد کی نظر میں
۳۲	 مذکورہ موقف اہل اسلام کی نظر میں
۳۸	 ایک اہم اشکال اور اس کا جواب

صفحہ نمبر	عنوان
-----------	-------

۴۱	خلاصہ بحث.....
۴۲	ذکر کی قسمیں.....
۴۲	① ثمن خلقي.....
۴۲	② ثمن عرفی یا اصطلاحی.....
۴۳	ایک اہم فائدہ.....
۴۴	ذکر اور مال میں فرق.....
۴۵	ذکر اور کرنسی میں فرق.....
۴۶	کرنسی کی دو قسمیں.....
۴۶	ذکر کا ارتقاء (Evolution) اور مختلف نظامہائے ذکر.....
۵۵	ارتقاء ذکر کے تدریجی مراحل ایک نظر میں.....
۵۷	سکہ سازی کی تاریخ اور مختلف مراحل.....
۶۱	فلوس کی تاریخ.....
۶۲	سکہ بنانے کا حق کس کو حاصل ہے؟.....
۶۳	ذکر اور اس کے شرعی و اقتصادی وظائف.....
۶۸	إفراط ذکر اور تفریط ذکر (Inflation and Deflation).....

باب دوم

ربا (سود)

۷۰	تعریف ربا.....
۷۳	”ربا النسیئہ“ کی تعریف پر مشتمل ایک مشہور حدیث کی تشریح و تحقیق.....
۷۷	ربا الفضل.....

صفحہ نمبر	عنوان
-----------	-------

۷۸	حرمتِ ربا کے دلائل کا خلاصہ
۸۲	علت کے معنی اور علت و حکمت میں فرق
۸۶	ذّر میں علتِ ربا کی تحقیق
۹۱	ربا النسیئہ کی علت
۹۴	شمیت کسے کہتے ہیں؟

باب سوم

کرنسی نوٹ اور فلوس (Pices)

۹۶	نوٹ کسے کہتے ہیں؟
۹۷	نوٹوں کی فقہی و شرعی حیثیت (ایک تفصیلی جائزہ)
۹۸	نوٹ کی فقہی حیثیت سے متعلق پہلا نظریہ
۹۸	دلائل
۹۹	تفریعات (یعنی اس قول پر جو فرعی اور فقہی مسائل مرتب ہوتے ہیں)
۱۰۰	مناقشہ
۱۰۳	نوٹ کی شرعی حیثیت سے متعلق دوسرا نظریہ
۱۰۴	دلائل
۱۰۵	تفریعات
۱۰۷	مناقشہ
۱۰۸	نوٹوں کی شرعی حیثیت سے متعلق تیسرا نظریہ
۱۱۰	دلائل
۱۱۱	تفریعات

صفحہ نمبر	عنوان
-----------	-------

۱۱۲	مناقشہ.....
۱۱۲	نوٹ کی شرعی حیثیت سے متعلق چوتھا نظریہ.....
۱۱۸	دلائل.....
۱۲۰	نوٹ کی فقہی حیثیت میں قول راجح.....
۱۲۱	وجوہ ترجیح.....
۱۲۲	تجبیہ.....
۱۲۳	فائدہ.....
۱۲۳	فلوس (Pices) کی حقیقت.....
۱۲۳	فلوس کے ارتقائی مراحل کا خلاصہ.....
۱۲۵	فلوس کے ٹمن ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف فقہاء.....
۱۳۱	ازالہ وہم.....
۱۳۲	خلاصہ.....
۱۳۳	محمد بن الفضل، "شمس الائمہ برہمی" اور شمس الائمہ حلوانی کا موقف.....
۱۳۳	حضرات مالکیہ.....
۱۳۴	فشاء اول.....
۱۳۴	فشاء دوم.....
۱۳۷	علامہ ابن تیمیہ کا موقف.....
۱۳۷	علامہ ابن القیم.....
۱۳۹	امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کا موقف.....
۱۳۹	امام شافعی کا موقف.....
۱۴۰	اہم تجبیہ.....

صفحہ نمبر	عنوان
-----------	-------

۱۴۱	حائبہ کا موقف
۱۴۲	اس بارے میں قولِ راجح
۱۴۲	وجہ ترجیح

باب چہارم

بیع صرف

۱۴۳	بیع صرف اور اس کی حقیقت
۱۴۳	بیع صرف لغت
۱۴۴	بیع صرف اصطلاحاً
۱۵۳	”بیع صرف“ اور اس کی شرطیں
۱۵۴	فائدہ
۱۵۵	تقابض (Possession)
۱۵۸	مذکورہ شرط کی اہمیت
۱۵۹	شرط تقابض پر متفرع چند اہم مسائل
۱۵۹	اہراء، جہہ اور صدقہ
۱۶۰	استبدال
۱۶۰	مقاصہ (Set off)
۱۶۱	مقاصہ جبریہ (Compulsoy)
۱۶۱	مقاصہ اختیاریہ (Optional)
۱۶۳	تماثل / مماثلت (Similarity)
۱۶۳	اس شرط پر متفرع چند اہم مسائل

صفحہ نمبر	عنوان
۱۶۵	 (Optional Condition) اختیار شرط
۱۶۵	 اختیار کی تعریف
۱۶۶	 اختیار شرط
۱۶۷	 اختیار رؤیت
۱۶۷	 اختیار عیب
۱۶۹	 (Deferred Payment) اجل
۱۷۰	 چند اہم متفرق مسائل
۱۷۳	 (Appendix) ضمیمہ
۱۷۳	 سونے چاندی، اور زیورات کے چند اہم مسائل
۱۷۳	 چند ضروری مقدمات
۱۷۳	 مقدمہ ۱
۱۷۵	 مقدمہ ۲
۱۷۶	 مقدمہ ۳
۱۷۷	 مقدمہ ۴
	 سونے کے زیور کی سونے کے عوض اور چاندی کے زیور چاندی کے عوض
۱۷۹	 خرید و فروخت
۱۸۳	 نتیجہ
۱۸۳	 تقریعات
۱۸۶	 مینا کاری والے زیورات کی سونے چاندی کے عوض خرید و فروخت
۱۸۶	 چند مزید مسائل
۱۸۷	 چند ناجائز صورتوں کی متبادل جائز صورتیں

صفحہ نمبر	عنوان
۱۸۸	نیارا (زرگروں کی مٹی) کی خرید و فروخت کا مسئلہ
۱۸۹	پُرانے زیور سے نئے زیور کا تبادلہ
۱۹۰	بیٹھلی سودا لیکن لین دین بیک وقت
۱۹۲	ٹانکے کا مسئلہ
۱۹۳	چھجوت (Wastage)
۱۹۴	پہلی صورت
۱۹۵	دوسری صورت
۱۹۵	تیسری صورت
۱۹۶	سونے چاندی کے کاروبار میں بعض مروج جدید طریقے
۱۹۶	پہلا طریقہ
۱۹۶	کاروبار کا طریقہ کار
۱۹۷	اس کاروبار میں کمپنی کا کردار
۱۹۸	کاروبار کی اقسام
۱۹۸	قسم اول Spot/Cash Trading
۱۹۹	قسم ثانی Future Trading
۲۰۱	دوسرا طریقہ: ایک اور مروجہ صورت

باب پنجم

کرنسی اور فلوس کا تبادلہ

۲۰۲	بیچ صرف اور فلوس
۲۰۲	فلوس کی بیچ کے صرف ہونے یا نہ ہونے سے متعلق مالکیہ کا نقطہ نظر
۲۱۳	

صفحہ نمبر	عنوان
۲۱۶	کیا کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بیچ صرف میں داخل ہے؟
۲۲۵	ترجیح
۲۲۵	فلوس کے تبادلے کا تحقیقی جائزہ
۲۲۵	ایک ملک کی کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بصورت بیچ
۲۲۶	کرنسی نوٹ کے بارے میں ایک قول جدید
۲۲۸	مناقشہ
۲۲۹	ملکی کرنسی کے بطور بیچ ہونے میں ”قباض“ کا مسئلہ
۲۳۲	ایک ملک کے کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بصورت قرض
۲۳۳	ایک ملک کی کرنسی میں ہٹائی کا حکم
۲۳۳	منی آرڈر کا حکم
۲۳۸	سُفْتَجَہ کی حقیقت
۲۳۸	سُفْتَجَہ کے لغوی معنی
۲۳۹	سُفْتَجَہ کے اصطلاحی معنی
۲۳۹	سُفْتَجَہ کی شرعی حیثیت اور فقہی تکلیف
۲۴۰	سُفْتَجَہ کا شرعی حکم
۲۴۰	فریقِ اوّل کے دلائل کا خلاصہ
۲۴۱	سُفْتَجَہ کی ممانعت کی علت
۲۴۲	استثناءات (Exceptions)
۲۴۳	فریقِ دوم کے دلائل
۲۴۵	مناقشہ
۲۴۶	مختلف ممالک کے کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بصورت بیچ

صفحہ نمبر	عنوان
-----------	-------

۲۴۷	حضرات حنفیہ.....
۲۴۸	حضرات مالکیہ.....
۲۴۸	حضرات شافعیہ اور حنبلیہ.....
۲۴۸	مختلف ممالک کی کرنسیوں میں ہنڈی کا حکم.....
۲۴۹	چند شبہات اور ان کا ازالہ.....
۲۵۳	کرنسی کو سرکاری ریٹ سے کی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا.....
۲۵۴	مختلف ممالک کی کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بصورت قرض.....
۲۵۶	کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بصورت معاہدہ / معاہدہ.....
۲۵۷	فارورڈ کور کنٹریکٹ.....
۲۶۳	مذکورہ عبارات خلاصہ.....
۲۶۳	دوسرا قول.....
۲۶۵	مذکورہ عبارات کا خلاصہ.....
۲۶۶	مناقشہ اور ترجیح.....
۲۶۷	دو طرفہ وعدے کے قضااء لزوم پر کیا اثر مرتب ہوگا؟.....
۲۶۸	کرنسی کے کاروبار کی ایک نئی اور عالمگیر شکل.....

باب ششم

قدرِ نذر (Value)

۲۷۲	قدرِ نذر.....
۲۷۳	قدرِ نذر کے تغیرات.....
۲۷۵	انتطاع (Forfeiture).....

صفحہ نمبر	عنوان
۲۷۶	مذہب فقہاء.....
۲۷۹	امام صاحبؒ کے قول کی وجہ.....
۲۷۹	صاحبینؒ کے قول کی وجہ.....
۲۸۰	مذہب مالکیہ.....
۲۸۱	شافعیہ.....
۲۸۲	حنابلہ.....
۲۸۳	کساد (Depression).....
۲۸۹	مالکیہ و شافعیہ.....
۲۹۲	حنابلہ.....
۲۹۳	خلاصہ بحث.....
۲۹۵	نقشہ مذاہب.....
۲۹۶	افراط زر (Inflation).....
۲۹۶	افراط زر کے معنی.....
۲۹۷	افراط زر کی خصوصیات (Characteristics).....
۲۹۷	افراط زر کی چند مشہور قسمیں.....
۲۹۸	قدر زر میں تغیرات پیدا کرنے والے عوامل.....
۲۹۹	تفریط زر (Deflation).....
۳۰۰	قدر زر کے تغیرات کے اثرات اور نتائج.....
۳۰۱	افراط اور تفریط زر سے متعلق شرعی نقطہ نظر.....
۳۰۲	قولی جمہور.....
۳۰۲	امام ابو یوسفؒ کا مذہب.....

صفحہ نمبر	عنوان
-----------	-------

۳۱۰	فائدہ
۳۱۰	حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول کا صحیح حمل
۳۱۲	قیمتوں کا اشاریہ (Price Index)
۳۱۳	”اشاریہ“ کا طریقہ اور اس کے مختلف مراحل
۳۱۶	وضاحت
	کیا قرض اور اجرت کو اشاریہ کے ساتھ منسلک کیا جاسکتا ہے؟
۳۱۷	(Indexation System)
۳۱۸	قرضوں کو اشاریہ کے ساتھ منسلک کرنا شرعاً کیسا ہے؟
۳۲۵	۱- اشاریے میں درج شدہ اشیاء کی تعیین
۳۲۶	۲- اشیاء کے وزن (اہمیت) کی تعیین
۳۲۶	۳- اشیاء کی قیمت کا تعیین
۳۲۷	مزدوروں کی اجرتوں کو اشاریہ کے ساتھ وابستہ کرنا
۳۲۸	پہلی صورت
۳۲۹	دوسری صورت
۳۳۰	تیسری صورت
۳۳۱	تیسری اور دوسری صورت میں فرق
۳۳۱	فلوس کی قیمت میں تبدیلی اور اقوال فقہاء

باب ہفتم

۳۳۲	زیر اعتباری یا زیر تجارت (Credit Money)
۳۳۲	اعتبار (Credit) کی حقیقت

صفحہ نمبر	عنوان
۳۳۴	ذریعہ اعتباری یا ذریعہ تجارت کی حقیقت
۳۳۵	ذریعہ اعتباری کی چاری خصوصیات
۳۳۵	ذریعہ اعتباری کی مشہور قسمیں
۳۳۶	نوٹ
۳۳۸	ذریعہ اعتباری کا ارتقاء
۳۴۰	ذریعہ اعتباری اور اس کے وظائف
۳۴۱	چیکوں کے نظام کے فوائد
۳۴۲	مبادلاتی بلوں (Bill of Exchange) کے فوائد
۳۴۳	ذریعہ اعتباری کے معتبر ہونے کی شرطیں
۳۴۵	ذریعہ اعتباری میں لین دین کے طریقے
۳۴۵	تظہیر (Endorsement) کے قانونی تقاضے
۳۴۶	تظہیر (Endorsement) کی اقسام

باب ہشتم

مالیاتی دستاویزات

۳۴۹	۱- بیع الدین بالدین
۳۵۱	۲- بیع الدین من علمہ الدین
۳۵۳	۳- بیع الدین من غیر من علمہ الدین
۳۵۵	اہم نوٹ
۳۵۵	مذہب مالکی
۳۵۶	مذہب شافعی

صفحہ نمبر	عنوان
۳۵۸	خلاصہ.....
۳۵۸	حوالہ.....
۳۵۸	حوالہ کی تعریف.....
۳۵۹	اصطلاحات.....
۳۵۹	رکن حوالہ.....
۳۶۰	شرائط حوالہ.....
۳۶۰	اقسام حوالہ.....
۳۶۱	احکام حوالہ.....
۳۶۱	محال علیہ حوالہ سے کس طرح خارج ہوگا؟ اس کی صورتیں.....
۳۶۲	چیک (Bank Cheque).....
۳۶۲	چیک کی تعریف.....
۳۶۳	چیک کے اطراف.....
۳۶۳	چیک اور مبادلاتی بل (Bill of Exchange) میں چند نمایاں فروق.....
۳۶۳	چیک کی چند مشہور اقسام.....
۳۶۵	چیک کو مسترد (Dishonour) کرنے کی وجوہات.....
۳۶۶	چیک کی شرعی تکلیف.....
۳۷۱	ہنڈی (Bill of Exchange).....
۳۷۱	"Bill of Exchange" کی حقیقت اور تعریف.....
۳۷۲	ہنڈی کی شرائط.....
۳۷۵	بل آف ایکسچینج کی چند مشہور قسمیں.....
۳۷۵	بلحاظ مقام.....

صفحہ نمبر	عنوان
۳۷۶	بلحاظ مقاصد.....
۳۷۶	بلحاظ ادائیگی وقت.....
۳۷۷	بل کی تیاری کا طریقہ کار.....
۳۷۸	بل کی کٹوتی (Discounting of Bill of Exchange).....
۳۷۸	ہنڈی (Bill of Exchange) کی شرعی تکلیف.....
۳۸۰	کٹوتی (Discounting) کا حکم.....
۳۸۳	Bill of Exchange کی کٹوتی کا شرعی متبادل (Alternative).....
۳۸۶	مالیاتی دستاویزات کی تفہیم (Endorsement) کی فقہی تکلیف.....
	بھٹی تحویلات (Remittances / Transfer of Money) کی شرعی
۳۸۷	تکلیف.....
۳۸۷	پرومیسری نوٹ / اقرار نامہ (Promissory Note).....
۳۸۸	حکم شرعی.....
	بل آف ایکسچینج، چیک اور پرومیسری نوٹ کے آپس میں ایک دوسرے
۳۸۸	کے ساتھ کچھ اہم فروق.....
۳۸۸	چیک اور بل (Bill of Exchange) میں فرق.....
۳۸۹	بل اور پرومیسری نوٹ میں فرق.....
۳۹۰	پرومیسری نوٹ اور چیک میں فرق.....
۳۹۰	کریڈٹ کارڈ (Credit Card).....
۳۹۱	① کریڈٹ کارڈ (Credit Card).....
۳۹۱	② ڈیبٹ کارڈ (Debit Card).....
۳۹۱	③ چارج کارڈ (Charge Card).....

صفحہ نمبر	عنوان
۳۹۲	شرعی احکام.....
۳۹۲	ڈیٹ کارڈ کا شرعی حکم.....
۳۹۲	چارج کارڈ کا شرعی حکم.....
۳۹۲	کریڈٹ کارڈ کا شرعی حکم.....
۳۹۳	ای ٹی ایم کارڈ (Automated Transfer Machine).....
۳۹۲	بنک ڈرافٹ (Bank Draft).....
۳۹۷	پے آرڈر (Pay Order).....
۳۹۷	بانڈ (Bond).....
۴۰۱	کمپنیوں کے بانڈز.....
۴۰۲	قابلِ تحویل بانڈز (Bonds Convertible into Shares).....
۴۰۳	سرکاری بانڈز.....
۴۰۳	سرکاری بانڈز کی نمایاں قسمیں.....
۴۰۵	بانڈز کا حکم شرعی.....
۴۰۵	مجمع الفقہ الاسلامی جلد۱ کی قرارداد.....
۴۰۸	سریٹیلیٹس.....
۴۱۰	گورنمنٹ سکیورٹی سریٹیلیٹس.....
۴۱۳	شیئرز سریٹیلیٹ.....
۴۱۳	بونس شیئرز.....
۴۱۵	تجہدات (Warrants).....
۴۱۷	خیارات (Options).....
۴۱۹	آپشن کی چند مشہور اقسام.....

صفحہ نمبر	عنوان
۴۲۰	۱- خيار الطلب (Call Option)
۴۲۰	۲- خيار الدفع (Put Option)
۴۲۰	۳- خيار المركب (Straddle Option)
۴۲۱	حکم شرعی

۴۲۲

ضمیمہ ۱: Bai-al-Dain

ضمیمہ ۲: شیرز اور اسٹاک ایکسچینج میں کاروبار سے متعلق
اہم تحقیق

۴۲۴

۴۲۵ ڈے ٹریڈنگ

۴۲۵ فوری سودے (Spot Trading)

۴۳۴ مستقبل کے سودے (Futures)

۴۳۷ بدلہ کے معاملات

۴۳۹

اختتامیہ

مراجع و مصادر

۴۴۳

(Bibliography)

۴۵۵

English Books



تقریظ

شیخ الاسلام
حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب
دامت برکاتہم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ
الْكَرِيمِ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ، وَعَلَى كُلِّ مَنْ تَبِعَهُمْ
بِإِحْسَانٍ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ

عزیز گرامی مولانا عصمت اللہ صاحب کی کتاب ”زر کا تحقیقی مطالعہ“ دراصل
اُن کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے، اور میری نگرانی میں لکھا گیا ہے۔ مولانا اس کی تالیف کے
دوران مجھ سے مشورے بھی کرتے رہے ہیں، اور میں نے اُسے تقریباً باستیاب دیکھا
ہے۔ ماشاء اللہ انہوں نے ”زر“ سے متعلق فقہی مسائل و مباحث کو بہت خوبی سے اس
کتاب میں جمع فرمایا ہے، اور پیچیدہ مسائل پر فاضلانہ بحثیں کی ہیں۔ اس موضوع پر کام
کرنے کے لئے زر سے متعلق عملی صورت حال کو بھی مد نظر رکھنا تھا، اور اس سے پیدا ہونے
والے مسائل کا خالص فقہی بنیادوں پر جائزہ بھی لینا تھا، ماشاء اللہ فاضل مؤلف نے
دونوں پہلوؤں سے پوری احتیاط اور بالغ نظری کے ساتھ تحقیقی کام کیا ہے، اور اُمید ہے
کہ ان شاء اللہ ان کی یہ تالیف اہل علم کے لئے نہایت مفید ثابت ہوگی اور تحقیق و نظر کے

دروازے کھولے گی۔

اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر اسے نافع بنائیں، اور یہ ان کے لئے ذخیرہ آخرت ثابت ہو، آمین، وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ۔

بندہ

محمد تقی عثمانی عفی عنہ

دارالعلوم کراچی ۱۴

۷ رجب ۱۴۳۰ھ

بسم الله الرحمن الرحيم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مقدمہ

موضوع کا تعارف اور اس کی اہمیت

اس میں شک نہیں کہ اسلام ایک عالمگیر اور ہمہ گیر دستور حیات ہے، یہ وہ دین ہے جو ہر زمانے کے حالات اور تقاضوں سے مطابقت رکھتا ہے، اور جملہ شعبہائے زندگی کے احکام کو جامع ہے، اور ہر شعبہ زندگی سے متعلق اسلام میں ہدایات موجود ہیں۔

انسانی معاشرے میں باہمی لین دین (Dealing) کے لئے ”زر“ (Money) کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی کی سی ہے، بلکہ باہمی معاملات کا مدار اصلی پر ہی ہے۔ ”زر“ کے استعمال کا سلسلہ مختلف شکلوں میں زمانہ قدیم سے چلا آ رہا ہے، اسلام سے قبل بھی، اور اسلام کے بعد بھی، مختلف ادوار میں زر کی شکلیں بدلتی رہیں، اور اس کی قدر و قیمت (Value) میں تغیرات اور اتار چڑھاؤ ہوتا رہا، جس کی وجہ سے زر کی بہت ساری صورتیں اور قسمیں وجود پذیر ہوئیں، جس کے نتیجے میں بہت سے نئے مسائل نے جنم لیا، اور جنم لے رہے ہیں۔

کچھ عرصے سے پورے عالم اور خاص طور پر پاکستان میں ”اقتصاد“ کو اسلامی سانچے میں، اور اس کو سود جیسی لعنت سے پاک کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں، اور اس سلسلے میں پاکستان کی عدالت عالیہ فیصلہ بھی دے چکی ہے۔ جس پر غفر رب عمل درآمد متوقع ہے،

اس سے اس موضوع کی اہمیت و نزاکت اور بڑھ گئی ہے۔

اس موضوع پر اُردو یا انگریزی زبان میں جو کام ہوا ہے، وہ مختصر اور عدم جامعیت کی بناء پر نہ ہونے کے برابر ہے، علمائے عرب نے ذر پر اگرچہ خاصا تحقیقی کام کیا ہے، اور اس کے مختلف احکام اور اقسام کو ذکر کیا ہے، لیکن بہت سارے احکام میں ان کی آراء میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے، جس کی وجہ سے حتیٰ نتائج تک پہنچنا بسا اوقات دشوار ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ ذر کی مختلف صورتوں کے احکام منتشر طریقے سے کتابوں میں مذکور ہیں، اور بعض صورتیں ایسی ہیں جو هنوز تحقیق طلب ہیں، مثلاً: ذر کی حقیقت (Nature)، بوٹلر کی مختلف اقسام کے شرعی احکام، مختلف تمسکات کا شرعی جائزہ، بنک چیک کی شرعی حیثیت، اور اس پر قبضے کی شرعی حیثیت، اس زمانے میں افراط ذر سے پیدا شدہ مسائل کے بارے میں غور اور ان کا شرعی حل، خاص طور جہاں افراط ذر تقریباً کساد کی حد تک پہنچا ہو، جیسا کہ افغانستان وغیرہ میں یہ مسئلہ درپیش ہے، اور ان جیسے متعدد مسائل، جیسا کہ آگے تفصیل سے ان شاء اللہ تعالیٰ اندازہ ہو جائے گا، اس لئے اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اس موضوع پر ایک ایسا تحقیقی مقالہ لکھا جائے جو قومی زبان میں ہو، اور عام فہم و جامع ہو نیز جن مسائل میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے، قرآن و سنت اور اس سے مستفاد اصول کی روشنی میں ان کی ترجیح تلاش کی جائے۔

اس اہمیت کے پیش نظر اس موضوع کو ایم فل۔ پی ایچ ڈی کے لئے منتخب کیا گیا ہے، تاکہ قرآن و حدیث کی روشنی میں اس موضوع کا تفصیلی تجزیاتی تحقیقی مطالعہ کیا جائے اور متعلقہ مسائل کو ایسے انداز میں مرتب کیا جائے کہ مزید تحقیق کرنے والوں کے لئے مشعل راہ ثابت ہو۔

یہ مقالہ مقدمہ، آٹھ ابواب اور اختتامیہ پر مشتمل ہے۔

باب اوّل

زَر - تعارف و حقیقت

زَر (Money) کی تعریف فقہائے کرام کے نزدیک

عربی زبان میں ”زَر“ کو ”نقد“ کہتے ہیں، جس کی جمع ”نقد“ ہے۔

قدیم فقہی عبارات اور نصوص پر غور کرنے سے جو بات سامنے آتی ہے، وہ یہ ہے کہ ان کی رُو سے زَر (نقد) کا اطلاق اس درجہ عموم کے ساتھ نہیں ہے، جس درجہ عموم کے ساتھ ماہرینِ اقتصاد (Economists) کے ہاں اس کا اطلاق ہوتا ہے، چنانچہ فقہائے کرام کی عبارات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں ”زَر“ کے اطلاق میں تین نظریات ہیں:

پہلا نظریہ

زَر سے مراد مطلقاً سونا چاندی ہے، یعنی خواہ ڈھلے ہوئے سکے کی شکل میں ہو، جیسا کہ درہم و دینار یا ڈلی وغیرہ کی شکل میں ہو۔^(۱)

(۱) تبیین الحقائق شرح كنز الدقائق الزیلعی (الامام فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی الحنفی)، بیروت دارالکتب العلمیة، طبع اول ۱۳۵۲ھ: ”یعنی اذا وجد معدن ذهب او فضة وهو المراد بالنقد او حديد النثر“ (۹۳/۲)۔

_____ فتم التقدیر شرح الهدایة ابن الہمام، (الامام محمد بن عبد الواحد بن الہمام) کولتہ مکتبہ رشیدیہ، فی باب الربا: ”كما فی اثناء ین من جنس واحد حدید او ذهب او فضة احدهما اکثر وزنا من الآخر، (باقی اگلے صفحے پر)

دوسرا نظریہ

زَر سے مراد صرف ڈھلا ہوا سکہ مراد ہے، یعنی درہم و دینار، لہذا سونے یا چاندی کے برتن یا ڈلی یا کسی اور شی کو جو سونے یا چاندی سے بنی ہوئی ہو، اس کو زَر نہیں کہا جائے گا۔^(۲)

(بقیہ حاشیہ مندرجہ) فقی الاناءین من غیر النقدين يجوز بيع احدهما بالآخر الخ (۱۵۸/۶)۔

تحفة المحتاج الہیتمی، (العلامة ابن حجر الہیتمی الشافعی) : والنقد ای الذهب والفضة ولو غیر مضروبین، وتخصیصہ بالمضروب مہجور فی عرف الفقہاء الخ (۲۷۹/۳)

(۲) تحریر الفاظ التنبیہ النووی، (محب الدین محی بن شرف النووی) دمشق، دار القلم، طبع اول ۱۴۰۸ھ

”النقد“ الدرہم والدنانیر“ (ص ۱۱۲)

القاموس الفقہی لغة واصطلاحاً سعدی ابو حنیبل، ”العملة من الذهب والفضة ویقال لہما النقدان (یعنی نقدود“

فتح القدیر، ابن الہمام، فی باب الصرف : ”وانما قال : من جنس الاثنان ولم یقتصر علی قوله : ”بیع ثمن بشن“ لمدخل بیع المصوغ بالمصوغ او النقد الخ“ (۲۵۹/۶)۔
اس عبارت میں ”مصوغ“ کو ”نقد“ سے الگ کر دیا ہے، جس کا صاف مطلب یہی ہے کہ نقد کا اطلاق صرف درہم و دینار پر ہوتا ہے۔

حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر، الدسوقی، (محمد عرفہ الدسوقی)، بیروت دار الفکر : ”وحرر — ای الربط — فی نقد ذهب وفضة ولو قال : ”فی عین“ کان اولی لان النقد خاص بالمسکوک الخ“ (۲۸/۳)

احکام الاوراق النقدیة الجمید، (ستر بن ثواب الجمید)، الطائف، مکتبۃ الصدیق، طبع اول، ۱۴۱۳ھ : ”وقد اعترض الاسنوی علی احد تراجم المنہاج — باب زکوۃ النقد — بما یفہم منه موافقته لہذا الفریق اذ یقول : اعلم ان النقد هو المضروب من الذهب والفضة خاصة فلو عبر المصنف بہما کم عبر الخ“ (ص ۳۲)

اس مسئلہ میں سونے یا چاندی کے برتن پر بھی ”نقد“ کا اطلاق کیا گیا، اور اس جگہ یہی ثابت کرنا مقصود ہے۔

ان دونوں کی رُو سے ذَرَكَا اِطْلَاقِ فِلُوس (Pices) یا دوسری اشیاء پر نہیں ہوگا۔

تیسرا نظریہ

اصل ذَرَا اگرچہ سونا، چاندی ہے، لیکن اس کا اِطْلَاق سونے چاندی کے علاوہ دیگر اشیاء پر بھی ہو سکتا ہے، چنانچہ اس نظریے کے مطابق ”ذَرَا“ کا اِطْلَاق ”فِلُوس“ (Pices) پر بھی ہو سکتا ہے۔^(۱)

اور جب فِلُوس پر اس کا اِطْلَاق درست ہے، تو دوسری اشیاء پر پر بھی اس کا اِطْلَاق ممنوع نہیں ہوگا، بشرطیکہ ان میں وہ شرائط پائی جائیں، جو ”ذَرَا“ کے اِطْلَاق کے لئے ضروری ہے۔

غرضیکہ فقہائے کرام کے نزدیک ذَرَكَا اِطْلَاقِ تین طریقوں سے ہوتا ہے، صرف ورام و دینار پر اس کا اِطْلَاق، ذَرَكَا یہ اِطْلَاق بہت ہی محدود اور سب سے اخص ہے، سونے

(۱) بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع الکامی (العلامة علاء الدین ابوبکر الکامی)، کراچی، ایچ ایم سعید، طبع اول ۱۳۲۸ھ: ”وجہ قولہ: (ای الامام محمد بعدم جواز بیع الفلوس بجنسها متفاضلا۔۔۔ عصمت) ان الفلوس الثمن، فلا يجوز بیعها بجنسها متفاضلا کالدراهم والدنانیر۔“ (۱۸۵/۵)

_____ المفنی والشرح الکبیر، ابن القدامة، (عبدالله بن قدامة) السعودية، مکتبة الریاء ض، ۱۴۰۳ھ: ”فان احمد قال: لا اری السلم فی الفلوس لانه يشبه الصراف وهذا قول محمد بن الحسن وابی ثور، لانها ثمن فجازت الشرکة بها کالدراهم والدنانیر۔“ (۱۲۵/۵)

_____ احکام الاوراق النقدية الجمید، (سثر بن ثواب الجمید) ”ابن وهب عن الیث بن سعد عن یحیی بن سعید وزبیعة انهما کرها الفلوس بالفلوس بینهما فضل او نظرة، وقال: انها صارت سكة مثل سكة الدنانیر والدراهم۔“ (ص ۳۳)

_____ مجموع الفتاوی ابن تیمیہ، (شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ) السعودية، مطابع الریاء ض، طبع اول، ۱۳۸۳ھ: ”والاظهر المستمع من ذلك فان الفلوس النافقة يغلب عليها وتجعل معیارا لاموال النفس۔“ (۳۶۸/۲۹)

چاندی پر اس کا اطلاق، خواہ سونا یا چاندی کسی بھی شکل (Shape) میں ہو، اس میں پہلے کی نسبت عموم پایا جاتا ہے، اور تیسرا اطلاق سب سے عام ہے، کیونکہ اس کی رو سے زَرَکۃ اطلاق فلوس پر بھی ہو سکتا ہے۔

یاد رہے کہ فلوس سونے یا چاندی کے نہیں ہوتے، بلکہ تانبے وغیرہ کے ہوتے ہیں، تفصیل باب دوم میں ملاحظہ فرمائیں!

زَرَکۃ تیسرا اطلاق ماہرین اقتصاد (Economists) کے موقف کے زیادہ قریب ہے، ذیل میں تفصیل دی گئی ہے۔

زَرَکۃ کی تعریف ماہرین اقتصاد کے نزدیک

جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب ”زَرَ“ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”جو چیز عرفاً آلہ مبادلہ کے طور پر استعمال ہوتی ہو، اور وہ قدر زَرَ کا پیمانہ ہو، اور اس کے ذریعہ مالیت کو محفوظ کیا جاتا ہو، اسے ”زَرَ“ کہتے ہیں۔“^(۱)

پروفیسر کراؤتھر (Prof. Crowther) زَرَ کی تعریف یوں کرتے ہیں:

”زَرَ سے مراد وہ شے ہے، جو آلہ مبادلہ کی حیثیت سے مقبول عام ہو، اور جو ساتھ ہی ساتھ معیار قدر اور ذخیرہ قدر کا فرض بھی سرانجام دے۔“^(۲)

ڈاکٹر عدنان خالد ترکمانی اپنی کتاب میں زَرَ کی تعریف ان الفاظ کے ساتھ کرتے ہیں:

”النقد عبارة عن كل شيء يلتقي قبولاً عاماً كوسيط للتبادل

ومقياس للقيمة مهما كان ذلك الشيء وعلى أي حال

يكون“

(۱) اسلام اور جدید معیشت و تجارت، ادارۃ المعارف کراچی ۱۳۔ طبع اؤل ۱۳۱۹ھ۔

(۲) تعارف زَر و بنکاری، شیخ مہارک علی، ریسرچ سکالر اوسلو یونیورسٹی ناروے، ربر پبلشرز کراچی طبع

”ذَرِّ“ ہر اس شے کو کہتے ہیں، جو آلہ مبادلہ کی حیثیت سے مقبول عام ہو، اور معیار قیمت ہو، وہ شے کچھ بھی ہو، اور کسی بھی حالت میں ہو۔“ (۱)

کیول کرشن اپنی کتاب میں ذَرِّ کی تعریف یوں کرتے ہیں:

"Money may be defined as the means of valuation and of payments : as both the unit of account and the generally accepted medium of exchange" (2)

اس تعریف کا حاصل بھی تقریباً وہی ہے، جو مذکورہ بالا تعریفات میں ذکر ہوا۔

تعریف ذَرِّ کے اجزایا خصوصیات (Features)

ان تعریفات سے معلوم ہوتا ہے کہ ذَرِّ کے چار اہم اجزایا خصوصیات ہیں:

①- ذَرِّ کا آلہ مبادلہ ہونا۔

②- مقبول عام ہونا۔

③- پیانہ قدر ہونا۔

④- مالیت محفوظ کرنے کا ذریعہ ہونا۔

ہر جزء کی مختصر تشریح ذیل میں ملاحظہ ہو:

①- ذَرِّ آلہ مبادلہ ہے:- ہر انسان کو زندگی میں مختلف اشیاء کی ضرورت پڑتی

ہے، لیکن ہر چیز ہر ایک کے پاس ہونا ضروری نہیں، ایک چیز ایک شخص کے پاس ہے، تو

دوسرے کے پاس نہیں، اور دوسرے کے جو چیز ہے، وہ اس کے پاس نہیں، اس وقت ایک

دوسرے سے تبادلے کی کیا صورت ہوگی؟ سامان کو ذریعہ مبادلہ بنانا مشکل ہے، کیونکہ ہر

(۱) السیاسة النقدية والمصرفية في الاسلام الترمکمانی (الدکتور عدنان خالد الترمکمانی)

بہروت، مؤسسة الرسالة، طبع اول ۱۴۰۹ھ

(2) Modern Economic Theory. Dewett. Kewal Krishan India Delhi, Eighteen revised edition, 1983. P:409

آدمی کو ہر سامان کی ہر وقت ضرورت نہیں ہوتی، اور نہ ہر ایک کا ہر سامان پر راضی ہونا ضروری ہے، اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے سونے چاندی کو ذریعہ تبادلہ (Medium of Exchange) کے طور پر پیدا فرمایا، اور ہر انسان کے دل میں ان دونوں کی محبت و عظمت اس طرح ڈالی کہ ہر آدمی اس کو قبول کرنے پر طبعی طور پر بھی مجبور ہے، چنانچہ شروع سے لے کر آج تک یہ قابلِ قدر ہے، اور معنوی حیثیت سے اب تک یہی ذریعہ تبادلہ ہے، گو صورتِ اس میں تعیم کی گئی، اور ذکر کا مفہوم وسیع تر ہوتا گیا۔

⑩- ذکر مقبولِ عام ہو: - ذکر بننے والی شے کے لئے ضروری ہے کہ اس میں قبولیتِ عامہ کا وصف موجود ہو، یعنی ہر شخص اسے کسی حیل و حجت کے بغیر قبول کر کے اس کے عوض مطلوبہ شے دینے کے لئے تیار ہو۔

⑪- ذکر پیمانہ قدر ہو: - سامان کی قیمتوں کا معیار کیا ہو؟ اگر اس کے لئے کوئی معیار اور پیمانہ مقرر نہ ہو، تو ہر آدمی اپنے اندازے اور مفاد کے مطابق قیمتوں کا تقرّر کرے گا، جس سے نزاع کی صورت پیدا ہوگی، مثلاً اگر ذکر نہ ہوتا، تو ایک اؤنٹ کی قیمت سامان اور دیگر اشیاء سے کیا ہو؟ اس کا فیصلہ بہت مشکل ہوتا، ذکر نے اس مشکل کو نہایت آسان کر دیا، اب ذکر پیمانہ اور معیار (Measure of value) قرار دیا گیا، اؤنٹ کی قیمت اب ذکر سے لگنی چاہئے، نہ کہ سامان سے، اور اس میں اب کوئی نزاع یا مشکل درپیش نہیں ہوگی۔

⑫- مالیت محفوظ رکھنے کا ذریعہ ہو: - اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے پاس کوئی جنس رکھی ہوئی ہو، تو اس کی قیمت کم و بیش ہوتی رہتی ہے، نیز ضروری نہیں کہ ہر وقت اس کا کوئی خریدار مل جائے، اس لئے اس کی مالیت مکمل طور پر محفوظ نہیں، اس کے بجائے اگر ذکر رکھ لیا جائے، تو عام حالات میں اس سے مالیت محفوظ رہتی ہے یعنی غیر معمولی حالات سے قطع نظر، اس کی ذاتی قیمت یکساں رہتی ہے، نیز اس سے کوئی بھی چیز جب چاہیں خرید

جاسکتی ہے۔^(۱)

خلاصہ بحث یہ کہ:-

(۱)۔ ”زر“ کا اطلاق سونے اور چاندی پر متفق علیہ ہے، اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں، نہ فقہائے کرام کا اور اقتصادیین کا۔

(۲)۔ ایک موقف یہ ہے کہ سونے یا چاندی جب درہم یا دینار کی شکل میں ہو، تو زر ہے، ورنہ نہیں۔

(۳)۔ ایک موقف یہ ہے کہ اس سلسلے میں عموم پایا جاتا ہے کہ سونا چاندی کسی بھی شکل میں ہوں، وہ زر کے حکم میں داخل ہیں۔

(۴)۔ ایک موقف کے مطابق اس میں کچھ زیادہ عموم اور توسع پایا جاتا ہے، جن میں زر کا اطلاق فلوس پر بھی کیا گیا ہے۔

(۵)۔ اقتصادیین (Economists) کے ہاں ”زر“ کا مفہوم اور بھی وسیع ہو گیا، اور ان کے ہاں زر ہر اس شے سے عبارت ہے، جس میں مذکورہ خصوصیات پائی جائیں۔

(۱) احکام الاوراق النقدية والتجارية في الفقه الاسلامي

تعارف زر و بنگاری

_____ اسلام اور جدید معیشت و تجارت۔

_____ مقدمة في النقود والبنوك، الدكتور محمد زكي شافعي، بيروت، دار النهضة العربية،

طبعة هفتم۔

جدید فقہی مباحث، قاسمی (مولانا مجاہد الاسلام قاسمی)، کراچی اداریۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، جلد دوم۔

The Theory of Money and Credit, Mises, Ludwig Von Mises

_____ السیاسة النقدية والمصرفية في الاسلام، الترمکمانی (الدكتور عدنان خالد

الترکمانی)، بيروت مؤسسة الرسالة، ۱۴۰۹ھ۔

_____ تطور النقود في ضوء الشريعة الإسلامية، الحسني (الدكتور احمد حسن احمد

الحسني)، جدة، دار المدنی، طبع اول، ۱۴۱۰ھ۔

۶۔ بعد کے بیشتر علمائے اسلام بھی زر کے مذکورہ مفہوم عام پر متفق ہو گئے، اور احکام شرعیہ میں اس عموم کا اعتبار کیا، جیسا کہ آگے تفصیلات سے ان شاء اللہ تعالیٰ واضح ہو جائے گا۔

زر کی حقیقت (The Nature of Money)

زر کی حقیقت سے مراد اس کی ”طبیعت“ (Nature) ہے، یہ بہت ہی اہم مسئلہ ہے، کیونکہ سود کو جائز قرار دینے کے لئے جو حیلے بہانے تراشے جاتے ہیں، ان میں سے ایک حیلہ یہ بھی ہے کہ ”زر“ کے ساتھ ”شی“ (Commodity) جیسا معاملہ کیا جائے، لہذا جس طرح کسی شیء مثلاً، کتاب یا دکان یا مکان کو بیچا جاتا ہے، اور اس کی قیمت باہمی رضامندی سے کچھ بھی مقرر کی جاسکتی ہے، اسی طرح زر کا معاملہ بھی ہے، کہ اس کی قیمت خواہ کچھ بھی لگائی جائے، خواہ قیمت اسمیہ (Face Value) سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو، جائز ہے، اور یہ کوئی سود نہیں ہے، اسی طرح جب ایک مکان یا دکان کو کرایہ پر دیا جاسکتا ہے، اور اس پر کرایہ وصول کیا جاسکتا ہے، یہی حال زر کا بھی ہونا چاہئے کیونکہ زر بھی تو ایک شیء ہے۔

خلاصہ یہ کہ ذران حضرات کے نزدیک من جملہ اشیاء (Commodities) میں سے ہے، جو حکم معاملات (Transactions) میں دیگر اشیاء کا ہے، وہی حکم زر کا بھی ہوگا، اور جو سلوک دیگر اشیاء کے ساتھ کیا جاتا ہے، وہی سلوک زر کے ساتھ بھی ہوگا۔

یہ حضرات اشیاء کو دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں:

① شیء مصرفی (Consumption Goods)

② شیء پیداوار (Production Goods)

شیء مصرف کا مطلب یہ ہے کہ اس کو صرف کر کے اس سے براہ راست انسانی حاجت پوری ہو، مثلاً اس کو کھایا جائے، یا پیایا جائے، یا اس کو پہنا جائے، وغیرہ۔

شیء پیداوار کا مطلب یہ ہے کہ وہ کل تجارت (Tradable) ہو، اس کی خرید

وفروخت ہو، اس کو اجارہ (Leasing) اور کرایہ پر دیا جائے، اور اس سے منافع (Profit) حاصل ہو۔

جو لوگ ذکر کو ”شی“ مانتے ہیں، ان کے نزدیک زر دوسری قسم میں داخل ہے، یعنی ان کے نزدیک زر شی پیداوار (Production Goods) ہے۔

لہذا دیگر اشیائے پیداوار کی طرح زر میں کمی بیشی کے ساتھ خرید و فروخت جائز ہوگی، نیز اس کو قرض دے کر اس پر سود (Interest) لینا درست ہوگا، گویا کہ زر ان کے ہاں عمل تجارت ہوا اور اس میں اخلاقی یا شرعی طور پر کوئی قباحت نہیں ہوگی۔^(۱)

”زر“ کی حقیقت اور طبیعت (Nature) سے متعلق مذکورہ موقف یا نظریہ

(۱)

The Historic Judgment on Interest, Usmani, (Justice Muhammed Taqi Usmani,) Karachi, Idaratul_Ma'araf, 1st edition, 2000 A.D, P:93

"The commodities are classified into the commodities of first order which are normally termed as 'consumption goods' and the commodities of the higher order which are called 'production goods'. Since money, having no intrinsic utility, could not be included in 'consumption goods' most of the economists had no option but to put it under the category of production goods."

The Theory of Money and Credit, Ludwig Von Mises, Liberty Classics Indianapolis, 9180, P: 95, Ch: 5 Part: one

"It is usual to divide economic goods into the two classes of those which satisfy human needs directly and those which only satisfy them indirectly: that is 'consumption goods', or goods of the first order, and production goods, or goods of the higher order."

Introduction to Economic Principles, Dr. A. N. Agarwala, Katab Mahal 1983.

"Robertson defines money as a commodity which is used to denote any thing which is widely accepted in payment for goods or in discharge of other kinds of business obligation."

————— الربا خطرۃ وسبل الخلاص منه ———— (الحماد) (الدكتور حمد بن عبد العزيز الحماد)

مصر، مطبعة المدنی، طبع اول ۱۴۰۳ھ (ص ۲۸)۔

————— جہاد فی رفع ہلو الربا الشیخ محمد خاطر محمد الشیخ، مصر، مطابع الازہار

التجاریۃ، القاہرۃ، (ص ۲۲)

(Theory) اس قدر کمزور اور بے بنیاد ہے، کہ اس کو نہ صرف علمائے اسلام نے رد کیا ہے، بلکہ خود بیشتر ماہرین معاشیات بھی اس کی نفی کرتے ہیں۔

ہم اس مقالے میں پہلے ماہرین معاشیات کی طرف سے اس نظریے کا ابطال (Negation) پیش کریں گے، اور اس کے بعد علمائے اسلام کی متعلقہ آراء بیان کریں گے۔

مذکورہ موقف اہل اقتصاد کی نظر میں

Kewal Krishan Dewett اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:-(1)

"How money differs from goods? Goods are mainly of two types: the consumer goods, and producer or capital goods. It cannot be consumed as such. There was a time when some commodities served as money and there are exceptional circumstances in modern time too, e.g. in Germany in 1945 when there was hyper inflation, cigarettes served as money. But normally is not an ordinary consumer good...

Money cannot also be regarded as a capital good. Capital goods like machines and raw materials help in the manufacture of goods by their physical transformation....It performs entirely a different function. Money is an exchange good, and useful only in an exchange economy."

خلاصہ اس عبارت کا یہ ہے کہ اشیاء دو قسم کی ہیں: اشیاء مصرفی اور اشیاء سرمایہ یا پیداوار، ”ذر“ پہلی قسم میں عام حالات میں داخل نہیں ہو سکتا، کیونکہ ذر اس طرح خرچ نہیں کیا جاسکتا کہ اس سے براہ راست کوئی انسانی ضرورت پوری ہو، اسی طرح ذر اشیاء سرمایہ میں سے بھی نہیں ہو سکتا، اشیاء سرمایہ مثلاً مشینری یا خام مال ذاتی طور پر دوسرے مال بنانے میں مدد دیتا ہے، لیکن ذر یہ میں یہ خاصیت موجود نہیں، اس کا وظیفہ

(1) Modern Economic Theory, P.409

بالکل مختلف ہے، زر صرف شیء مبادلہ ہے، اور مبادلے کا ذریعہ ہے۔

پروفیسر محمد منظور علی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: (۱)

”زر یعنی نوٹ اور اس کے سکے براہ راست صرفی شیء (Consumer Good) نہیں ہے، یعنی زر کسی انسانی حاجت کو براہ راست پورا نہیں کرتا، کیونکہ یہ کھانے یا پہننے یا رہنے کے کام نہیں آتا، مثلاً آپ سونے کے سکے یا کانڈ کے نوٹ یا بینک چیک کو نہ کھا سکتے ہیں، نہ بدن پر پہن سکتے ہیں،..... کوئی صرفی شیء صرف دو حالتوں میں ذربن سکتی ہے، یا تو قدیم طرز کی پس ماندہ سوسائٹی میں یا پھر غیر معمولی حالات میں، جنگ عظیم کے بعد جب جرمنی کو شکست ہوئی، تو وہاں سگریٹ نے زر کا مرتبہ حاصل کر لیا تھا،.....“

”زر“ اشیائے سرمایہ سے بھی مختلف ہے، کیونکہ زر کے فرائض اشیائے سرمایہ کے فرائض سے بالکل مختلف ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ زر صرف اس لئے کارآمد ہے کہ اسے آلہ مبادلہ کی حیثیت حاصل ہے۔“

Ludwig Von Mises نے اپنی کتاب (۲) میں اس نظریے کی تردید میں

باقاعدہ ایک باب (Chapter) باندھا ہے، جو ۱۳ صفحات پر مشتمل ہے، اس باب کا عنوان

یہی ہے، عنوان ملاحظہ ہو:-

Money an economic good "Money neither a production good nor a consumption good"

”یعنی ذر نہ شیء سرمایہ ہے، اور نہ ہی شیء مصرفی ہے۔“

اس باب میں صاحب کتاب نے مفصل بحث کی ہے، اور دلائل بیان کئے ہیں،

(۱) کتاب معاشیات ص (۱۱۶)، پروفیسر محمد منظور علی طبع ۱۹۸۲ء علی کتاب خانہ

The Theory of Money and Credit, P:95 (۲)

لیکن آخر میں جو نتیجہ نکالا ہے، اور اس کو انصاف پر مبنی قرار دیا ہے، وہ یہ ہے کہ اشیاء کی تقسیم ثنائی نہیں، بلکہ ثلاثی ہے، یعنی اشیاء کو بجائے دو میں تقسیم کرنے کے تین قسموں میں تقسیم کرنا چاہئے:-

۱- وسائل پیداوار۔

۲- اشیاء صرف۔

۳- ذریعہ مبادلہ۔

اور یہ کہ اگر اس نظریے کو اپنایا جائے (یعنی یہ کہ ذرّی پیداوار میں داخل ہے)، اور اس کے ساتھ اشیاء کا معاملہ کیا جائے، تو یہ آدم سمٹھ (Adam Smith) کے بقول ”مردہ ذخیرہ“ (Dead Stock) ہوگا، جو کسی کام کا نہیں۔^(۱)

اس کے علاوہ معیشت پر لکھی ہوئی بیشتر کتابوں میں ”ذّر“ کی جو تعریف اور ذّر کے جو وظائف (Functions) بیان کئے گئے ہیں، ان میں اس بات کا ذکر نہیں کہ ذرّی پیداوار بھی ہے، بلکہ ان سب نے ذّر کو آلہ مبادلہ (Media of Exchange) کہا ہے۔

مذکورہ موقف اہل اسلام کی نظر میں

مذکورہ نظریے کو جس طرح اہل اقتصاد نے باطل اور بے بنیاد قرار دیا ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل ذکر ہوئی، اسی طرح اس نظریے کا ابطال اہل اسلام کی عبارات سے بھی ہوتا ہے، علمائے اسلام میں سے کسی نے اس نظریے کی تائید نہیں کی ہے، ان علماء و فقہاء کی عبارات میں اگرچہ صراحت اس نظریے کی تردید نہیں کی گئی ہے، لیکن انہوں نے ذّر کی جو حقیقت (Nature) بیان فرمائی ہے، اس سے خود بخود مذکورہ موقف کی تردید ہو جاتی ہے،

(1) The theory of Money and Credit :

"This is the complete justification the suggestion put forward by Knies that economic goods should be divided into means of production, objects of consumption, and media of exchange". P:502

"Regarded from this point of view, these goods what Adam Smith called them "dead stock, which produces nothing." P:102

گو بعض نے صراحت بھی ہے۔

جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے سود سے متعلق سپریم کورٹ آف پاکستان کے لئے جو مشہور فیصلہ لکھا ہے، اور جس نے ایک تاریخی حیثیت حاصل کی ہے، یعنی "The Historic Judgment on Interest" اس میں انہوں نے اس نظریے کی اسلامی اور اقتصادی نقطہ نظر سے تفصیل سے تردید فرمائی ہے۔^(۱)

انہوں نے اسلامی نقطہ نظر سے "زر" (Money) اور "شی" (Commodity) میں تین بنیادی فروق بیان فرمائے ہیں، جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱- زر براہ راست انسانی ضرورت و حاجت کو پورا نہیں کر سکتا، زر اشیاء (Commodities) اور خدمات (Services) کے حصول کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، جبکہ شی براہ راست انسانی ضرورت کو پورا کر سکتی ہے۔

۲- اشیاء کے مختلف معیار ہوتے ہیں، (کوئی شی مہنگی ہوتی ہے، اور کوئی شی سستی ہوتی ہے۔) جبکہ زر کی سوائے اس کیفیت کی اور کوئی کیفیت نہیں کہ وہ پیسہ قدر اور آلہ مبادلہ ہے، اس لئے ایک قیمت کے زر کی تمام اکائیاں (Units) آپس میں سو فیصد مساوی ہوتی ہیں، ایک ہزار کا پُرانا نوٹ اور نیا نوٹ معیار میں برابر ہیں۔

۳- اشیاء میں خرید و فروخت کے معاملات (Transactions) انہی خاص اشیاء کے ساتھ خاص ہوتے ہیں، جن پر یہ معاملات واقع ہوئے ہوں، ایک خاص کار کی طرف اشارہ کر کے اگر "الف" اس کو "ب" کے ہاتھ فروخت کرے، اور "ب" اس پر راضی ہو کر اس کو خریدے، تو خریدار "ب" اسی خاص کار کی وصولی کا حق دار ہوگا، خریدار کو دوسری کار لینے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، جبکہ زر کسی معاملے میں متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا، اگر "الف" "ب" کو کوئی خاص نوٹ دکھا کر اس سے کوئی چیز خریدے، تو "الف" "ب" کو اس خاص نوٹ کی بجائے دوسرا نوٹ بھی دے سکتا ہے، اور "ب" اس کو لینے پر مجبور ہوگا،

بشرطیکہ وہ نوٹ اسی قیمت کا ہو۔

لہذا ان بنیادی فروق کے ہوتے ہوئے ذر کے ساتھ اشیاء والا معاملہ نہیں کیا جائے گا، بلکہ ذر کو اپنی طبعی صفت کے پیش نظر صرف آلہ مبادلہ تک محدود رکھا جائے گا۔
شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے کئی صدیاں قبل ذر کی طبیعت یوں بیان فرمائی ہے:-^(۱)

”والدراهم والدنانیر لا تقصد لنفسها، بل هی وسیلة الی التعامل بها، ولہذا کانت اثماناً، بخلاف سائر الاموال قلن المقصود الانتفاع بها نفسها۔“

”ذراہم اور دنانیر مقصود بالذات نہیں، بلکہ یہ باہمی معاملات کا ایک ذریعہ ہیں، اسی وجہ سے یہ ”اثمان“ شمار ہو گئے، بخلاف دیگر اشیاء کے کہ یہ خود مقصود بالذات ہیں۔“

علامہ ابن تیمیہؒ نے ذر اور دیگر اشیاء میں بالکل واضح فرق بیان فرمایا، کہ ذر محض ذریعہ مبادلہ ہے، دیگر اشیاء کی طرح مقصود بالذات نہیں، کیونکہ ذر براہ راست انسانی حاجت کو پورا نہیں کر سکتا۔

علامہ ابن قیمؒ نے نہایت واضح انداز میں اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے:-^(۲)

”الاثمان لا تقصد لاعیانها، بل یقصد بها التوصل الی السلم، فاذا صارت من نفسها سلعة تقصد لاعیانها فسد امر الناس۔“

(۱) مجموعة الفتاویٰ ابن تیمیہ (شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ)، السعودیہ، مطابع الرياض، طبع اول ۱۳۸۲ھ (۱۹۶۹/۷۵۱)

(۲) اعلام الموقعین عن رب العالمین، ابن قیم الجوزیہ (علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر المعروف بابن قیم الجوزیہ المتوفی ۷۵۱ھ) مصر: ادارة الطباعة المنيرية، (۱۵۶۲)

”ذَرِّ مَقْصُودٍ بِالذَّاتِ نَحْنُ، بَلْكَ سَامَانِ كَاصُولِ كَاذِرِجِہِ، اَگَر
ذَرِّ سَامَانِ مِثْلِ شَارِہِ ہُو جَاۓ، تَو لَوگوں كَے مَعَامَلَاتِ فَاَسَدِ
ہُو جَاۓ گے۔“

حضرت امام غزالیؒ نے ”ذَرِّ“ كَی حَقِیْقَتِ پَر بہت مُفَصَّل بحث فرمائی ہے، جس كَا
خُلَاصَہ ان الفاظ مِثْلِ بَیَانِ كِیَا جَا سَكْتَا ہے:

”اللہ تعالیٰ كِی مَن جملہ نعمتوں مِثْلِ سَے اِیك بڑی نعمت ذَرِّ اہم و ذَنائِر كِی تَحْلِیْقِ بَہی
ہے، اُنہی سَے دُنْیَا كَا نَظَام قَائِم ہے، یہ دونوں مَحْضِ پَتحَرِہِں، ان سَے براہِ راسِت كُوئی نَفْعِ
حَاصِل نَہی ہوتا، لیكِن لوگ ان كَے بہت زیادہ مَحْتَاجِہِں، كِیونكہ ہر اِنسان كُو كَھانے، پینے،
لباس اور دُوسری حاجات مِثْلِ بہت سی چیزوں كِی ضرورت پڑتی ہے، اور اِنسان كَہی حاجت
كِی اِیك چیز سَے مُستَغْنی ہوتا ہے، اور كَہی حاجت كِی چیز كُو اس كُو ضرورت ہوتی ہے، مَثَلًا اِیك
شَخْص كَے پاس زعفران ہے، اور اس كُو ضرورت اُونٹ كِی ہے، اور دُوسرے شَخْص كَے پاس
اُونٹ ہے، اور اس كُو ضرورت زعفران كِی ہے، (اب یہ دونوں تَبادلہ كَرنا چاہتا ہے۔) تَو ان
كَے درمیان مَعَاوَضَہ بَہی ضروری ہے، اور عَرَضِہِ كِی مَقْدَارِہِ بَہی مُتَعین كَرنا ضروری ہے، كِیونكہ
اُونٹ والا اپنا پورا اُونٹ زعفران كَے بدلے مِثْلِ نَہی دے گا، اور اُونٹ اور زعفران مِثْلِ كُوئی
مَناسِبَت بَہی نَہی، كہ یہ كَہا جَاۓ كہ اُونٹ كَے برابر زعفران كَے بدلے اُونٹ حوالہ كَر دے،
بَہی حال دِگَر اَشْیاء كَا بَہی ہوگا..... لَہْذا یَہ اَشْیاء جَمِن مِثْلِ (صُورۃ یاوْنا كُوئی مَناسِبَت نَہی)
كُسی اِیسے ثَالِث كِی مَحْتَاج ہو گئیں جو ان مِثْلِ فیصلہ كَرے، اور صَحیح قِیمَت كُو مُتَعین كَرے تَو اللہ
تعالیٰ نے اس مَقْصِد كَے لَئے سونا چاندی كُو پَیدا فرمایا، تا كہ یہ دونوں اَشْیاء كَے درمیان
”مُكَلِّم“ كَا كَرْدَار ادا كَر سَیں، اور ان كِی بَیادِ پَر اُمُوال كَا اِنْدازہ ہو سَكے، اور اَشْیاء كَے درمیان
ان كَا بَیَانہ قَدْر ہونا اِسی پَر مَبْنی ہے كہ ان سَے خُود براہِ راسِت كُوئی غَرَضِہِ وابستہ نَہی، اَگَر ان
سَے خُود كُوئی غَرَضِہِ وابستہ ہوتی تَو یہ جس كَے مَطْلَب كَے ہوتے، اِسی كَے حَق مِثْلِ ان كُو تَرَجِجِ
ہوتی، اور دُوسرے ان كُو نہ لیتے، اور اِسی طَرَح سارا نَظَام دَرہِمِہِہِم ہُو جاتا۔ لَہْذا اللہ تعالیٰ

نے ان کو اس لئے پیدا فرمایا تاکہ یہ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جائیں، اور اموال غیر متناسبہ میں مساوات پیدا کریں، اور ان میں یہ حکمت بھی رکھی کہ ان سے دیگر اشیاء حاصل ہو سکیں، اور جس نے بھی ذرا ہم و ذنا میں سود کا معاملہ کیا تو اس نے نعمتِ خداوندی کی ناشکری کی اور ظلم کیا، کیونکہ ان دونوں کی تخلیق اپنے لئے نہیں بلکہ غیر کے لئے ہے کیونکہ یہ دونوں مقصود بالذات نہیں، چنانچہ جب کوئی شخص ان دونوں میں تجارت کرے گا، تو اس نے ان دونوں کو اس حکمت سے ہٹایا، جس کے لئے ان کی تخلیق ہوئی تھی:

”اذطلب النقد لغير ما وضع له ظلم“

کیونکہ ذکر کو ایسی چیز کے لئے لینا جس کے لئے یہ پیدا نہیں ہوا ہے ظلم ہے۔^(۱)

گویا کہ زر کے ساتھ عام اشیاء سا سلوک کرنا، اور اس کو محل تجارت (Tradable) بنادینا ظلم ہے، زر کے معاملے میں انصاف یہی ہے کہ جس مقصود کے لئے اس کی تخلیق ہوئی ہے اسی مقصود میں اس کو استعمال کیا جائے۔

ایک اہم اشکال اور اس کا جواب

امام غزالیؒ کی مذکورہ عبارت کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ درہم یا دینار محض ایک وسیلہ ہے، اور اشیائے غیر متناسبہ کے درمیان مساوات پیدا کرنے کا ایک معیار اور ثالث ہے، نہ یہ مقصود بالذات ہے، اور نہ ہی محل تجارت، چنانچہ ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

”فاذا اتجر فی عینہما فقد اتخذہما مقصودا علی خلاف

وضع الحکمة“^(۲)

”جب کوئی شخص ان دونوں کی ذات میں تجارت کرے گا، تو ان کو

اس حکمت کے خلاف استعمال کرے گا، جس کے لئے ان دونوں کی

(۱) احیاء علوم الدین، الغزالی (الامام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی

م ۵۰۵ھ، بیروت لبنان، دار المعرفۃ، (۳/ ۹۱)۔

(۲) حوالہ بالا ص ۹۲

”تخلیق ہوئی ہے۔“

اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ پھر تو ذکر کو زر کے مقابلے میں فروخت کرنا بالکل ناجائز ہو، حالانکہ درہم کی بیع دینار یا دینار کی بیع درہم کے ساتھ شرعاً جائز ہے، اور اس میں کمی بیشی بھی درست ہے، اسی طرح درہم کو درہم کے مقابلے میں فروخت کرنا یا دینار کو دینار کے مقابلے میں فروخت کرنا درست ہے، جبکہ دونوں جانب برابر برابر ہوں، اور ان معاملات کے جواز میں شرعی اعتبار سے کوئی شبہ نہیں۔

اس کا جواب خود امام غزالیؒ نے دیا ہے، چنانچہ ملاحظہ ہو:-

”درہم و دینار کی تخلیق سے اصل مقصد تو ان کے ذریعہ مختلف اشیاء کا حصول ہی ہے، لیکن اس مقصد میں ایک قسم کا زر دوسری قسم سے مختلف ہو سکتا ہے، بایں طور کہ ایک قسم سے دوسری قسم کے مقابلے میں اشیاء کے حصول تک رسائی آسان ہو، مثلاً اگر دینار کے درہم بنائے جائیں، تو درہم دینار کے مقابلے میں زیادہ ہوں گے، اور ان کو تھوڑا تھوڑا کر کے سب ضروریات پوری ہو سکیں گے، پس اگر اس کے مبادلے سے منع کیا جائے، تو مقصود خاص (مبادلہ) میں خلل ہوگا،..... اسی طرح ایک درہم کو اس کے ہم مثل درہم کے ساتھ بیع کو ہم نے جائز قرار دیا کیونکہ اس طرح کرنا ایک لغو اور فضول کام ہے، اور اس میں کوئی عاقل دلچسپی نہیں لیتا، تو ایسے بے رغبت کام کو کیوں منع کریں؟ (یعنی جب اس میں کوئی فائدہ نہیں تو کوئی عقل مند اس کو اختیار بھی نہیں کرے گا، تو اس کو ممنوع قرار دینے کا کوئی فائدہ بھی نہیں، اس لئے مختلف الاجناس زر کو ایک دوسرے کے ساتھ مبادلہ اور ایک درہم کو درہم کے مقابلے میں یا دینار کو دینار کے مقابلے میں

خرید و فروخت کے معاملے کو جائز قرار دیا۔“ (۱)

امام غزالیؒ کے اس جواب کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ یہ صورت بھی گویا اصل قاعدے اور ضابطے سے مستثنیٰ نہیں، بلکہ اس میں بھی پیش نظر زر کے ”ذریعہ“ بننے میں سہولت پیدا کرنی ہے۔

منفی مصرعہ خاطر اپنے مقالے (۲) میں زر اور دیگر اشیاء میں فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”زر کو زمین وغیرہ پر قیاس کرنا درست نہیں، اور نہ ہی یہ قیاس احکام شرعیہ اور قواعد فقہیہ کے مطابق ہے، کیونکہ زر ”اثمان“ ہے، اور اثمان کو کرایہ پر دینا اور ان کا کرایہ لینا درست نہیں، اس لئے کہ اجارہ عقد منفعت کا نام ہے، جس میں منفعت حاصل کرنے کے بعد عین کو واپس کرنا ضروری ہوتا ہے، (جبکہ زر میں یہ بات ممکن نہیں۔) چنانچہ علامہ کاسانیؒ اپنی کتاب ”البدائع“ میں فرماتے ہیں:-

”ولا يجوز اجارة الداهم والدنانير ولا تبرهما لانه لا يمكن الانتفاع بها الا بعد استهلاك اعيانها، والداخل تحت الاجارة هي المنفعة لا العين“۔

”دراہم و دنانیر اور ان کے ٹکڑوں کا اجارہ درست نہیں، کیونکہ ان سے اس وقت تک منفعت حاصل نہیں ہوتی، جب تک ان کی ذات

(۱) احیاء علوم الدین (۳/۹۲)

(۲) جہاد فی رفع بلوی الربا، الشیخ (محمد خاطر محمد الشیخ) مصر، مطابع الازہار التجارية۔ (۱/۲۳)

خرچ نہ ہو، حالانکہ اجارہ کے تحت منفعت داخل ہوتی ہے، نہ کہ عین۔“

ڈاکٹر حمد مصری اپنی کتاب میں^(۱) اس بات کو مزید وضاحت کے ساتھ یوں بیان فرماتے ہیں:-

”زمین کو کرایہ پر دینے اور زر کو کرایہ پر دینے میں فرق واضح ہے، (اور دونوں میں دو قسم کا فرق ہے) زمین کو کرایہ پر دینے میں عین باقی رہتا ہے، اور مستأجر صرف منفعت حاصل کرتا ہے، اور شرعاً اجارہ کی حقیقت یہی ہے، (جبکہ زر میں یہ بات ممکن ہی نہیں) نیز اجارہ میں شئی کا ضمان موجر (Lessor) پر ہوتا ہے، نہ کہ مستأجر (Lessee) پر، جبکہ زر میں شرعاً ضمان مقروض پر ہوتا ہے، نہ کہ مقروض پر۔“

خلاصہ بحث

زر (Money) اور شئی (Commodity) میں فرق ہے، اور یہ فرق بیشتر ماہرین حاشیات کو بھی تسلیم ہے، اور اہل اسلام تو اس پر متفق ہیں، اس لئے زر کی طبیعت (Nature) دیگر اشیاء سے مختلف ہوگی، اور دونوں کے ساتھ الگ الگ معاملہ ہوگا، اور دونوں کے احکام الگ الگ ہوں گے، اور ہر ایک کو اس کا صحیح مقام دیا جائے گا، لہذا زر صرف آلہ مبادلہ کے طور پر استعمال ہوگا، اور یہ محل تجارت نہیں ہوگا، محل تجارت صرف اشیاء ہوں گی، زر کو محل تجارت قرار دینا زر کے ساتھ ظلم ہے، اور نظام کو درہم برہم کرنے کے مترادف ہے۔

(۱) الربا خطره وسبيل الخلاص منه الحمد (الدكتور حمد بن حماد عبد العزيز الحمد).

مصر، مطبعة المحدثي طبع اول ۱۴۰۴ھ (ص ۴۸)

ذَرِّکَ قِسْمِیں

ذَرِّکَ مختلف حیثیتوں سے مختلف قسمیں بیان کی گئی ہیں، ذَرِّکَ قسموں کا چونکہ ذَرِّکَ کے ارتقاء اور مختلف نظامہائے ذَرِّکَ سے گہرا تعلق ہے، اس لئے ذَرِّکَ اقسام پر تفصیلی روشنی عنوان ”ذَرِّکَ ارتقاء اور مختلف نظامہائے ذَرِّکَ“ کے تحت ان شاء اللہ تعالیٰ ڈالی جائے گی۔
یہاں اتنی بات سمجھنی ضروری ہے کہ فقہی احکام کے لحاظ سے ذَرِّکَ دو اہم قسمیں ہیں:-^(۱)

① ثَمَنِ خَلْقِی

② ثَمَنِ عَرَنِی یا اصطلاحی

ثَمَنِ خَلْقِی وہ ثَمَن یا ذَرِّکَ ہے، جس کا ثَمَن یا ذَرِّکَ ہونا عرف یا تعامل پر موقوف نہ ہو، اور

(۱) (ا) کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم، عثمانی (جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی) کراچی، مبین اسلامک پبلشرز طبع اول ۱۹۹۳ء۔

تطور النقود فی ضوء الاسلامیة، الحسنی (احمد حسن احمد الحسنی) جلد ۱، دارالمدنی، طبع اول، ص ۵۳

_____ اسی کتاب میں شاہ ولی اللہ علیہ المعروف کتاب ”حجۃ اللہ الباقی“ کے حوالے سے مذکور ہے:

”وكان الالیق من بینہا — ای المعادن — الذهب والفضة لصغر حجمهما وتماثل افرادهما وعظم نفعهما فی بدن الانسان ولتاتی التحیل بهما فکانا تقدین بالطبع وکان غیرهما تقدیا بالاصطلاح“ (ص ۵۳)

_____ مجلة مجمع الفقه الاسلامی، الدورة الخامسة، العدد الخامس، الجزء الثالث ۱۴۰۹ھ

”حتی ان کثیر ا من الفقهاء یقولون: ان الذهب والفضة هما الثمن بحکم الخلقة ای ان الله تعالی خلقهما لیکونا اثمانا“ (۱۷۰۱)

_____ جدید فقہی مباحث، قاضی (مولانا مجاہد الاسلام قاضی) کراچی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، (۱۶۹، ۱۷۲)۔

نہ ہی اس کی شہیت یا ذر ہونا عرف اور اصطلاح کی وجہ سے ہو، بلکہ اس کا شمن ہونا طبعی اور خلقی طور پر ہو، گویا اس کی تخلیق (Creation) ہی شمن ہونے کے لئے ہوئی ہے۔ جیسا کہ سونا چاندی، خواہ کسی بھی شکل میں ہوں۔

شمن خلقی صرف سونا یا چاندی ہے، سونے اور چاندی کے علاوہ اور کوئی چیز شمن خلقی نہیں، سونے اور چاندی کے علاوہ جو بھی چیز ذر کے طور پر استعمال ہوتی ہے، یا کسی زمانے میں استعمال ہوئی ہے، وہ شمن عرفی یا شمن اصطلاحی ہی ہے، لہذا:-

شمن عرفی یا اصطلاحی وہ ذر یا شمن ہے، جس میں شہیت لوگوں کی باہمی تعامل اور عرف کی وجہ سے پیدا ہوئی ہو، اگر عرف یا رواج نہ ہوتا، تو وہ شمن نہ ہوتی، جیسا کہ آج کل کی کاغذی نوٹ یا کرنسی وغیرہ۔

ایک اہم فائدہ

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سونا چاندی معدنیات میں سے ہیں، اسی وجہ سے ان دونوں کو ”حجرین“ یعنی پتھر کہا جاتا ہے، تو معدنیات تو اور بھی ہیں، اور بعض ان میں سے نہایت قیمتی بھی ہیں، تو معدنیات میں سے صرف سونے اور چاندی کو کیوں شمن خلقی کہا گیا، یا شمن خلقی کے طور پر استعمال کیا گیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ سونے اور چاندی میں اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسی صفات اور خاصیات رکھی ہیں، جو بیک وقت دوسری دھاتوں یا معادن میں موجود نہیں، بلکہ دوسرے معادن ان سے محروم ہیں، خواہ کتنے ہی قیمتی معادن ہی کیوں نہ ہوں، اور ان میں سے بعض صفات اور خاصیات درج ذیل ہیں:-

۱- یہ دونوں پتھر آسانی سے پگھلتے ہیں، اور آسانی سے ان کو کٹا جاسکتا ہے۔

۲- سونا چاندی باسانی الگ الگ کی جاسکتی ہے، اور دوبارہ باسانی ملایا

جاسکتی ہے۔

۳- سونے یا چاندی سے کوئی بھی شکل آسانی سے بن سکتی ہے۔

۴- سونا یا چاندی میں کبھی بدبو پیدا نہیں ہوتی، اور نہ اس کے ذائقے میں فرق

آتا ہے۔

۵- جتنے عرصے تک بھی یہ دونوں پتھر زمین میں مدفون رہیں، تو اس سے ان میں

کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

۶- سونے یا چاندی کو اللہ تعالیٰ نے ایسی ہیئت اور علامات سے نوازا ہے کہ ان

میں کھوٹ وغیرہ کا فوراً پتہ چل جاتا ہے۔

۷- ان دو ٹوں کا حجم چھوٹا ہوتا ہے۔

۸- یہ دونوں انسان کو وہ زینت و جمال بخشتا ہے، جو دوسرا پتھر نہیں بخش سکتا ہے۔

۹- دوسرے معادن کی نسبت سونے اور چاندی کی پیداوار بہت کم ہے۔

۱۰- ان کے افراد میں مماثلت پائی جاتی ہے۔^(۱)

یہ وہ صفات ہیں جو بیک وقت کسی اور دھات میں موجود نہیں، اس لئے شمن خلقی

ہونے کا شرف ان دو پتھروں ہی کو حاصل ہوا۔

زر اور مال میں فرق

زر "Money" اور مال "Wealth" میں فرق کے سلسلے میں آسان تعبیر یہ ہے

کہ یہ کہا جائے کہ "زر" مال کی ایک قسم ہے، یعنی مال عام ہے، اور زر خاص ہے، جس کی

حیثیت مال کے مقابلے میں محض ایک قسم کی ہے، کیونکہ مال کی تعریف علامہ ابن نجیم نے یہ

فرمائی ہے:-

"المال كل ما يملكه الناس من نقد وعروض وحيوان

(۱) مقدمة في النقود والبنوك، الشافعي (الدكتور محمد زكي الشافعي) بيروت،

دار النهضة العربية، طبع مقيم (ص ۳۴)

تطور النقود ص ۵۳

وغير ذلك الخ”

”مال ہر اس چیز کو کہتے ہیں جسے لوگ مالک ہوں، خواہ وہ زر ہو، یا سامان ہو، یا جانور ہو، یا کوئی اور چیز ہو۔“^(۱)

اور ابن منظور نے ”مال“ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:-

”العمال ماملکتہ من جمیع الاشیاء“

”مال ان تمام اشیاء کا نام ہے، جن کا تو مالک ہے۔“^(۲)

زر اور کرنسی میں فرق

زر کی تعریف گزشتہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہو چکی ہے، کہ جو ذریعہ مبادلہ ہو، قدر کا پیمانہ ہو، اور مالیت کے تحفظ کا وسیلہ ہو، مگر یہ ضروری نہیں کہ قانونی طور پر بھی اس کو جبری آلہ تبادلہ قرار دیا گیا ہو، مثلاً چیک یا انعامی بانڈز پر مذکورہ تعریف صادق آتی ہے، لہذا یہ زر تو ہیں، لیکن اگر کوئی شخص اپنے کسی دین یا قرضے میں چیک قبول کرنے یا بانڈ قبول کرنے سے انکار کرے، تو اس کو اس پر قانوناً مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے۔

اور کرنسی وہ زر ہے کہ جس کو کسی خاص ملک میں قانونی طور پر آلہ تبادلہ قرار دیا گیا ہو، جسے روپیہ، اگر کوئی شخص روپیہ میں ادائیگی کرے، تو قانوناً اسے لینے پر مجبور کیا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ زر عام ہے، اور کرنسی خاص ہے، مال اور زر کے مقابلے

(۱) البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ابن نجيم (علامہ زين الدين بن ابراهيم بن محمد المعروف بابن نجيم الموصلي ۹۴۰ھ)، بيروت، دار الكتب العلمية، طبع اول ۱۴۱۸ھ

(۲) لسان العرب، ابن منظور (علامہ ابن منظور المتوفى ۱۱۱۱ھ) بيروت، دار احیاء التراث العربی، طبع اول ۱۴۰۸ھ (۲۲۳/۱۳)

_____ رد المحتار الشامی (محمد امین بن عابدین الشامی م ۱۲۵۲ھ) مطبع مذکورہ، طبع اول ۱۴۱۹ھ، (۲۰۶/۳)

_____ اقتصادیات النقود، متولی، (الدكتور ابو بكر الصديق عمر متولى)، قاهرہ، مکتبہ وہب، طبع اول ۱۴۰۳ھ (ص ۱۴)

میں ذکر خاص اور مال عام تھا، اور ذکر اور کرنسی کے مقابلے میں ذکر عام اور کرنسی خاص ہے۔

مال : زر :: زر : کرنسی
عام : خاص :: عام : خاص

کرنسی کی دو قسمیں

کرنسی کی دو قسمیں ہیں: ایک ایسی کرنسی جس میں ایک خاص حد تک قانوناً ادائیگی کی جاسکتی ہے، اس سے زائد مقدار دی جائے گی تو قانوناً اسے لینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، جیسے چونی، اس کو ”محدود ذکر قانونی“ (Limited Legal Tender) کہتے ہیں۔ دوسری قسم جس میں قانوناً ادائیگی کی کوئی حد مقرر نہ ہو، اس کو ”غیر محدود ذکر قانونی“ (Unlimited Legal Tender) کہتے ہیں، جیسے دھات کا روپیہ وغیرہ۔^(۱)

ذکر کا ارتقاء (Evolution) اور مختلف نظامہائے زر

۱- زمانہ قدیم میں لوگ اشیاء کا تبادلہ اشیاء (Barter) کے ذریعے کرتے تھے، یعنی ایک چیز دے کر اس کے بدلے میں دوسری چیز لیتے تھے، لیکن اس طرح کے تبادلے میں بہت سے نقائص اور مشکلات تھیں، اور ہر جگہ ہر وقت اس طریقے پر عمل کرنا دشوار ہوتا

(۱) اسلام اور جدید معیشت و تجارت (مفتی محمد تقی عثمانی)، کراچی ۱۴، ادارۃ المعارف، طبع اول ۱۴۱۵ھ (ص ۹۵)۔

مراجع اضافی:-

Introduction to Economic Principles, by Dr. A.N. Agarawa. P315

معاشیات، حبیب الرحمن مکتبہ فریدی اردو کالج اسپتال روڈ طبع اول ۱۹۵۳ء۔

معاشیات، پروفیسر محمد منظور علی لاہور، علمی کتب خانہ، حصہ دوم ص ۱۲۔

معاشیات کے ابتدائی اصول، لاہور قومی کتب خانہ، طبع سوم ۱۹۵۳ء، ص ۲۶۳۔

ذکر اور بینک داری، شیخ عطاء اللہ، لاہور، کشمیر بازار، طبع اول ۱۹۵۴ء ص ۳۴۔

تطور النقود فی ضوء الشريعة الاسلامیة ص ۶۶، الدکتور احمد حسن احمد الحسنی

تھا، اس لئے آہستہ آہستہ لوگوں نے یہ طریقہ ترک کر دیا۔

۲۔ اس کے بعد ایک اور نظام رائج ہوا، جس کو ”ذریعہ معاشی کا نظام“ (Commodity Money System) کہا جاتا ہے، اس نظام میں لوگوں نے مخصوص اشیاء کو بطور شمن کے تبادلے کا ذریعہ بنایا، اور عام طور پر ایسی اشیاء کو تبادلے کا ذریعہ بناتے، جو کثیر الاستعمال ہوتی تھیں، مثلاً کبھی اناج اور گندم کو ذریعہ تبادلہ بنایا، اور کبھی نمک اور چمڑے کو اور کبھی لوہے وغیرہ کو تبادلے کا ذریعہ بنایا۔

۳۔ مگر ان اشیاء کو تبادلے میں استعمال کرنے میں نقل و حمل کی بہت سی مشکلات پیش آتی تھیں، اس لئے آہستہ آہستہ لوگ اس طریقے سے اکتانہ گئے، اور جیسے جیسے آبادی بڑھتی گئی، اور لوگوں کی ضروریات میں اضافہ ہونے لگا، اور تبادلہ بھی پہلے کے مقابلے میں زیادہ ہونے لگا، تو لوگوں نے سوچا کہ تبادلے کا جو طریقہ ہم نے اختیار کیا ہے، اس میں بہت سی مشکلات ہیں، لہذا تبادلے کا کوئی ایسا طریقہ ہونا چاہئے جس میں نقل و حمل کم سے کم ہو اور اس پر لوگوں کا اعتماد بھی زیادہ ہو، چنانچہ اس مرحلے پر لوگوں نے سونے اور چاندی کو ذریعہ تبادلہ بنایا، حتیٰ کہ ان دونوں دھاتوں نے اشیاء کی قیمتوں کے لئے ایک پیمانے کی حیثیت اختیار کر لی، اور تمام ممالک اور شہروں میں لوگ ان دھاتوں پر اعتماد کرنے لگے، اس نظام کو ”نظام ذریعہ معدنی“ (Metalic Money System) کہا جاتا ہے۔

اس تیسرے نظام پر بہت سے تغیرات اور انقلابات گزرے ہیں، جن کا خلاصہ

درج ذیل ہے:-

۱۔ ابتدا میں لوگ ایسے سونے چاندی کو بطور کرنسی کے استعمال کرتے جو سائز، ضخامت، وزن اور صفائی کے اعتبار سے مختلف ہوتا تھا، کوئی سونا ٹکڑے کی شکل میں ہوتا تھا، کوئی ڈھلے ہونے برتن اور زیور کی شکل میں ہوتا تھا، لیکن تبادلے کے وقت صرف وزن کا اعتبار کیا جاتا تھا۔

۲۔ اس کے بعد ڈھلے ہوئے سکوں کا رواج شروع ہو گیا، بعض شہروں

میں سونے کے ڈھلے ہوئے سکے، اور بعض شہروں میں چاندی کے ڈھلے ہوئے سکے رواج پاتے گئے، جو ضخامت، وزن اور خالص سونے کے اعتبار سے مساوی ہوتے تھے، اور جن پر دونوں طرف مہر ثبت ہوتی تھی، جو اس بات کی علامت تھی کہ یہ سکے درست اور تباہی کے قابل ہیں، اور اس سکے کی ظاہری قیمت (Face Value) جو اس پر لکھی ہوئی ہوتی تھی، وہ اس سونے اور چاندی کی حقیقی قیمت (Gold or Silver Contents) کے برابر ہوتی تھی، گویا کہ سکے کی شکل میں ڈھلے ہوئے سونے کی قیمت اس ڈلی کے برابر ہوتی تھی، جو سکے کے ہم وزن ہو، اس نظام کو ”معیاری قاعدہ زر“ (Gold Specie Standard) کہا جاتا ہے، اس نظام کو سب سے پہلے چینوں نے ساتویں عیسوی قبل مسیح رائج کیا تھا۔

اس نظام کے اندر لوگوں کو یہ آزادی تھی، وہ چاہیں آپس میں لین دین کے لئے سکے استعمال کریں، یا سونے کے ٹکڑے یا سونے کے ڈھلے ہوئے زیورات وغیرہ استعمال کریں، اور ملک سے باہر برآمد درآمد کی بھی عام اجازت تھی۔

اور حکومت کی طرف سے یہ عام اجازت تھی کہ جو شخص بھی جس مقدار میں سکے ڈھلوانا چاہے، وہ ڈھال کر دے گی، چنانچہ لوگ حکومت کے پاس سونے کے ٹکڑے اور سونے کی ڈھلی ہوئی دوسری اشیاء لاتے، اور حکومت ان کو سکے بنا کر واپس کر دیتی، اور اسی طرح اگر کوئی شخص سکے لاکر اس کو پگھلانے کے لئے کہتا تو حکومت ان سکوں کو پگھلا کر ٹکڑے کی شکل میں اس شخص کو واپس کر دیتی۔

بعض ممالک نے بجائے ایک دھات کے دو دھات یعنی سونے اور چاندی دونوں کے سکوں کو بطور کرنسی کے رائج کیا، اور ان دونوں کے آپس کے تبادلے کے لئے ایک خاص قیمت مقرر کر دی، اور سونے کو بڑی کرنسی کے طور پر اور چاندی کو چھوٹی کرنسی کے طور پر استعمال کیا جانے لگا، اس نظام کو ”دو دھاتی نظام“ (Bi-Metallism) کہا جاتا ہے۔

لیکن اس نظام میں دوسری مشکلات پیدا ہو گئیں، وہ یہ کہ سونے اور چاندی کے

سکوں میں آپس میں تبادلے کے لئے جو قیمت مقرر کی گئی تھی وہ مختلف شہروں میں مختلف ہو جاتی تھی جس کی بناء پر لوگ کرنسی کی تجارت میں دلچسپی لینے لگے، مثلاً امریکا میں ایک سونے کے سکے کی قیمت پندرہ چاندی کے سکے ہوتی، لیکن بالکل اس وقت میں یورپ میں ایک سونے کے سکے کی قیمت چاندی کے ساڑھے پندرہ سکے کے برابر ہوتی، اس صورت حال میں تاجر امریکا سے سونے کے سکے جمع کر کے یورپ میں فروخت کر دیتے تاکہ وہاں سے ان کو زیادہ چاندی حاصل ہو جائے اور پھر وہ چاندی کے سکے امریکا لاکر ان کو سونے کے سکوں میں تبدیل کر دیتے اور پھر یہ سونے کے سکے دوبارہ جا کر یورپ میں فروخت کر دیتے اور اس کے بدلے چاندی لے آتے، لیکن اس تجارت کے نتیجے میں امریکا کا سونا مسلسل یورپ منتقل ہوتا رہا، گویا کہ چاندی کے سکوں نے سونے کے سکوں کو امریکا سے باہر نکال دیا، پھر جب ۱۸۳۴ء میں امریکا نے سونے اور چاندی کے سکوں کے درمیان اس تناسب کو بدل دیا اور سونے کے ایک سکے کو چاندی کے سولہ سکوں کے مساوی قرار دے دئے، تو معاملہ پہلی صورت کے برعکس ہو گیا، اب سونے کے سکے امریکا میں منتقل ہونے شروع ہو گئے اور چاندی کے سکے یورپ منتقل ہونے لگے، گویا کہ سونے کے سکوں نے چاندی کے سکوں کو امریکا سے نکال دیا۔

۴۰ سکے چاہے سونے کے ہوں یا چاندی کے اگر چہ سامان اور اسباب کے مقابلے میں ان کی نقل و حمل آسان ہے، لیکن دوسری طرف ان کو چوری کرنا بھی آسان ہے، اس لئے مال داروں کے لئے ان سکوں کی بہت بڑی مقدار کو ذخیرہ کر کے گھر میں رکھنا مشکل ہو گیا، چنانچہ وہ لوگ ان سکوں کی بہت بڑی مقدار کو سناروں اور صرافوں (Money Changers) کے پاس بطور امانت کے رکھوانے لگے، اور وہ سنار اور صراف ان سکوں کو اپنے پاس رکھتے وقت ان امانت رکھنے والوں کو بطور وثیقہ کے ایک کاغذ یا رسید (Receipt) جاری کر دیتے، آہستہ آہستہ جب لوگوں کو ان سناروں پر اعتماد زیادہ ہو گیا تو یہی رسیدیں، جو ان سناروں نے امانت قبول کرتے وقت بطور دستاویز جاری کی تھیں، بیع و شراء میں بطور

شمن کے استعمال ہونے لگیں، لہذا ایک خریدار دکاندار کو خریداری کے وقت بجائے نقد سکے ادا کرنے کے انہی رسیدوں میں سے ایک رسید اس کو دے دیتا اور دکاندار ان ساروں پر اعتماد کی بنیاد پر اس رسید کو قبول کر لیتا۔

اس مرحلے سے کاغذی نوٹ کی ابتدا ہوتی ہے، لیکن ابتدا میں نہ اس کی کوئی خاص شکل و صورت تھی اور نہ ان کی کوئی ایسی قانونی حیثیت تھی جس کی وجہ سے لوگوں کو اس کے قبول کرنے پر مجبور کیا جاسکے، بلکہ اس کے قبول اور رد کرنے کا دار و مدار اس بات پر تھا کہ اسے قبول کرنے والا اس کے جاری کرنے والے سنا پر کتنا بھروسہ رکھتا ہے۔

۵ جب ۱۷۰۰ء کے اوائل میں بازاروں میں ان رسیدوں کا رواج زیادہ ہو گیا، تو ان رسیدوں نے ترقی کر کے ایک باضابطہ صورت اختیار کر لی، جسے بینک نوٹ کہتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے سویڈن کے اشاک ہوم بینک نے اسے بطور کاغذی نوٹ کے جاری کیا۔

اس وقت جاری کرنے والے بینک کے پاس ان کاغذی نوٹوں کے بدلے میں سو فیصد اتنی مالیت کا سونا موجود ہوتا تھا، اور بینک یہ التزام کرتا تھا کہ وہ صرف اتنی مقدار میں نوٹ جاری کرے، جتنی مقدار میں اس کے پاس سونا موجود ہے اور اس کاغذی نوٹ کے حامل کو اختیار تھا کہ وہ جس وقت چاہے بینک جا کر اس کے بدلے میں سونے کی سلاخ حاصل کر لے، اسی وجہ سے اس نظام کو ”سونے کی سلاخوں کا معیار“ (Gold Bullion Standard) کہا جاتا ہے۔

۶ ۱۸۳۳ء میں جب ”بینک نوٹ“ کا رواج بہت زیادہ ہونے لگا، تو حکومت نے اس کو ”زیرِ قانونی“ (Legal Tender) قرار دے دیا، اور ہر قرض لینے والے پر یہ لازم کر دیا کہ وہ اپنے قرض کے بدلے میں اس نوٹ کو بھی اسی طرح ضرور قبول کرے گا، جس طرح اس کے لئے سونے چاندی کے سکے قبول کرنا لازم ہے، اس کے بعد پھر تجارتی بینکوں کو اس کے جاری کرنے سے روک دیا گیا، اور صرف حکومت کے ماتحت چلنے

والے مرکزی بینک کو اس کے جاری کرنے کی اجازت دی گئی۔

بے پھر حکومتوں کو زمانہ جنگ اور امن کے دوران آمدنی کی کمی کی وجہ سے ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل میں بہت سی مشکلات پیش آنے لگیں، چنانچہ حکومت مجبور ہوئی کہ وہ کاغذی نوٹوں کی بہت بڑی مقدار جاری کر دے، جو سونے کی موجودہ مقدار کے تناسب سے زیادہ ہو، تاکہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے اسے استعمال کرے، اس کے نتیجے میں سونے کی وہ مقدار جو ان نوٹوں کی پشت پر تھی وہ آہستہ آہستہ کم ہونے لگی، حتیٰ کہ ابتداء میں ان نوٹوں اور سونے کے درمیان جو سو فیصد تناسب تھا، وہ گھٹنے گھٹنے معمولی تناسب رہ گیا، اس لئے کہ ان نوٹوں کو جاری کرنے والے مرکزی بینک کو اس بات کا یقین تھا، کہ ان تمام جاری شدہ نوٹوں کو ایک ہی وقت میں سونے سے تبدیل کرنے کا مطالبہ ہم سے نہیں کیا جائے گا، اس لئے سونے کی مقدار سے زیادہ نوٹ جاری کرنے میں کوئی حرج نہیں، دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ زیادہ مقدار میں نوٹ جاری کرنے کے نتیجے میں بازار میں ایسے نوٹ رائج ہو گئے، جن کو سونے کی پشت پناہی حاصل نہیں تھی، لیکن تجار ایسے نوٹوں کو اس بھروسے پر قبول کرتے تھے کہ ان نوٹوں کے جاری کرنے والے مرکزی بینک کو اس بات پر قدرت حاصل ہے کہ وہ تبدیلی کے مطالبے کو پورا کر دے گا، اگرچہ اس کے پاس موجود سونے کی مقدار اس کے جاری کردہ نوٹوں کے مقابلے میں بہت کم ہے، ایسے کرنسی نوٹوں کو ”ذریعہ اعتباری“ (Fiduciary Money) کہا جاتا ہے۔

دوسری طرف آمدنی کی مذکورہ بالا کمی اور زیادہ روپے کی ضرورت ہی کی بنیاد پر حکومتیں جو اب تک معدنی سکوں کے ساتھ معاملات کرتی آئی تھیں، اس بات پر مجبور ہوئیں، کہ وہ یا تو سکوں میں دھات کی جتنی مقدار استعمال ہو رہی ہے اس کو کم کر دے یا ہر سکے میں اصلی دھات کے بجائے ناقص دھات استعمال کریں، چنانچہ اس عمل کے نتیجے میں سکے کی ظاہری قیمت (Face Value) جو اس پر درج تھی، اس سکے کی اصلی قیمت

(Intinsic Value) سے کئی گنا زیادہ ہوئی، ایسے سکوں کو ”علامتی زر“ (Token Money) کہا جاتا ہے، اس لئے کہ اس سکے کی معدنی اصلیت اس کی اس ظاہری قیمت کی محض علامت ہوتی ہے جو کبھی اس کی ذاتی قیمت کی ٹھیک ٹھیک نمائندگی کیا کرتی تھی۔

۸ رفتہ رفتہ زر اعتباری کا رواج بڑھتے بڑھتے اتنا زیادہ ہو گیا کہ ملک میں پھیلے ہوئے نوٹوں کی تعداد میں موجود سونے کی مقدار کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ہو گئی، یہاں تک کہ حکومت کو اس بات کا خطرہ لاحق ہو گیا کہ سونے کی موجودہ مقدار کے ذریعے ان نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرنے کا مطالبہ پورا نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ بعض شہروں میں حقیقتہً یہ واقعہ پیش آیا کہ مرکزی بینک نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرنے کا مطالبہ پورا نہ کر سکا۔

اس وقت بہت سے ملکوں نے نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرانے والوں پر بہت سے کڑی شرطیں لگا دیں، انگلینڈ نے تو ۱۹۱۴ء کی جنگ کے بعد اس تبدیلی کو بالکل بند کر دیا، البتہ ۱۹۲۵ء میں دوبارہ تبدیلی کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی کہ ایک ہزار سات سو پونڈ سے کم کی مقدار کو کوئی شخص تبدیل کرانے کا مطالبہ نہیں کر سکتا، چنانچہ اس شرط کے نتیجے میں عام لوگ تو اپنے نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرانے کا مطالبہ کرنے سے محروم ہوئے، اس لئے کہ اس زمانے میں یہ مقدار اتنی زیادہ تھی کہ بہت کم لوگ اتنی مقدار کے مالک ہوتے تھے، لیکن اس قانون کی انہوں نے اس لئے کوئی خاص پروا نہیں کی کہ یہ کاغذی نوٹ زر قانونی رہ گئے اور ملکی معاملات میں بالکل اسی طرح قبول کئے جاتے تھے جس طرح اصلی کرنسی قبول کی جاتی تھی اور اس کے ذریعے اندرون ملک تجارت کر کے اس طرح نفع حاصل کیا جاسکتا تھا جس طرح دھاتی کرنسی کے ذریعے تجارت کر کے نفع حاصل کیا جاتا تھا۔

۹ پھر ۱۹۳۱ء میں برطانوی حکومت نے ان نوٹوں کو سونے سے تبدیل کرانے کی بالکل ممانعت کر دی، حتیٰ کہ اس شخص کے لئے بھی جو سترہ سو پونڈ کو سونے میں تبدیل کرنے کا مطالبہ کرے، اور لوگوں کو مجبور کیا کہ وہ سونے کے بجائے صرف ان نوٹوں

پر اکتفا کریں اور اپنے تمام کاروبار اور معاملات میں اسی کا لین دین کریں، لیکن حکومتوں نے آپس میں ایک دوسرے کے حق کے احترام کو برقرار رکھتے ہوئے ایک دوسرے کے نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرنے کے قانون کو برقرار رکھا، چنانچہ اندرون ملک اگر چنانچہ نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرانے کی ممانعت تھی لیکن ہر حکومت نے یہ التزام کیا تھا کہ اگر اس کی کرنسی دوسرے ملک میں چلی گئی اور دوسری حکومت اس کرنسی کے بدلے میں سونے کا مطالبہ کرے گی، تو یہ حکومت اپنے کرنسی نوٹوں کے بدلے میں اس کو سونا فراہم کرے گی، مثلاً اگر امریکا کے پاس برطانیہ کے اسٹرلنگ پونڈ آئے اور وہ اب ان کے بدلے میں برطانیہ سے سونے کا مطالبہ کرے، تو برطانیہ پر لازم ہے کہ وہ ان کے بدلے میں امریکا کو سونا فراہم کرے، اس کو ”سونے کی مبادلت کا معیار“ (Gold Exchange Standard) کہا جاتا ہے۔

۱۶۔ اسی اصول پر سالہا سال تک عمل ہوتا رہا تھا کہ جب ریاستہائے متحدہ امریکا کو ڈالر کی قیمت میں کمی کے باعث سخت بحران کا سامنا کرنا پڑا اور ۱۹۷۱ء میں سونے کی بہت قلت ہو گئی تو امریکی حکومت اس بات پر مجبور ہوئی کہ دوسری حکومتوں کے لئے بھی ڈالر کو سونے میں تبدیل کرنے کا قانون ختم کر دے، چنانچہ ۱۵ اگست ۱۹۷۱ء کو اس نے یہ قانون نافذ کر دیا اور اس طرح کاغذی نوٹ کو سونے سے منسلک رکھنے کی جو آخری شکل تھی وہ بھی اس قانون کے بعد ختم ہوئی۔ اس کے بعد ۱۹۴۷ء میں بین الاقوامی مالی فنڈ (International Monetary Fund) نے سونے کے بدل کے طور پر ایک ”ذریعہ مبادلہ نکلو انے کے حق“ (Special Drawing Rights) کا نظریہ پیش کیا، اس نظریے کا حاصل یہ تھا کہ بین الاقوامی مالی فنڈ کے ممبران کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ وہ مختلف ممالک کی کرنسی کی ایک معین مقدار غیر ملکی قرضوں کی ادائیگی کے لئے نکلا سکتے ہیں اور مقدار کے تعین کے لئے ۸۸۸۶۷۶ گرام سونے کو معیار مقرر کیا گیا کہ اتنی مقدار کا سونا جتنی کرنسی کے ذریعہ خریدنا جاسکتا ہو اتنی کرنسی ایک ملک نکلا سکتا ہے، لہذا اب صورت حال یہ ہے کہ ذر

مبادلہ نگلوانے کا یہ حق جسے اختصار کے لئے (S.D.R) کہا جاتا ہے، سونے کی پشت پناہی کا مکمل بدل بن چکا ہے۔

اس طرح اب سونا کرنسی کے دائرے سے بالکل خارج ہو چکا ہے اور آب سونے کا کرنسی سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا اور نوٹوں اور زرِ علامتی نے پوری طرح سونے کی جگہ لے لی ہے، اب نوٹ نہ سونے کی نمائندگی کرتے ہیں، نہ چاندی کی، بلکہ ایک فرضی قوت خرید کی نمائندگی کرتے ہیں، لیکن چونکہ کرنسی کے اس نظام میں ایک مستقل اور ابدی نظام کی طرف اب تک مضبوطی اور جماد پیدا نہیں ہوا، اس لئے کہ تقریباً تمام ممالک میں اس بات کی تحریک چل رہی ہے کہ پہلے کی طرح پھر سونے کو مالی نظام کی بنیاد مقرر کی جائے، یہاں تک کہ دوبارہ سونے کی سلاخوں کے نظام کی طرف لوٹنے کی آوازیں گونے لگی ہیں، اس لئے دنیا کے تمام ممالک اب بھی اپنے آپ کو سونے سے بے نیاز اور مستغنی نہیں سمجھتے، بلکہ ہر ملک اب بھی احتیاطی تدبیر کے طور پر زیادہ سے زیادہ سونے کے ذخائر جمع رکھنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ زمانے کے بدلتے ہوئے حالات اور انقلابات میں یہ سونا کام آئے، لیکن سونے کی بڑی سے بڑی مقدار کا یہ ذخیرہ صرف ایک احتیاطی تدبیر کے طور پر ہے، اس کا موجودہ دور میں رائج کرنسی سے کوئی قانونی تعلق نہیں ہے، خواہ وہ کرنسی نوٹ کی شکل میں ہو یا دھاتی سکوں کی شکل میں۔^(۱)

(۱) احکام الاوراق النقدية، العثمانی (القاضی المفتی محمد تقی العثماني)،

کراچی، مکتبہ دارالعلوم، طبع اول ۱۴۰۹ھ ص ۳

— ایسا کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم ص ۷

— مقدمة فی النقود والبنوک ص ۸، الدكتور محمد زکی شافعی

— تطور النقود فی ضوء الشريعة الاسلامیه ص ۱۹، الدكتور احمد حسن احمد

الحسنی

— تعارف زر و بکاری، ص ۱۵، شیخ مبارک علی

— ایسا کتاب معاشیات حصہ دوم ص ۱۱۳ (باقی اگلے صفحے پر)

سہولت، اور آسانی کے پیش نظر زر کے ارتقاء کا خلاصہ پیش خدمت ہے، ملاحظہ فرمائیں!

ارتقاء زر کے تدریجی مراحل ایک نظر میں

پہلا مرحلہ:- شی کا تبادلہ شی سے، اس کو ”مقائضہ“ (Barter) کہتے ہیں۔
 دوسرا مرحلہ:- مخصوص اجناس کو بطور ”ثمن“ قرار دیا گیا، اس کو ”زربضاعتی کا نظام“ (Commodity Money System) کہتے ہیں۔
 تیسرا مرحلہ:- اس مرحلے میں سونے چاندی کو ثمن قرار دیا گیا، اس کو ”نظام زرمعدنی“ (Metalic Money System) کہتے ہیں۔
 تیسرے مرحلے کے دس انقلابات:-

۱- کوئی خاص سکہ نہیں تھا، سونے چاندی کی مختلف شکلوں میں تبادلے کے وقت صرف وزن کا اعتبار ہوتا تھا۔

۲- مہر لگے ہوئے کہیں سونے اور کہیں چاندی کے سکے رائج ہو گئے، جن کی ظاہری قیمت (Face Value) حقیقی قیمت (Gold or Silver content) کے مساوی ہوتی تھی۔ اس کو ”معیاری قاعدہ زر“ (Gold Specie Standard) کہتے ہیں۔

۳- ایک ملک میں سونے چاندی دونوں کے سکے بطور کرنسی کے رائج ہو گئے، اور ان کے آپس میں تبادلے کے لئے ایک خاص قیمت مقرر کی گئی۔ اس کو ”دودھاتی نظام“

(بقیہ ماثیہ صفحہ گزشتہ)

_____ المعاملات المالية المعاصرة في الفقه الاسلامي، الدكتور محمد عثمان

شبيب، اردن، دارالنفائس، طبع سوم ۱۴۱۹ھ، (ص ۱۷۶)

_____ احكام الاوراق النقدية في الفقه الاسلامي ص ۵۵، شتر بن ثواب الجعفي

_____ السياسة النقدية والمصرفية في الاسلام ص ۶۰، عدنان خالد التركماني

Introduction to Economic Principles, by Dr.A.N. Agarawala p: 314

Modren Economic Theory, by K.K Dewett. P: 416

(Bi-Metallism) کہتے ہیں۔

۴۔ حفاظت کے پیش نظر سونے چاندی کو سنا روں کے پاس بطور امانت رکھوانے کا دستور شروع ہو گیا، جس کے نتیجے میں مالکان کو رسیدیں (Receipts) جاری ہونے لگیں۔ اور خریداری میں ان رسیدوں کو نمائندگی حاصل ہو گئی۔

۵۔ رسیدوں کے رواج میں تیزی آنے کے بعد ”بنک نوٹ“ کا رواج شروع ہو گیا۔ یہ کاغذی نوٹ ہے۔ اس میں جاری شدہ نوٹوں کے سو فیصد برابر سونا موجود ہوتا تھا، اور بوقت طلب حامل کو سونے کی سلاخ ملا کرتی تھی، اس لئے اس نظام کو ”سونے کی سلاخوں کا معیار“ (Gold Bullion Standard) کہتے ہیں۔

۶۔ ۱۸۳۳ء میں ”بنک نوٹ کو“ ”زرقانونی“ (Legal Tender) قرار دیا گیا۔ اس مرحلے پر صرف حکومتی مرکزی بینک ہی یہ نوٹ جاری کر سکتے تھے۔

۷۔ حکومتی ضروریات کے پیش نظر جاری شدہ نوٹوں کے تناسب سے زیادہ نوٹ جاری ہو گئے۔ ان نوٹوں کو ”ذرا اعتباری“ (Fiduciary Money) کہتے ہیں۔ اس مرحلے پر سکوں میں دھات کی مقدار یا اس کی کوالٹی ناقص کی گئی، جس سے ظاہری قیمت اصلی قیمت سے کئی گنا زیادہ ہو گئی، اور اب اس کو ”علامتی زر“ (Token Money) کا نام دیا گیا۔

۸۔ ذرا اعتباری کا رواج بڑھنے کی وجہ سے نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرنے کو بالکل محدود کر دیا گیا۔

۹۔ ۱۹۳۱ء میں نوٹوں کو عوامی سطح پر سونے میں تبدیل کرنے کی بالکل ممانعت کی گئی، صرف ممالک کے آپس میں اس کا لحاظ رکھا جاتا تھا۔ اس نظام کو ”سونے کی مبادلت کا معیار“ (Gold Exchange Standard) کہتے ہیں۔

۱۰۔ ۱۹۷۱ء میں ممالک کی سطح پر بھی اس کی ممانعت ہو گئی، اور یوں سونا کرنسی کے دائرے سے بالکل خارج ہو گیا۔ گویا کہ ۱۹۷۱ء سے کرنسی کی پشت پر کوئی سونا نہیں رہا۔ گو

آب بھی ہر ملک احتیاطی تدبیر کے طور پر زیادہ سے زیادہ سونے کے ذخائر جمع رکھنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن ان ذخائر کا موجودہ کرنسی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

سمکھ سازى كى تاريخ اور مختلف مراحل

زمانہ جاہلیت اور دورِ اسلامی کے ابتدائی زمانے تک ذر، خالص ”سلع“ (Goods) کی شکل میں تھا، یعنی سمکھ نہیں تھا، چنانچہ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ہر قل کے ذنایر اور فارس کے ذراہم بخلیہ اور حمیریہ اہل مکہ کے پاس آتے تھے، لیکن یہ ذنایر اور ذراہم ڈلی کی شکل میں ہوتے تھے، جیسا کہ علامہ بلازری نے اس کی تصریح کی ہے:-

”كانت دنایر هرقل ترد على اهل مكة فى الجاهلية وترد

عليهم دراهم الفرس البخلية والحميرية فكانوا لا يتبايعون

لا على انها تبر“

”یعنی جاہلیت کے زمانے میں اہل مکہ کے پاس ہر قل کے ذنایر اور

فارس کے ذراہم بخلیہ اور حمیریہ آتے تھے، اور یہ لوگ آپس میں

معاملات ڈلی ہی سے کرتے تھے۔“^(۱)

زمانہ اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کرنسیوں کو برقرار رکھا جیسا

کہ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے ساتھ چار سو اسی ذراہم کسروی کے ساتھ کیا۔^(۲)

(۱) فتوح البلدان، البلاذری، احمد بن یحیٰ البلاذری، القاهرة، مكتبة النهضة المصرية،

القسم الثالث ص ۵۷۱

(۲) کسروی کسریٰ کی طرف نسبت ہے، اور کسریٰ دو گزرے ہیں، کسریٰ ازل، جسے کسریٰ اکبر بھی کہا جاتا

ہے، یہ ساسانی الاصل تھا، اور فارس پر ۵۳۱ تا ۵۷۱ حکومت کی، دوسرے کسریٰ نے ۵۹۰ تا ۶۲۸ فارس

پر حکومت کی، اسی کو ہر قل شاہِ روم نے شکست دی تھی، ذراہم کسرویہ کسریٰ ازل کی طرف منسوب ہیں۔

اسی طرح زکوٰۃ، جزیہ اور سارے معاملات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں انہی کرنسیوں کے مطابق انجام پاتے تھے، آپ نے ان میں کسی قسم کا کوئی رد و بدل نہیں فرمایا، اور ڈلی کی شکل میں ان کے ساتھ تعامل جاری رکھا، جیسا کہ مشہور حدیث ہے:-

”الذهب بالذهب وزنا بوزن مثلاً بمثل والفضة بالفضة وزنا

بوزن مثلاً بمثل، فمن زاد او استزاد فهو ربا۔^(۱)

”سونا سونے کے مقابلے میں برابر سراسر پیچو، اور چاندی چاندی کے مقابلے میں برابر سراسر پیچو، جس نے بڑھایا یا زیادہ مانگا، تو یہ ربا ہے۔“

اسی طرح زمانہ جاہلیت میں رومی اور فارسی زر کے ساتھ ڈلی کی شکل میں معاملات لوگ کرتے تھے۔

یہی صورت حال حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی رہی، اور ان کرنسیوں میں کسی قسم کا کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ابتدائی زمانہ خلافت میں بھی یہی حال رہا، اور پہلے سے جاری شدہ کرنسیاں بحال رہیں، البتہ ۱۸ھ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نقش کسروی کے مطابق ذرا ہم بنائے، جن کو ”ذرا ہم بعلیہ“ کہا جاتا تھا، کیونکہ یہ نجر کے سر کی طرح ہوتے تھے، اور جن شہروں میں اس قسم کا کوئی سکہ ڈھلتا، اس شہر کا نام اس پر تحریر کیا جاتا تھا، مثلاً دمشق، بعلبک وغیرہ۔ اور یہ کہنا بظاہر درست ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلامی تاریخ کے پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسلامی سکہ رائج فرمایا۔

اگرچہ مؤرخ بلیر کا موقف یہ ہے کہ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طبرہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قبل سکہ ڈھالا تھا، یعنی ۵ھ میں۔

اور جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بنے، تو انہوں نے ایسا سکہ بنایا، جس پر ”اللہ اکبر“ نقش تھا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں درہم اور فلوس اسلامیہ ڈھالے گئے تھے، اور جب کوفہ اور بصرہ میں زیاد کی ولایت بن گئی، تو انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درہم کی طرح درہم بنایا۔

بعد میں یزید، معاویہ دوم، مروان بن حکم نے سکہ سازی میں کوئی دلچسپی نہیں لی، اگرچہ بعض خود مختار حکمرانوں مثلاً قطری بن فجاءہ الحارثی، عبداللہ بن زبیر اور مصعب بن زبیر نے سکے میں سکہ بنایا تھا، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر پہلے شخص ہیں، جنہوں نے گول درہم بنایا، اور اس سے قبل گول درہم کا رواج نہیں تھا۔

عبدالملک بن مروان (۶۵-۸۶ھ) نے نظام زر کی اصلاح شروع کی، اور ۹۷ھ میں خالص اسلامی سکہ جاری کیا، چنانچہ عبدالملک بن مروان نے یہ سکہ حجاج بن یوسف الثقفی کے پاس بھیجا، اور حجاج نے مختلف اطراف میں پھیلایا، تاکہ اس کے مطابق سکے ڈھالے جائیں۔

عبدالملک بن مروان کے دور حکومت میں باقاعدہ نگران بورڈ تھا جو ”دار الضرب“ (جہاں سکے بنائے جاتے ہیں) کی نگرانی کرتا تھا، لہذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ عبدالملک بن مروان تاریخ اسلام میں زر کے ”مصلح اول“ ہیں۔

عمر بن ہبیرہ دالی عراق (یزید بن عبدالملک کے عہد حکومت میں) خالد بن عبداللہ بجلي (یشام بن عبدالملک کے زمانے میں) اور یوسف بن عمر، ان لوگوں نے سکہ کا معیار بہت بڑھایا، اور اس میں بہت سختی کی، اور خالص چاندی کا استعمال شروع ہوا، چنانچہ بنی امیہ کے دور میں ہبیری، خالدی اور یوسفی زر سب سے عمدہ شمار ہوتا تھا، اور منصور تو خراج وغیرہ میں اس کے علاوہ کوئی اور زر قبول بھی نہیں کرتے تھے۔

اس زمانے میں درہم کو کھوٹ سے سختی کے ساتھ بچایا گیا، اور بہت بڑا جرم قرار

دیا گیا، چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے زمانے میں ان کے پاس ایک آدمی لایا گیا، جس نے شاہی سکہ کے خلاف سکہ بنایا تھا، تو انہوں نے اس کو سزا دی اور اس کو جیل میں ڈلوایا۔ عبدالملک بن مروان نے ایک آدمی کو اس طرح گرفتار کیا تھا، تو اس کا ہاتھ کاٹنے کا ارادہ کیا، لیکن بعد میں اس کو معاف کیا، اور اس کو ویسی سزا دی۔

یہاں تک کہ دور عباسی آ گیا، اور یہ دور جب اضطراب اور انتشار کا شکار ہو گیا، اور چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستیں وجود میں آ گئیں، اس زمانے میں ملاوٹ اور کھوٹ کا سلسلہ شروع ہو گیا، جس کی کئی قسمیں بن گئیں:-

۱۔ وہ ذرا ہم جن میں تانبے یا پتیل کی نسبت چاندی کا مادہ غالب رہتا تھا، یہ عباسی دور کا ابتدائی زمانہ تھا۔

۲۔ وہ ذرا ہم جن میں چاندی اور کھوٹ دونوں برابر برابر تھے۔

۳۔ وہ ذرا ہم جن میں چاندی کی نسبت دوسرا مادہ غالب تھا، یہ ذرا ہم ظاہر برقوق کے زمانے میں وجود میں آئے، اور ان کو ”حمی زر“ کہا جاتا تھا۔ چنانچہ کتب فقہ میں ”ذرا ہم بہرہ، ذرا ہم ستوقہ“ کی اصطلاح اس قسم کے ذرا ہم کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ چنانچہ ابن مماتی فرماتے ہیں کہ ^{۳۰} کے بعد چاندی کم ہو گئی، اور نایاب ہو گئی، اور مصر میں خالص ذرا ہم کی تعداد بہت کم ہو گئی، چنانچہ ان کی جگہ کھوٹ نے لیا، چنانچہ شام میں ایسے ذرا ہم وجود میں آئے کہ ان میں چاندی ایک تہائی (۱/۳) سے بھی کم تھی۔

کہا جاتا ہے کہ عضد الدولہ نے مملوٹ ذرا ہم بنائے جن میں تانبا اور سیسہ بھرا ہوا تھا، تو شروع میں تجار نے ان کو لینے سے انکار کیا، صلاح الدین کی حکومت جب وسیع ہو گئی، اور سونا اور چاندی ختم ہو گئی، یعنی ان کا وجود نایاب ہو گیا، تو انہوں نے ایسے ذرا ہم بنائے جن میں چاندی دو تہائی رکھی، اور باقی دوسرا مادہ رکھا گیا۔ اور یہی ذرا ہم مصر اور شام میں بنوایوب میں رائج رہے، اسی طرح پیرس میں ایسے ذرا ہم وجود میں آئے جن میں ستر فیصد

چاندی اور باقی دوسرا مادہ ہوتا تھا۔

فلوس کی تاریخ

کہا جاتا ہے کہ فلوس سے قبل لوگ گندم وغیرہ بطور شمن استعمال کرتے تھے، اس کے بعد تانبے وغیرہ کے فلوس رائج ہو گئے، اس کے بعد ٹیکال (دارالضرب) میں باقاعدہ گول فلوس بنائے جانے لگے، لیکن ان فلوس کی حیثیت بہت گئی گزری تھی، ان سے معمولی قسم کے معاملات انجام پایا کرتے تھے۔

مراجعت کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے عربی فلس حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رکھے ہیں ”برنطی“ طرز پر بنایا، یہ فلوس بلاد مصریہ میں پھیل گئے، ان فلوس پر عربی حروف میں ان کا نام بھی درج تھا۔

اس کے بعد ایسے فلوس بنائے گئے، جن پر ڈھالے جانے کی تاریخ اور مقام کا نام بھی درج ہوتا تھا، ان فلوس میں قدیم ترین فلوس ۹۰ھ کے ہیں۔
ابوالفضل حنفی نے خراسان میں فلوس کو خوب ردواج دیا، چنانچہ وہ فلوس کے بارے میں کہتے تھے:-

”ہی فیما بمنزلة النفضة عندهم“

”یعنی فلوس ہمارے نزدیک فلوس کی حیثیت دہی ہے، جو ان کے

ہاں چاندی کی ہے۔“

اس زمانے میں اسی زر سے معاملات ہونے لگیں، اور یکے بعد دیگرے بادشاہ فلوس بناتے رہے، لیکن ۶۵۰ھ میں لوگوں کے پاس فلوس بہت زیادہ ہو گئے۔ تقریباً ۲۰۰ھ کے لگ بھگ امیر محمود نے قاہرہ میں فلوس ڈھالنے لگے، اور ذرا ہم کو ختم کر دیا، اور فلوس ہی سونے اور دوسرے معاملات کا معیار قرار دیا گیا، اب اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس زمانے میں فلوس ہی نے اصل زر کی حیثیت اختیار کی۔

فلوس نے جب اصل ڈرک کی حیثیت اختیار کی، تو ان کے اوزان اور ان کی تحدید بھی کی گئی، چنانچہ ۸۲۸ھ میں بادشاہ نے اعلان کیا کہ فلوس میں ہر رطل بارہ درہم کا برابر ہوگا، اس کے بعد اس کی قیمت زیادہ ہو گئی، اور اعلان کیا گیا کہ ہر رطل ۱۸ درہم کا ہوگا۔^(۱)

سکہ بنانے کا حق کس کو حاصل ہے؟

قانوناً تو یہ بات طے شدہ ہے کہ سکہ بنانے کا اختیار صرف حکومت کو حاصل ہے، عامۃ الناس سکہ نہیں بنا سکتے، اور اس طرح کرنا بہت بڑا قانونی جرم سمجھا جاتا ہے، اور اس پر تعزیری سزا جاری ہوتی ہے، لیکن شرعاً آیا سکہ بنانے کا اختیار کسی فرد کو حاصل ہے؟ اس سلسلے میں جمہور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شرعاً بھی سکہ بنانے کا اختیار صرف حکومت کو حاصل ہے، کسی فرد کو ہرگز یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ کسی ملک کا سکہ بنائے، خواہ وہ سکہ، سکہ سلطانی کے موافق ہو یا اس سے مختلف ہو، اور اگر کسی نے اس طرح حرکت کی، تو یہ فساد فی الارض کے قبیل میں ہوگا، اور ایسا شخص مستحق تعزیر ہوگا، چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس ایک ایسا شخص لایا گیا جس نے سکہ سلطانی کے خلاف اپنے طور پر سکہ بنایا تھا، انہوں نے اس کو سزا دی، اس کو جیل میں ڈلوادیا، اور اس کا سکہ جلا دیا۔

اسی طرح حضرت عبدالملک بن مروان نے ایک شخص کو گرفتار کروایا جس نے سکہ سلطانی کے خلاف سکہ بنایا تھا، انہوں نے اس کا ہاتھ کاٹا چاہا، لیکن بعد میں اس کو معاف کیا، اور اس کو دوسری قسم کی سزا دی۔

ڈاکٹر عدنان ترکمانی کہتے ہیں:-

وكره ذلك الامام مالك، وقال: انه من الفساد ولو كان

(۱) النشود الانتمائية، العمر (ابراهيم بن صالح العمر) بيروت، دار العاصمة ۱۴۱۴ھ،

السياسة النقدية والمصرفية، التركماني (الدكتور عدنان خالد التركماني)

الضرب علی الوفا کما روی عن سعید بن المسیب ان من یضرب النقوط من غیر رجال الدولة او السلطة الحاکم یعتبر من الفساد فی الارض۔

اس کام کو حضرت امام مالکؒ نے مکروہ قرار دیا ہے، اور فرمایا کہ یہ از قبیل فساد ہے، اگرچہ اس کے سکہ کی بناوٹ بادشاہ کے سکہ کے موافق ہو۔ اور حضرت سعید بن مسیبؒ سے روایت ہے کہ حکومت کے علاوہ اگر کسی شخص نے سکہ بنایا تو یہ فساد فی الارض شمار ہوگا۔

البتہ حضرات حنفیہ کے ہاں اس کی گنجائش ہے، بشرطیکہ وہ سکہ سلطانی کے موافق ہو، اور اس سے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان لاحق نہ ہو۔

لیکن چونکہ اگر یہ اختیار ہر کسی کو حاصل ہو کہ وہ سکہ بنائے، تو اس زمانے میں اس کا فساد ہونا، اور اس کے معاشی نقصانات بالکل واضح ہیں، اس لئے حنفیہ کا مذہب بھی جمہور کا موافق ہو جائے گا، اور اب یہ سمجھا جائے گا کہ سکہ بنانے کا اختیار صرف حکومت کو حاصل ہے، حکومت کے علاوہ کسی بھی فرد کو یہ اختیار حاصل نہیں، خواہ اس کا بنایا ہوا سکہ سکہ سلطانی کے موافق ہو، یا مخالف ہو۔^(۱)

ذراور اس کے شرعی و اقتصادی وظائف

ذکر کے وظائف (Functions) سے مراد یہ ہے کہ ذکر انسانی معاشرے میں کیا کردار ادا کرتا ہے، اور ذکر بنی نوع انسان کی کیا خدمات انجام دیتا ہے۔

ذکر کے وظائف کے سلسلے میں ہم جب معاشیات کی کتابوں اور علماء و فقہاء کی عبارات کی مراجعت کرتے ہیں، تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ذکر کے شرعی اور اقتصادی وظائف تقریباً ایک جیسے ہیں، اس لئے ہم کتب فقہ اور کتب معاشیات کی روشنی میں ان

(۱) السیاسة النقدية والمصرفية، الترمکمانی (الدکتور عدنان خالد الترمکمانی) بیروت،

مؤسسة الرسالة ۱۴۰۹ھ (ص ۶۷)

وظائف کا خلاصہ ذیل میں پیش کرتے ہیں، البتہ یہ بات یاد رہے کہ ماہرین معاشیات نے ان وظائف کو باقاعدہ عنوانات قائم کر کے ذکر کیا ہے، اور فقہائے کرام نے باقاعدہ عنوانات کی تصریح کے ساتھ ان کو ذکر نہیں کیا ہے، بلکہ زکوٰۃ اور سود وغیرہ کے مسائل کے بیان کے ضمن میں ان کی جو عبارات مذکور ہیں، ان سے یہ وظائف باسانی اخذ کئے جاسکتے ہیں:

۱- آلہ مبادلہ (Medium of Exchange)

ذکر کا اولین فرض یہ ہے کہ یہ آلہ مبادلہ کا کام دیتا ہے، یعنی اشیاء اور خدمات کے خریدنے اور بیچنے کے وقت استعمال ہوتا ہے، اگر ذکر موجود نہ ہو، تو ہر شخص کو ضرورت کی چیزیں حاصل کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی شے دینی پڑے گی، یعنی اشیاء کا براہ راست اشیاء کے ساتھ تبادلہ کرنا پڑے گا، ایسے نظام کو متعاضد (Barter) کہا جاتا ہے، اور اس میں کئی مشکلات پیش آتی ہیں، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ ان کا ذکر ہو چکا ہے، لیکن ذکر کی بدولت یہ دشواری ختم ہوگئی، اب ہر شخص اپنی چیزیں ذکر کے عوض فروخت کر دیتا ہے، اور ذکر کی مدد سے اپنی ضرورت کی اشیاء یا خدمات خرید لیتا ہے، آلہ مبادلہ کی حیثیت سے ذکر انسانی معاشرے کے لئے بہت ہی نافع اور مفید ہے، اور اس کے بہت فوائد ہیں، مثلاً صنعت کار خام مال اور مشینری خرید سکتے ہیں، مزدوروں کو اجرتیں ادا کر سکتے ہیں، ذکر کی مدد سے ہر چھوٹی موٹی چیز خریدی جاسکتی ہے۔

۲- معیار قدر (Standard of Value)

ذکر ”قدر“ کی پیمائش کے معیار کا کام دیتا ہے، جس طرح گندم کے وزن کی پیمائش بائوں سے کی جاتی ہے، کپڑے کے طول و عرض کو میٹر یا گز سے ناپا جاتا ہے، اسی طرح چیزوں کی قدر و قیمت کو ذکر کے معیار پر ناپا جاتا ہے، اس کی بدولت ہر شخص اپنی اشیاء کی قدر کا اندازہ کر سکتا ہے، مثلاً ریڈیو ایک ہزار روپے کا ہے، کپڑا تیس روپے گز ہے، کتاب سو روپے کی ہے، وغیرہ۔

۳- ذخیرہ قدر (Store of Value)

ذکر قدر کو جمع کرنے یا ذخیرہ کرنے کے کام آتا ہے، انسان کو دولت جمع کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، تاکہ وہ آئندہ ضرورت پڑنے پر کام آسکے، یہ کام ذکر انجام دیتا ہے، کیونکہ کوئی اور شیء مثلاً گندم یا بکریاں یہ کام انجام نہیں دے سکتیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اول تو یہ چیزیں فنا پذیر ہیں، اور دوم ان کی قیمت گھٹتی ہے، جبکہ ذکر کی قیمت عام حالات میں عام چیزوں کی طرح بدلتی نہیں رہتی، اور اس کے ضائع ہونے کا احتمال بھی کم ہوتا ہے۔

۴- آئندہ اداائیگیوں کا معیار (Standard of Deferred Payments)

انسانی معاشرے میں بعض ایسے باہمی معاملات ہوتے ہیں، جن کی ادائیگی ادھار ہوتی ہے، مثلاً: قرض، ادھار خرید و فروخت یہ مقصد ذکر کی مدد سے پورا ہو جاتا ہے، کیونکہ ذکر کی قدر میں بڑی حد تک استحکام پایا جاتا ہے۔

پروفیسر منظور علی کہتے ہیں:-

”غرض اگر ذر نہ ہو، تو انسان کو اشیاء پیدا کرنے اور تبادلہ کرنے کے لئے قدیم فرسودہ نظام کی جانب لوٹنا پڑے، اسی لئے یہ کہا جاتا ہے کہ انسانی تہذیب و تمدن کی ترقی میں حصہ ڈالنے والی ایجادوں میں ”ذکر“ ایک بہت بڑی ایجاد ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے انسانی تہذیب نے ترقی کے مرحلے تیزی سے طے کئے ہیں۔“^(۱)

(۱) کتاب معاشیات حصہ دوم ص ۱۲۰

احکام الاوراق النقدية للجمعید :

”وفما يلي بين تلك الوظائف :

۱- النقود وسيط للتبادل۔۔۔

۲- النقود مقياس للقيمة۔۔۔

۳- النقود مخزن للقيمة۔۔۔

(باقی اگلے صفحے پر)

۴- النقود وسيلة للمدفوعات الموجلة۔۔۔ ص ۶۱-۶۶

اب آئیے دیکھتے ہیں کہ علمائے اسلام نے اس بارے میں کیا کہا ہے؟
علامہ ابن العربیؒ فرماتے ہیں:-

”ذرائع و ذخائر کو توڑنا عظیم گناہ ہے، کیونکہ یہ اشیاء کی قیمتوں کو
اندازہ کرنے کا ذریعہ ہے، اور اموال کی مقدار کی پہچانے کا راستہ
ہے، اور مبادلات میں استعمال ہوتے ہیں، یہاں تک کہ بعض علماء
نے ان کو مقادیر کے اختلاف یا مقادیر کے مجہول ہونے کے وقت
اموال کے درمیان ”قاضی“ کہا ہے، (یعنی جب اموال کی
مقداریں مختلف ہوں، یا مجہول ہوں، تو ذرائع یا ذخائر ہی اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

————— السیاسة النقدية والمصرفية في الاسلام للترکمانی:

”ان للنقد وظيفتين أساسيتين ووظيفتين ثانويتين:

الوظائف الأساسية للنقد: الوظيفة الأولى: النقد وسط للتبادل۔۔۔ الوظيفة الثانية:

النقد كمعيار للقيمة۔۔۔ الوظائف الثانوية للنقد، الوظيفة الأولى ثبوت النقد في الذمة،

الوظيفة الثانية: النقد مستودع للقيمة“ص ۵۳۔

The Theory of Money and Credit by Ludwig Von Mises P:41Ch:1

Modern Economic Theory by Dewet:

”Money performs five important functions:

1. It serves as a medium of exchange.
2. It is used as a store of value.
3. It is standard for measuring values.
4. Money serves as a standard for deferred payments.
5. It transfers value.”P:412

Introduction to Economic Principles:

” Money performs four main functions:

- 1/ common medium of exchange
- 2/ A common measure of value.....
- 3/ Store of value.....
- 4/ A standard of deferred payments....”P315.

اختلاف اور جہالت کا تصفیہ کرتا ہے قاضی کی طرح۔“ (۱)

اس عبارت میں ابن العربی نے ذکر کے بنیادی وظائف بیان فرمائے ہیں، کہ ذکر قیمت کا معیار اور آلہ مبادلہ ہے۔

علامہ ابن الہمامؒ نے بھی ذکر کو آلہ مبادلہ قرار دیا ہے کہ:-

”ان دونوں کی تخلیق ہی اس مقصد کے لئے ہوئی ہے کہ ان کے

ذریعہ دیگر اشیاء حاصل کی جائیں.....“ (۲)

علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:-

”ذکر کے ذریعہ دیگر اشیاء کی قیمت معلوم کی جاتی ہے۔“ (۳)

علامہ ابن القاسمؒ فرماتے ہیں:-

”سونا چاندی تمام اشیاء کی قیمتوں کا معیار ہے۔“ (۴)

علامہ ابن تیمیہؒ ”فلوس“ کے بارے میں فرماتے ہیں:-

”جو فلوس تعامل میں ہوں، ان میں اثمان کے معنی غالب کئے جائیں

گئے، اور لوگوں کے اموال کا معیار سمجھیں جائیں گے۔“ (۵)

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:-

(۱) احکام القرآن، ابن العربی، ابو بکر محمد بن عبد اللہ المعروف بابن العربی

متوفی ۵۳۳ھ، بیروت، دارالمعرفة (۱۰۲۳/۳)

(۲) فتح القدیر (۱۵۵/۲)

(۳) المیسوط، السرخسی (شمس الدین السرخسی) بیروت، دارالمعرفة، ۱۴۱۳ھ

(۱۹۳/۲)

دوسری جگہ فرماتے ہیں: ”انہ تقوم الاموال بهما وانه لا مقصود نهما سوى انهما قيم الاشياء،

وبهما تعرف خيرة الاموال ومقاديرها۔“ (۲۰/۳)

(۴) بحوالہ احکام الاوراق النقدية والتجارية (ص ۷۰)

(۵) مجموع الفتاوى (۳۶۸/۲۹)

”ذراہم و ذناہم فروخت شدہ اشیاء کے اثمان ہیں، اور خشن وہ معیار

ہے، جس سے اموال کی قیمتیں متعین کی جاتی ہیں۔“^(۱)

یہ چند حوالہ جات صرف بطور نمونہ بیان کئے گئے، جن سے بخوبی یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ علمائے اسلام کی عبارات میں ذکر کے دہی وظائف مذکور ہیں، جو ماہرین معیشت ذکر کرتے ہیں۔

نوٹ:- وظائف ذکر کی اس تفصیل میں آپ نے کہیں یہ نہیں دیکھا کہ کسی ماہر اقتصاد یا فقیہ نے ذکر کا یہ وظیفہ بھی بیان کیا ہو کہ یہ محل تجارت بھی ہے، جس سے یہ بات بالکل صاف طور پر سامنے آتی ہے کہ ذکر کا وظیفہ تجارت ہے ہی نہیں، لہذا ① ذکر کی تعریف، ② ذکر کی حقیقت اور ③ ذکر کے وظائف ان تینوں مباحث سے یہ بات واضح طور پر سامنے آگئی کہ ذکر صرف آلہ سبادل ہے، آلہ تجارت نہیں۔

إفراط و زور و تفریط (Inflation and Deflation)

اس بحث کا اصل محل اس مقالے کا باب ششم ہے، جس کا عنوان ہی ”قدر و زر“ (Value of Money) ہے، اس لئے اس کی اصل تفصیلات ان شاء اللہ تعالیٰ اسی باب میں بیان کی جائیں گی، جن میں إفراط و تفریط و زر کے عوامل و اسباب (Causes) اس کے اثرات (Effects) اور مختلف اقسام و انواع (Kinds) پر مفصل روشنی ڈالی جائے گی، یہاں ہم صرف إفراط و تفریط و زر کے معنی و حقیقت بیان کرنے پر اکتفاء کریں گے:

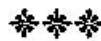
إفراط اور تفریط ایک دوسرے کی ضد کے طور پر استعمال ہوتے ہیں، کیونکہ لغوی معنی کے اعتبار سے ”إفراط“ زیادت، مبالغہ اور کمال کو کہتے ہیں، جبکہ ”تفریط“ کمی اور تقصیر کو کہتے ہیں، لہذا إفراط و زر اور تفریط و زر کے لغوی معنی ذکر کے بڑھنے اور گھٹنے کے ہوئے، اصل اصطلاحی معنی بھی لغوی معنی کے قریب ہیں، کیونکہ:-

جب ذکر کا پھیلاؤ زیادہ ہو جائے، تو اشیاء کی طلب (Demand) بڑھ جاتی ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اشیاء کی قیمتوں میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے، اشیاء کی قیمتوں میں اضافے کی وجہ سے ذکر کی قدر (Value) میں کمی آ جاتی ہے، اس صورت حال کو "افراطِ زر" (Inflation) کہا جاتا ہے، اس کے برعکس جب ذکر کا پھیلاؤ کم ہو جائے، جس سے اشیاء کی قیمتوں میں کمی ہو جاتی ہے، اور ذکر کی قدر میں اضافہ ہو جاتا ہے، تو اس صورت حال کو "تفریطِ زر" (Deflation) کہا جاتا ہے۔^(۱)

خلاصہ یہ کہ ذکر کے زیادہ پھیلاؤ سے اشیاء کی قیمت میں اضافہ اور ذکر کی قدر میں کمی ہو جاتی ہے، اور کم پھیلاؤ کی صورت میں صورت حال معکوس ہو جاتی ہے، گویا کہ اشیاء کی قیمتیں اور ذکر کی قدر دونوں متضاد سمتوں (Directions) میں سفر کرتے ہیں۔

قیمتِ شے ↑ قدرِ زر ↓ → ← قیمتِ شے ↓ قدرِ زر ↑

اس اصطلاح کی اصل حقیقت تو یہی ہے، لیکن بعد میں اس میں عموم ہوا، اور اس کو اشیاء کی قیمتوں میں ہر اضافے کے لئے استعمال کیا گیا، خواہ وہ اضافہ ذکر کے پھیلاؤ کی وجہ سے ہو، یا دیگر عوامل کی وجہ سے، جس کی تفصیل باب ششم میں آئے گی۔



(۱) اسلام اور جدید معیشت و تجارت (ص ۱۰۸) جنس مفتی محمد تقی عثمانی

مراجع اضافیہ:-

ذراور بینک داری (ص ۱۸۳) شیخ عطاء اللہ ایم اے

ذراور بنکاری (ص ۸۳) شیخ مبارک علی

مقدمة فی النقود والبنوك (ص ۶۸) الدكتور محمد ذکی الشافعی

باب دوم

ربا (سود)

احکام زر میں سب سے اہم حکم چونکہ ”ربا“ (Interest) کا ہے، جیسا کہ اگلے ابواب سے ان شاء اللہ تعالیٰ معلوم ہو جائے گا، اس لئے ضروری ہے کہ ربا کی تعریف اور دیگر بعض متعلقہ باتوں کو اس باب میں اختصار کے ساتھ بیان کیا جائے۔

تعریفِ ربا

”ربا“ لغوی معنی کے اعتبار سے زیادتی اور بڑھوتری کو کہتے ہیں، اور اصطلاحی معنی کے اعتبار سے اس کا اطلاق دو معنوں پر ہوتا ہے:

ربا النسیئہ اور ربا الفضل

”ربا النسیئہ“ کو ربا القرآن، ربا الجاہلیہ اور ربا القرض بھی کہتے ہیں، اور ”ربا الفضل“ کو ربا الحدیث اور ربا البیع بھی کہتے ہیں۔

ربا النسیئہ کو ربا القرآن اس لئے کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی متعدد آیات نے اس کو براہِ راست ممنوع قرار دیا ہے، جیسا کہ ”دلائلِ حرمت“ سے واضح ہو جائے گا، اور اس کو ربا الجاہلیہ اس لئے کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں اس کا رواج تھا، اور اہل جاہلیت بھی اس کو ربا ہی کہتے تھے، اور اس کو ربا القرض اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا تعلق قرض سے ہے، کیونکہ نسیئہ کے معنی ادھار کے ہیں۔

”ربا الفضل“ کو ربا الحدیث اس لئے کہتے ہیں کہ یہ قسم صرف الفاظِ قرآن سے

نہیں سمجھی گئی، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوئی، جیسا کہ ”دلائلِ حرمت“ سے واضح ہو جائے گا، اور اس کو ربا البیع اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا تعلق بیع سے ہے، کیونکہ فضل کے معنی زیادت کے ہیں، چنانچہ ابن العربیؒ احکام القرآن^(۱) میں فرماتے ہیں:-

”الربا فی اللغة الزیادة، والمراد فی الآیة کل زیادة لا یقابها عوض۔“

”ربا لغت میں زیادتی کو کہتے ہیں، اور آیتِ کریمہ میں اس سے مراد ہر وہ زیادتی ہے، جس کے مقابلے میں کوئی عوض نہ ہو۔“

ابن العربیؒ کی یہ تعریف ربا النسیئہ اور ربا الفضل دونوں کو جامع ہے، کیونکہ ایسا اضافہ جو کسی عوض کے مقابلے میں نہ ہو، یہ ربا النسیئہ میں بھی پایا جاتا ہے، کیونکہ اس میں اپنا قرض پورا پورا لیا جاتا ہے، اور اس پر سود (Interest) کے نام سے جو اضافہ ملتا ہے، وہ بے معاوضہ ہوتا ہے، اور ربا الفضل میں بھی پایا جاتا ہے، کیونکہ اس میں دو چیزوں کا مبادلہ ہوتا ہے، اور کسی ایک جانب میں ایسی زیادتی پائی جاتی ہے، جو کسی معاوضے کے بدلے میں نہیں ہوتی، لہذا ابن العربیؒ کی تعریف اپنی جامعیت کی بناء پر عمدہ تعریفات میں شمار کی جاتی ہے۔
امام ابوبکر جصاصؒ احکام القرآن^(۲) میں ربا کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

”وهو القرض المشروط فیہ الاجل و زیادة مال علی المستقرض۔“

”قرض کا وہ معاملہ جس میں ایک مخصوص مدتِ ادائیگی اور مقرض پر

(۱) احکام القرآن، ابن العربی (محمد بن عبد اللہ م ۵۴۳ھ) بیروت، دار المعرفۃ، طبع سوم ۱۳۹۲ھ (۲۳۲/۱)۔

(۲) احکام القرآن، الجصاص (احمد بن علی الجصاص م ۳۷۰ھ) سہیل اکیڈمی (۵۵۷/۱) لاہور پاکستان

مال کی کوئی زیادتی متعین کر لی گئی ہو۔“

علامہ بھاص نے ”القرض“ کی قید لگا کر اس تعریف کو اس قسم کے ساتھ خاص کر دیا، یعنی ربا النسئہ کے ساتھ۔

جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب علامہ بھاص کی اس تعریف کے بارے میں فرماتے ہیں:-

”وان هذا التعريف يشمل سائر انواع ربا النسئمة وكان هذا الربا محرما في سائر الاديان السماوية، وتوجد نصوص تحريمه حتى الآن في مجموعة الكتاب المقدس، وراجع سفر الخروج ٢٥: ٢٢، وسفر الاحبار ٣٥: ٢، وسفر التثنية ٢٠: ٢٣، من اسفار التوراة، وزبور داود عليه السلام ٥: ١٥، وسفر امثال سليمان عليه السلام ٨: ٢٨، وسفر نحميا ٥: ٥، وسفر حزقيل عليه السلام ٨: ١٨، ١٣، ١٤، ١٢، ٢٢“

”یہ تعریف ربا النسئہ کی تمام اقسام کو شامل ہے، اور ربا کی یہ قسم تمام آسمانی ادیان میں حرام رہی ہے، چنانچہ اس کی حرمت کی نصوص ابھی تک کتاب مقدس میں موجود ہیں، اس کے لئے ملاحظہ ہوں: خروج: ٢٢: ٢٥، احبار: ٣٥: ٢، تثناء: ٢٣: ٢٠، زبور داود: ٥: ١٥، سفر امثال سليمان عليه السلام: ٨: ٢٨، سفر نحميا: ٥: ٥، اور اسفار حضرت حزقيل عليه السلام: ٨: ١٨، ١٣، ١٤، ٢٢، ١٣۔“^(۱)

(۱) تکملہ فقہ الملہم شرح صحیحہ مسلم (جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی) کراچی، مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۳ طبع ۱۴۰۵ھ (۱/۵۶۷)۔

”ربا النسیئة“ کی تعریف پر مشتمل ایک مشہور حدیث کی تشریح و تحقیق

”کل قرض جر نفعا فهو ربا“ رواہ الحدیث بن ابی اسامہ فی

مسندہ عن علی دفعہ

”حارث بن ابی اسامہ نے اپنے ”مسند“ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ

سے مرفوعاً روایت کی ہے، کہ جو قرض کچھ نفع کمائے، وہ ربا ہے۔“ (۱)

اس حدیث شریف میں ”قرض“ کا لفظ موجود ہے، اس لئے اس کا تعلق ربا

النسیئة سے ہی ہے۔

اس روایت پر سندی حیثیت سے اگرچہ جرح ہوئی ہے، لیکن چونکہ دوسری

روایات و آثار سے اس کی تائید ہوتی ہے، اس لئے یہ حدیث حسن لغیرہ ہے، اور

محدثین کرام کے نزدیک صالحہ للعمل ہے، بلکہ اُمت کی طرف سے اس کو ”تلقی

بالقبول“ حاصل ہے، جیسا کہ مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب ”مسئلہ سود“ (۲) میں اس

حدیث سے متعلق فرماتے ہیں:-

”یہ حدیث علامہ سیوطی نے جامع صغیر میں نقل کی ہے، اور فیض

التقدیر شرح جامع صغیر میں اگرچہ اس کی سند پر جرح کی ہے، اسناد کو

ضعیف بتلایا ہے، لیکن اس کی شرح سراج المنیر عزیزی نے اس کے

متعلق یہ الفاظ لکھے ہیں: قال الشیخ: حدیث حسن لغیرہ، یعنی

یہ حدیث حسن لغیرہ ہے، کیونکہ دوسری روایات و آثار سے اس

کی تائید ہوتی ہے، بہر حال یہ روایت محدثین کے نزدیک صالحہ

لعمل ہے۔“

(۱) کشف الخفاء، الجراحى (اسماعیل بن محمد العجلونى الجراحى م ۱۶۳ھ)

بیروت، مؤسسة الرسالة، طبع سوم ۱۴۰۳ھ (۲/۱۶۳)

(۲) مسئلہ سود (ص ۱۵)، ادارۃ المعارف کراچی طبع جدید، ۱۳۹۹ھ۔

امام الحرمین اور امام غزالی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔^(۱)

نیز یاد رکھنا چاہئے کہ جمہور فقہاء و محدثین نے اس حدیث کو ایک اصول کے طور پر قبول کیا ہے، اور فقہاء و محدثین کی یہ "تلقى بالقبول" اس بات کی بذات خود ایک مستقل دلیل ہے کہ یہ اصول قرآن و سنت کے عین مطابق ہے، لہذا بعض عربی مصنفین اور علماء^(۲) کا اس حدیث کو دیگر احادیث کا معارض قرار دینا یا اس کی صحت سے بالکل انکار کرنا درست نہیں۔

مذکورہ حدیث میں "منفعت" سے مراد ہر وہ منفعت مراد ہے، جو مشروط یا معروف ہو، کیونکہ معروف بھی بیشتر احکام شرعیہ میں مشروط کے حکم میں ہے، چنانچہ امام ابوبکر بھاص وغیرہ نے جو تعریف بیان فرمائی ہے، اس میں "المشروط" کی قید اس لئے لگائی ہے، نیز منفعت عام ہے، خواہ مال کی شکل میں ہو، یا کسی اور شکل میں ہو، لہذا اب مذکورہ حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ "قرض کی وجہ سے جو بھی مشروط یا معروف نفع خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہو، حاصل ہو، وہ سود ہے، اور اس سے بچنا واجب ہے۔"

مذکورہ بالا تشریح و مطلب میں دو باتیں آگئیں:-

۱- حدیث میں نفع سے مراد مشروط یا معروف نفع ہے۔

۲- نفع عام ہے، خواہ کسی بھی شکل میں ہو۔

(۱) تلخیص الحیبر، العسقلانی (علامہ ابن حجر العسقلانی م ۸۵۲)، الریاض، مکتبہ نزار

مصطفی الیتر، طبع اول ۱۴۱۷ھ (۱۹۹۷ء)

"قال عمر بن عبد بن المغنی: لم یصح فیہ شیء، واما امام الحرمین، فقال: "انہ صحیح" وتبعہ الغزالی۔"

فتح القدیر (۳۵۶/۹)

(۲) ان میں سے ڈاکٹر رفیق یونس مصری (الجامع فی اصول الربا)، شیخ صالح بن فوزان الفوزان

(الفرق بین البیع والربا)، اور ڈاکٹر عبداللہ بن محمد بن حسن السعیدی (الربا فی المعاملات

المصرفیة المعاصرة)۔

پہلی بات کی دلیل وہ تمام احادیث و روایات ہی، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کئی واقعات میں قرض لے کر ادائیگی کے وقت کچھ زیادہ عطاء فرمایا۔^(۱)

اور دوسری بات کی دلیل یہ ہے کہ ائمہ اربعہؒ نے بہت سی ایسی صورتوں کو ممنوع قرار دیا ہے، جن میں مقرض کو اپنے دیئے ہوئے قرض پر کچھ نفع حاصل ہو رہا ہے، حالانکہ وہ نفع ”مال“ کی شکل میں نہیں ہوتا، اور ممانعت کی بنیاد یہی حدیث شریف ہے، مثلاً:

۱۔ شیئ مریون سے مشروط یا معروف انتفاع حرام ہے۔^(۲)

۲۔ قرض خواہ کے لئے مقروض کی سواری پر سوار ہونا یا قرض کی وجہ سے اس کے گھر میں کھانا کھانا جائز نہیں۔^(۳)

۳۔ اگر کوئی کسی کو اس شرط پر قرض دے کہ مقروض اس کو اپنا مکان فروخت کرے گا، تو یہ ناجائز ہے۔^(۴)

۴۔ ”سُفْتَجَہ“ کو ای حدیث کی بناء پر ائمہ نے ممنوع قرار دیا ہے، حالانکہ اس

(۱) مجمع الزوائد، الہیتمی (الحافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیتمی م ۸۰۷ھ) بیروت، لبنان، دار الکتب طبع دوم ۱۹۶۷ء، (۱/۱۳۱)

”استسلف النبی ﷺ من رجل من الانصار اربعین صاعاً، فاحتاج الانصاری فأتاه، فقال رسول ﷺ: ما جاء نا شيء، فقال الرجل واداد ان يتكلم، فقال رسول الله ﷺ: لا تتل الا خيراً، فانا خير من تسلف، فاعطاه اربعین فضلاً واربعین سلفه فاعطاه بمائتین۔“

”عن عطاء بن يعقوب قال: استسلف ابن عمر مئتي الف درهم قضائي اجد منها، فقلت له: ان دراهمك اجدو من دراهمي، قال: ما كان فيها من فضل نائل لك من عندي۔ ومالي ذلك من الاحاديث۔“

(۲) الدر المختار ورد المحتار (۷۰/۱۰)

(۳) الفقه الاسلامي وادلتہ الزحيلي (الدكتور وهبه الزحيلي) بيروت دار الفكر (۴/۷۴)

(۴) مرجع سابق

میں کوئی زیادتی مال نہیں۔^(۱)

لہذا یہ کہنا کہ منفعت جو حرام ہے اس سے مراد صرف ”زیادتی مال“ ہے، درست نہیں، جیسا کہ ماضی قریب کے ایک ماہر اقتصاد شیخ محمود احمد مرحوم^(۲) نے علامہ بھاص“ وغیرہ کی تعریفات کے ظاہر کو دیکھ کر یہ بات کی ہے، کیونکہ ان تعریفات میں ”مال“ کا لفظ موجود ہے۔

حالانکہ ان تعریفات میں ”مال“ کی قید تغلیبا ہے، کیونکہ زمانہ جاہلیت میں زیادہ تر اسی طرح ہوتا تھا، تقریبہ کوئی قید استرازی نہیں، کیونکہ اس صورت میں علامہ بھاص“ کی تعریف خود مذکورہ حدیث (جس میں منفعت عام ہے) کی معارض ہو جائے گی، نیز بہت سارے علمائے اسلام نے رباً کی تعریف میں ”مال“ کی کوئی قید نہیں لگائی ہے۔^(۳) خلاصہ یہ کہ مذکورہ حدیث کی رو سے قرض پر ہر مشروط یا معروف نفع حاصل کرنا خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہو، ”رباً بالنسیئہ“ ہے، اور قرآن وحدیث کی روشنی میں حرام اور ممنوع ہے، اور اس سے بچنا ضروری ہے۔

اور ”سفتجہ“ اس کی جمع سفتاج ہے، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ زید مثلاً تاجر ہے، تو عمر اس قرض دیتا ہے، لیکن عمر اس کو قرض دیتے وقت یہ شرط عائد کرتا ہے کہ یہ قرض میرے شہر میں جو میرا دوست یا میرے والد ہیں، ان کو ادا کرنا، اس کو فقہائے کرام نے ممنوع قرار دیا ہے، کیونکہ اس میں مقرض یعنی عمر کو راستے کے خطرات سے بچاؤ کا فائدہ حاصل ہوتا ہے، جو ”قرض جر نفعاً“ میں داخل ہے، اور ممنوع ہے۔ دیکھئے! الشامیہ (۲۹۸/۷)۔

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ (۷۳/۳)

(۲) کتاب سود کی متبادل اساس۔ شیخ محمود احمد، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، طبع اول ۱۹۸۶ء۔

(۳) مسئلہ سود۔

ربا الفضل

ربا الفضل سے مراد وہ اضافہ ہے جو کچھ مخصوص اجناس کے باہمی تبادلے پر

حاصل ہو۔

ربا الفضل کے سلسلے میں حدیث مشہور ہے، جسے ”اشیائے ستہ“ والی حدیث کہتے

ہیں، کیونکہ اس میں چھ چیزوں کا ذکر موجود ہے، اس حدیث کے الفاظ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں!

”الذهب بالذهب مثلاً بمثلًا والفضة بالفضة مثلاً بمثل،
والتمر بالتتمر مثلاً بمثل، والبر بالبر مثلاً بمثل، والملح
بالمح مثلاً بمثل، والشعير بالشعير مثلاً بمثل فمن زاد
او ازداد فقد اربى، بيعوا الذهب بالفضة كيف شئتم هذا
بيد، الحديث^(۱)

”سونے کو سونے کے بدلے میں برابر سرا بر بیچو، چاندی کو چاندی
کے بدلے میں برابر سرا بر بیچو، کھجور کو کھجور کے بدلے میں برابر سرا بر
بیچو، گندم کو گندم کے مقابلے میں برابر سرا بر بیچو، نمک کو نمک کے
بدلے میں برابر سرا بر بیچو، جو کو جو کے بدلے میں برابر سرا بر فروخت
کردو، لیکن جو شخص اضافے کا لین دین کرے، وہ ربا کا معاملہ کرے
گا، البتہ سونے کو چاندی کے بدلے میں جس طرح چاہے، فروخت
کردو، بشرطیکہ دست در دست ہو، اور جو کو کھجور کے بدلے میں جس
طرح چاہے، فروخت کردو، بشرطیکہ دست در دست ہو۔“

یہ حدیث مختلف کتابوں^(۲) میں مختلف الفاظ کے ساتھ آئی ہے، لیکن حاصل سب کا

(۱) کنز العمال، المتقی (علاء الدین علی المتقی الہندی) عدد الحدیث ۳۶۶۹۔

(۲) مثلاً: صحیح مسلم، القشیری (ابو الحسین مسلم بن الحجاج القشیری) باب المساقاة

صحیح البخاری، البخاری (ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری) باب المساقاة

سنن ابی داؤد السجستانی (سلمان بن الأشعث بن اسحاق السجستانی)، البیوع

ایک ہی ہے، اور وہ یہ کہ مخصوص اجناس کے باہمی تبادلے کے وقت کسی ایک جانب اضافے سے آپ نے ممانعت فرمائی ہے۔

اس حدیث شریف میں صرف چھ چیزوں کا ذکر ہے، لیکن اس پر اتفاق ہے کہ رہا صرف ان چھ چیزوں کے تبادلے میں منحصر نہیں، بلکہ اور چیزیں بھی اس ممانعت میں آسکتی ہیں، اب یہ کس طرح معلوم ہوگا، اس کے لئے مجتہدین نے ”تعلیل“ کا سہارا لیا، یعنی اس حدیث میں سوچا گیا کہ ان چیزوں کے باہمی تبادلے میں اضافے کو کس علت کی بنیاد پر ممنوع قرار دیا ہے؟ چنانچہ ہر مجتہد نے اجتہاد کر کے اپنے اجتہاد کے مطابق علت نکالی، اور اس علت پر مزید احکام متفرع کئے، جس کی تفصیل کتب فقہ اور کتب اصول فقہ میں مذکور ہے۔

حرمتِ ربا کے دلائل کا خلاصہ

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي
يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ
الرِّبَا وَآحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا۔ (۱)

”جو لوگ سود کھاتے ہیں، ان کا حال اس شخص کا سا ہوتا ہے، جسے شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہو، اور اس حالت میں ان کے جتلا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ تجارت بھی تو آخر سود ہی جیسی چیز ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا ہے، اور سود کو حرام الخ“

يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُزِيلُ الصَّدَقَاتِ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ
أَثِيمٍ (۲)

(۱) سورة البقرة آیت ۲۷۵

(۲) سورة البقرة آیت ۲۷۶

”اللہ سود کو مٹاتا ہے، اور خیرات کو بڑھاتا ہے، اور تمام ایسے لوگوں کو ناپسند کرتے ہیں، جو ناشکرے اور گنہگار ہوں۔“

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ، فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ
الآية^(۱)

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور جس قدر سود رہ گیا ہے، اسے چھوڑ دو، اگر تم ایمان والے ہو، اگر تم نے ایسا نہیں کیا، تو پھر اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ.....“

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً الْآيَةُ^(۲)
”اے ایمان والو! سود مت کھاؤ چند در چند.....“

عن ابن مسعود قال: لعن رسول الله ﷺ آكل الربا وموكله^(۳)

وفي رواية لمسلم وغيره: لعن رسول الله ﷺ آكل الربا، وموكله وكتابه وشاهديه، وقال: هم سواء

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے اور کھلانے والے پر لعنت کی ہے، اور ایک روایت میں ہے، کہ آپ نے سود کھانے، سود کھلانے، لکھنے اور اس کے گواہ بننے والوں پر لعنت کی ہے، اور یہ بھی فرمایا کہ وہ سب برابر ہیں۔“

(۱) سورة البقرة آیت ۲۷۸

(۲) سورة البقرة آیت ۲۸۱

(۳) بخاری کتاب الطلاق، مسلم کتاب المساقاة، ابوداؤد کتاب البيوع، وغیرہا

”الر با بضع وسبعون بابا والشرك مثل ذلك“^(۱)

”سود کی خرابیاں ستر سے اوپر ہیں، اور شرک اس کے برابر ہے۔“

”الدهم يصيبه الرجل من الربا اعظم عند الله من ثلاثة وثلاثين زينة يزنيها في الاسلام۔“^(۲)

”سود کا ایک ورہم اللہ کے نزدیک تینتیس مرتبہ زنا سے بھی زیادہ بڑھ کر ہے، جو زنا حالت اسلام میں انسان کرے۔“

”الربا ثلاث وسبعون بابا ایسرا مثل ان ينكح الرجل امه۔“^(۳)

”سود کے تہتر قسم کی خرابیاں ہیں، ان میں سب سے معمولی یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے بدکاری کرے۔“

”ما احد اكثر من الربا الا كان عاقبة امره الى قلة۔“^(۴)
”جس شخص نے سود کے ذریعے سے زیادہ مال کمایا، انجام کار اس میں کمی ہی ہوگی۔“

”اذا ظهر الزنا والربا في قرية فقد اهلوا بانفسهم عذاب الله۔“^(۵)

”کسی بستی میں زنا اور سود کا کاروبار پھیل جائے، تو بستی والوں نے اللہ کا عذاب اپنے اوپر اتار لیا۔“

(۱) برواہ البزار ورواہه رواة الصحيح، وهو عند ابن ماجه بأسناد صحيح بالاختصار۔

(۲) الطبرانی الكبير، الطبرانی (سليمان بن أحمد م ۳۵۴)

(۳) مستدرک حاکم، الحاکم (محمد بن عبد الله الحاکم م ۳۵۴) بیروت، دار الکتب

العلمية، ۱۴۱۱ھ

(۴) ابن ماجه والحاکم

(۵) المستدرک للحاکم

”ممن قوم یظهر فہم الربا الاخذوا بالسنة“ الحدیث^(۱)
 ”جس قوم میں سود پھیل جائے، وہ یقیناً قحط سالی میں مبتلا ہو جاتی
 ہے۔“

”بین یدی الساعة یظهر الربا“ الحدیث^(۲)
 ”قیامت سے پہلے سود کی کثرت ہو جائے گی۔“

”لیاتین علی الناس زمان لا یمقی احد الا اکل الربا، فمن
 لم یاکله اصابه من غبارہ۔“^(۳)

”ایک زمانہ آئے گا کہ کوئی بھی شخص سود خوری سے بچے گا نہیں، اور
 اگر وہ بچ بھی گیا، تو اس کا اثر اس تک ضرور پہنچے گا۔“

یہ چند قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ ہم نے سود اور ربا کی وعید سے متعلق
 یہاں ذکر کی، یہ صرف بطور ایک نمونے کے ہیں، ورنہ سود خوری کی سزاؤں سے متعلق اور
 بھی متعدد احادیث اور روایات موجود ہیں، جن میں سود خوری اور سودی معاملات کرنے
 کے بارے میں بہت شدید وعیدیں اور سزائیں مذکور ہیں، اگر ان احادیث کی تفصیل
 مطلوب ہو، تو مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے مشہور رسالہ ”مسئلہ سود“ کا مطالعہ
 فرمایا جائے، جو خاص سود ہی کے موضوع پر ہے، اور اس میں سود کی وعیدوں سے متعلق
 چہل حدیث موجود ہیں۔

نیز شرکت و مضاربہ کے موضوع پر ڈاکٹر عمران اشرف عثمانی صاحب کا مقالہ
 بھی ان احادیث کے مطالعے کے لئے موزوں ہے، یہ مقالہ پی ایچ ڈی کے لئے لکھا گیا
 ہے، اور جامعہ کراچی نے منظور کیا ہے، اور اب مطبوعہ شکل میں دستیاب ہے۔

(۱) مسند احمد بن حنبل

(۲) المعجم الطبرانی

(۳) سنن ابی داؤد

اللہ تعالیٰ سود کی لعنت سے اور اس کی وعیدوں سے پوری امت مسلمہ کو محفوظ رکھے۔

علت کے معنی اور علت و حکمت میں فرق

نفت میں ”علت“ عین کے کسرے کے ساتھ ”بیاری“ کو کہتے ہیں، اور اصطلاح میں علت کی متعدد تعریفات کی گئی ہیں:-^(۱)

”علت“ کی مشہور تعریف کا حاصل درج ذیل ہے:-

”علت اس شے کو کہتے ہیں جو نص کے حکم کے لئے علامت ہو، اور نص

میں موجود ہو، اور جب یہ علامت غیر نص (فرع) میں پائی جائے، تو

اس کی بنیاد پر غیر نص کو بھی وہ حکم مل جاتا ہے۔“^(۲)

(۱) بحث العلة فی القیاس عند الأصولیین، الہیتی (عبدالحکم عبد الرحمن السعد السعدی الہیتی العراقی، بیروت، لبنان، دارالبشائر الاسلامیہ طبع اول ۱۴۰۶ھ ص ۶۸)۔
”واما بالسکر فانها تاتی بمعنی المرض۔۔۔ وعلماء الاصول لهم تعریفات کثیرة للعلّة۔۔۔ اھ۔“

(۲) کشف الاسرار شرح نور الانوار، النسفی (ابو البرکات عبد اللہ بن احمد المعروف ب”حافظ الدین النسفی“ م ۷۱۰ھ)، بیروت، دارالکتب العلمیہ، طبع اول ۱۴۰۶ھ
”ما جعل علما علی حکم النص مما اشتمل علیہ النص وجعل الفرع نظیرا له فی حکمہ بوجودہ فیہ“ (۲/۲۳۸)

حاشیہ جامع الاسرار فی المنار للنسفی للکاکبی، الافغانی (فضل الرحمن عبد الغفور الافغانی)

”قلت: اشتقت عبارات الأصولیین فی تعریف العلة واوضح تعریفاتہا واحسنہا فی نظری ہو ما عرفہ بعضهم بقوله:

”الوصف الخارج المناسب للحکم یكون مضافا الیه“ (۳/۱۸۳)

”علت اس خارجی وصف کو کہتے ہیں، جو حکم کے لئے مناسب ہو، اور حکم اس کی طرف مضاف ہو۔“

The Historic Judgment on Interest

Justice Muhammad Taqi Usmani

"The Illat is the basic feature of a transaction without which the relevant law cannot be applied to it." P: 80

لیکن تمام تعریفات کا جو حاصل نکلتا ہے، وہ یہ ہے کہ علت غیر منصوص میں مدار حکم ہوتی ہے، اگر علت ہو، تو حکم بھی موجود ہوگا، اور اگر علت نہ ہو تو حکم بھی موجود نہیں گا، البتہ علت منصوص میں مدار حکم نہیں ہوتی، اور نہ ہی منصوص میں حکم اس کی طرف مضاف ہوتا ہے، بلکہ یہاں حکم خود نص کی طرف مضاف ہوگا، لأن النصّ اولیٰ واقوٰی من العلة۔^(۱)

حکمت (Wisdom) :- حکمت لغت میں مضبوطی اور استحکام کو کہتے ہیں، اور اصطلاح میں حکمت کی تعریف درج ذیل ہے :-

”حکمت اس مصلحت کو کہتے ہیں، جس کی وجہ سے کوئی حکم مشروع ہوا

ہو، خواہ وہ مصلحت منفعت کے حصول کی شکل میں ہو، یا دفع ضرر کی

شکل میں۔“^(۲)

یعنی شارع نے کسی کام کو کرنے کا حکم دیا ہے، یا کسی کام کرنے سے منع کیا ہے،

(۱) نسبت الاسرار علی السمنار، الشامی (علامہ ابن عابدین الشامی) کراچی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ طبع سوم ۱۳۱۸ھ

”ثم هو علم علی الحكم فی الفرع عند اکثر مشائخنا لان الحكم فی الفرع مضاف الیه لا الحكم فی الاصل عندهم“ (ص ۲۱۷)

(۲) حکمة التشريع الاسلامی فی تحریم الربا، ذاکتر یوسف حامد العالم، دارجامعہ ام درمان الاسلامیہ، طبع اول ۱۴۰۳ھ (ص ۳۰)

”من المتفق علیہ بین جمهور العلماء المسلمین ان الله سبحانه وتعالیٰ ماضی حکما لا لمصلحة عبادة وان هذه المصلحة اما جلب نفع لهم واما دفع ضرر عنهم“

مباحث العلة فی القیاس عند الاصولیین، الہیتی (عبد الحکیم عبد الرحمن):

”فالجہود یطلقها علی ما یترب علی التشريع من جلب مصلحة او تکمیلها او دفع مفسدة او تقلیلها“ (ص ۱۰۵)

The Historic Judgment on Interest (by Justice Muhammad Taqi Usmani)

”The Hikmahat is the wisdom and the philosophy taken into account

by the legislator while framing the law.....“ P:80

”حکمت اس مصلحت اور فلسفے کو کہتے ہیں، جو مقنن قانون وضع کرتے وقت پیش نظر رکھتا ہے۔“

اس میں پیش نظر یہ ہے کہ بندہ اس کام کرنے کی وجہ سے فلاں فائدہ حاصل کرے، یا فلاں نقصان سے بچ جائے، یا ممانعت کی صورت میں کام نہ کرنے کی وجہ سے فلاں فائدہ حاصل کرے، یا فلاں نقصان سے بچ جائے، یہ حکم کی حکمت ہے۔

فرق :- علت اور حکمت کی تعریف سے دونوں میں فرق خود بخود واضح ہو گیا، کہ علت مدار حکم ہے، لہذا شرعی احکام کا مدار علل پر ہوگا، حکمت پر نہیں، کیونکہ حکمت بعض اوقات بالکل مخفی ہوتی ہے، اور بندوں کو اس پر بالکل اطلاع نہیں ہوتی، اب اگر حکمت پر حکم کا مدار ہو، تو اس صورت میں حکم معطل ہو جائے گا، مثلاً :-

مسافر کے لئے ”قصر“ کا حکم ہے، اب اس حکم کی تشریع میں حکمت و مصلحت ”مشقت“ سے بچنا ہے، لیکن کہاں مشقت ہے، اور کہاں مشقت نہیں ہے، یہ فیصلہ نہایت مشکل ہے، اس لئے مذکورہ حکم کے لئے علت ”سفر“ کو مقرر کیا گیا، اب حکم کا مدار مشقت پر نہیں، بلکہ سفر شرعی پر ہے، سفر شرعی ہے، تو قصر کا حکم بھی ہے، سفر شرعی نہیں ہے، تو قصر کا حکم بھی نہیں ہے۔

حکمت اور علت میں فرق واضح کرنے کے لئے بعض علمائے کرام نے عام دنیادی قانون میں یہ مثال بیان فرمائی ہے، کہ مثلاً ٹریفک کا قانون ہے کہ جب سرخ بتی جل رہی ہو، تو سگنل پر گاڑی روکی جائے، اب ”گاڑی روکنا“ ایک حکم یا قانون ہے، اور سرخ بتی کا روشن ہونا اس کی علت ہے، اور یہ قانون کیوں بنا؟ اس کی مصلحت، حکمت اور فلسفہ حوادث سے بچاؤ ہے، لیکن یہ بات ہر ایک جانتا ہے کہ مذکورہ حکم کا مدار سرخ بتی ہے، اگر وہ روشن ہے، تو گاڑی روکنا لازم ہے، ورنہ نہیں، مذکورہ مصلحت اور حکمت اس کا مدار نہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر دوسری سائڈ سے بالکل ٹریفک نہ ہو، اور سرخ بتی جل رہی ہو، تب بھی گاڑی روکنا لازم ہے، حالانکہ اس صورت میں حادثے کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔^(۱)

(۱) تکملة فتح المہم شرح صحیحہ مسلم - العثماني (جلس مفتی محمد تقی عثمانی) (۱/۵۷۳) کراچی، مکتبہ دارالعلوم، طبع اول ۱۳۰۵ھ۔

تنبیہ:- علت اور حکمت میں فرق بیان کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آتی ہے، کہ اس زمانے میں سود جائز کرنے والے جو حیلے پیش کرتے ہیں، ان میں سے ایک حیلہ یہ بھی ہے کہ آج کل بنکوں سے سود پر جو قرضہ کاروبار کے لئے لیا جاتا ہے، یا بنک لوگوں سے جو قرضہ سود پر لیتا ہے، اس میں کسی فریق پر کوئی ”ظلم“ نہیں، بلکہ دونوں کا فائدہ ہے، اور سود کی ممانعت ظلم کی وجہ سے ہے، لہذا بنک کے اس قسم کا سود جائز ہوگا، اس کو ناجائز کہنا درست نہیں، ناجائز سود تو وہ ہے کہ ایک آدمی کے پاس کھانے کے لئے کچھ نہیں، یا پہننے کے لئے کچھ نہیں، اور وہ کسی سے قرضہ لیتا ہے، تاکہ وہ اس سے اس ضرورت کو پورا کرے، تو قرض دہندہ اس کو کچھ اضافے کی شرط کے ساتھ قرضہ فراہم کرتا ہے، تو اس میں بلاشبہ ظلم ہے، اور یہ ناجائز ہے، لیکن کاروباری نوعیت کے قرضے میں ظلم تو دُرور کی بات ہے، بلکہ یہ تو عین انصاف ہے، کہ بنک نے قرضہ لے کر اس کو کسی کاروبار میں لگایا اور اس پر بنک کو نفع حاصل ہوا، اب اس نفع میں سے بنک نے کچھ حصہ اکاؤنٹ ہولڈر کو دیا، اور کچھ خود رکھ لیا، دونوں کا فائدہ ہو گیا، تو اس کو ناجائز کہنے کی کوئی وجہ نہیں۔

حکمت اور علت میں فرق بیان کرنے سے بات صاف اور واضح ہو جاتی ہے، کہ حکم کا مدار علت پر ہے علت موجود ہوگی، تو حکم بھی موجود ہوگا، اور علت موجود نہیں ہوگی، تو حکم بھی موجود نہیں ہوگا، حکم کا مدار حکمت پر نہیں، ظلم یا باکی حکمت ہے، علت نہیں، لہذا کسی قرضے میں ظلم کے ہونے یا نہ ہونے پر ربا کا حکم لاگو نہیں ہوگا، بلکہ علت کو دیکھا جائے گا، اور اس پر حکم کا مدار ہوگا، جو بلاشبہ مذکورہ قرضوں میں موجود ہے، لہذا کاروباری قرضوں پر سود کا لین دین بھی حرام ہوگا۔

نیز ان قرضوں میں ظلم بھی ہے، جس کو علمائے اُمت نے بڑی تفصیل کے ساتھ اپنی تحریرات میں ذکر کیا ہے۔^(۱)

ذکر میں علتِ ربّ کی تحقیق

ذکر میں ربّ کی دونوں قسمیں پائی جاتی ہیں، ربّ الفضل بھی اور ربّ النسیہ بھی، ذکر میں ربّ الفضل کے حرام ہونے کی علت کے بارے میں تین قول مشہور ہیں، جن کا خلاصہ ذیل میں بیان کیا جاتا ہے:-

۱- قدر جنس: یعنی اگر ذکر میں یہ دونوں باتیں پائی جائیں، تو اس صورت میں تبادلہ ذکر کے وقت کسی ایک جانب زیادتی جائز نہیں ہوگی، مثلاً: سونے کا سونے کے ساتھ اگر تبادلہ ہو، یا چاندی کا چاندی کے ساتھ اگر تبادلہ ہو، تو چونکہ یہ موزونات میں سے ہیں، اور جنس کا جنس کے ساتھ مقابلہ ہے، اس لئے یہاں کسی جانب اضافہ جائز نہیں، بلکہ مماثلت ضروری ہے۔

یہ مذہب حضراتِ حنفیہ کا ہے، اور امام احمد بن حنبلؒ کا مشہور قول بھی یہی ہے۔^(۱)
یہ حضرات اپنے موقف کو قرآن، سنت اور قیاس سے ثابت کرتے ہیں:-
قرآن کریم:- قال الله تعالى:-

أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ۝ وَزِنُوا
بِالْقِسَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ۝^(۲)

(۱) الدر المختار مع رد المحتار (۳۰۵/۷)

”وعلته ای علة تحريم الزيادة القدر المعهود بكمل او وزن مع الجنس، فان وجدا حرم الفضل“

البحر الرائق شرح كنز الدقائق (۲۰۷/۶)

”وعلته القدر والجنس ای وجوب المساواة التي يلزم عند قوتها الربا“

— ابن قدامة (موفق الدين ابو محمد عبد الله بن احمد بن محمد بن قدامة المقدسي

م ۲۲۰ھ) المغني، دار عالم الكتب، الرياض طبع اول ۱۴۰۶ھ

”فروي عن احمد في ذلك ثلث روايات اشهرهن ان علة الربا في الذهب والفضة كونه موزون جنس“ (۵۳/۶)

(۲) سورة الشعراء آيت ۱۸۱

”ماپ پورا بھر کر دو، اور نقصان دینے والے مت ہو، اور سیدھی ترازو سے تولو۔“

وقال الله تعالى:

وَيَا قَوْمِ ادْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ الْآيَةُ ^(۱)

”اور اے قوم! ماپ اور تول کو پورا کرو انصاف کے ساتھ، اور نہ گھٹاؤ لوگوں کی ان کی چیزیں۔“

وقال الله تعالى:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ^(۲)

”خرابی ہے گھٹانے والوں کی، وہ لوگ جب ماپ کر لیں، لوگوں سے تو پور بھر لیں، اور جب ماپ کر دیں ان کو یا تول کر دیں، تو گھٹا کر دیں۔“

ان آیات کریمہ میں کیل اور وزن کو پورا پورا دینے کا حکم دیا گیا ہے، اور ان میں کمی کرنے سے ڈرایا گیا ہے، جس سے اشارۃً یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ رباً کی علت ”کیل و وزن“ ہے۔ ^(۳)

سنت :- وہ تمام احادیث جن کا تعلق اشیائے ستہ سے ہے، اور جن میں سے بعض کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے، اور بعض مزید ذیل میں ذکر کی جا رہی ہیں، اس

(۱) سورة هود آیت ۸۵

(۲) سورة التطفیف۔

(۳) بدائع الصنائع الکامنی (علاء الدین ابوبکر الکامنی) کراچی، ایچ ایم سعید، طبع

اول ۱۹۱۰ء (۵/۱۸۴)

”علت“ کا مأخذ ہیں۔

”الذهب بالذهب وزنا بوزن مثلاً بمثل والفضة بالفضة وزنا بوزن مثلاً بمثل، فمن زاد او استزاد فهو ربا۔“^(۱)
 ”سونا سونے کے مقابلے برابر سرابریٹو، اور چاندی چاندی کے مقابلے میں برابر سرابریٹو، جس نے بڑھایا یا زیادہ مانگا، تو یہ ربا ہے۔“

”لا تبیعوا الذهب بالذهب الا وزنا بوزن۔“^(۲)
 ”سونے کو سونے کے مقابلے میں مت بیچو مگر یہ کہ برابر سرابریٹو۔“
 ”لا تبیعوا الدھم بالدرھمین ولا الصاع بالصاعین۔“^(۳)
 ”ایک درہم دو درہموں کے بدلے میں مت بیچو، اور ایک صاع دو صاعوں کے بدلے میں مت بیچو۔“

اس حدیث میں ”درہم“ کا تعلق وزن سے ہے، اور ”صاع“ کا تعلق کیل سے ہے، اور صاع پیمانے کو کہتے ہیں، لیکن یہاں اس سے مراد وہ چیز ہے جو اس پیمانے میں ماپی جاتی ہو، اور جنس کا جنس کے ساتھ مقابلہ بھی ہے، لہذا معلوم ہوا کہ علت ربا قدر + جنس ہے، اور یہی حال اشیائے ستہ والی احادیث کا بھی ہے، کیونکہ ان میں بھی جنس کا مقابلہ جنس کے ساتھ ہے، اور ہر چیز یا موزونات میں سے ہے، اور یا مکملات میں سے ہے۔

”ما وزن مثلاً بمثل اذا كان نوعاً واحداً وما کمل فممثل
 ذلك، فاذا اختلف النوعان فلا بأس به۔“^(۴)

(۱) أخرجه مسلم، کتاب المساقاة، باب الربا۔

(۲) حوالہ بالا

(۳) مجمع الزوائد (۱/۲۴)

(۴) نہل الاوطار، الشوکانی (محمد بن علی بن محمد الشوکانی م ۲۵۵ھ عن ابواب الربا۔

”جو چیز تولی جاتی ہو، تو وہ برابر ہونی چاہئے، اور جو چیز ناپی جاتی ہو، اس کا بھی یہی حکم ہے، البتہ جب دونوں قسمیں مختلف ہو جائیں، تو اس صورت میں (زیادتی میں) کوئی حرج نہیں۔“

قیاس:- بیع مال کے بدلے میں مال دینے سے عبارت ہے، اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں جانب تساوی ہو، یعنی دونوں جانب میں جو مال ہو، کسی مال کا کوئی جز عوض سے خالی نہ ہو، اور ایک دینار مثلاً ایک دینار کا صورت بھی مثل ہے، اور معنی بھی مثل ہے، صورتہ مثلی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دونوں موزونات میں سے ہیں، اور معنی اس لئے مماثلت ہے کہ دونوں ہم جنس ہیں، اب اگر کسی جانب ایک دینار یا نصف دینار کا اضافہ ہو، تو یہ دینار یا نصف دینار عوض سے خالی ہوگا، اور یہی حقیقت رہا ہے۔ اب یہ تماثل صورتہ ومعنی جس مبادلے میں بھی پایا جائے گا، وہاں کسی ایک جانب زیادتی جائز نہ ہوگی، لہذا معلوم ہوا کہ ربا الفضل کی علت قدر جنس ہے۔^(۱)

۲:- زر میں ربا الفضل کی حرمت کی علت ”جنس + غلٹی ثمنیت“ ہے، جس کو ”ثمن جو ہریہ“ یا ”ثمنیت غالبہ“ بھی کہتے ہیں، اس کے قائل حضرت امام شافعی ہیں، اور امام مالک کا مشہور قول بھی یہی ہے۔^(۲)

(۱) بدائع الصنائع (۵/۱۸۳)

(۲) ملاحظہ ہو! السنودی (محی الدین یحیٰ بن شرف النووی) روضة الطالبین (۳/۳۷۸) المکتب الاسلامی، بیروت، طبع سوم ۱۴۰۵ھ۔

”وقال الجمهور: العلة فيهما صلاحية الثمنية الغالبة، وان شئت قلت: جوهريّة الاثمان غالباً، والعبارة ان تسملان التبر والمضروب والحلي والاواني منهما، وفي تعدى الحكم الى الفلوس اذا راجت وجه، والصحيح انه لا ربا فيها، لانقاء الثمنية الغالبة، ولا يتعدى الى غير الفلوس من الحديد والنحاس والرصاص وغيرها قطعاً۔“

نیز ملاحظہ ہو! ابن رشد المالکی (ابو الولید محمد بن احمد القرطبی م ۵۲۰ھ) المقدمات المہدات (۲/۳۵)۔

”واما الذهب والفضة فلم يقس عليهما شيئاً من العروض التي تكال او توزن لان العلة عنده في منع التفاضل في كل واحد هي انهما اثمان للاشياء۔“

اس قول کے مطابق جب خلعتی اور جوہری شمیت ربا الفضل کی علت قرار پائی، تو ظاہر ہے کہ یہ علت شمس خلعتی ہی کے ساتھ محدود رہے گی، اور وہ صرف سونا چاندی یا ان دونوں متعلقات ہیں، لہذا صرف سونا چاندی کے تبادلے میں ربا الفضل حرام ہوگا، فلوس وغیرہ میں ربا جاری ہی نہیں ہوگا۔

ان حضرات کے من جملہ دلائل میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ سونے، چاندی کا مسلم تمام اشیاء میں جائز ہے، حتیٰ کہ موزونات میں بھی جائز ہے، اب اگر علت سونے اور چاندی میں ”وزن“ ہو، تو مسلم میں تو ”تاجیل“ ضروری ہوتی ہے، اب اس کا حاصل ہوگا، کہ یہ موزون کی موزون کے ساتھ ادھار بیع ہے، حالانکہ جب جنس مختلف ہو، لیکن قدر ایک ہو، تو یہاں زیادتی تو جائز ہوتی ہے، لیکن نساء (ادھار) ناجائز ہوتا ہے، تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ سونے چاندی کا مسلم موزونات میں صحیح نہ ہو، حالانکہ اس کے جواز پر سب فقہائے کرام متفق ہیں، معلوم ہوا کہ سونے چاندی میں حرمت ربا کی علت وزن نہیں، بلکہ شمیت ہے۔^(۱)

تردید:- سونے چاندی میں حرمت ربا کی علت ”شمیت غالبہ“ قرار دینا ”علت قاصره“ ہے، یعنی یہ سونے اور چاندی تک منحصر رہتی ہے، اور اس میں تعدی کی صلاحیت نہیں، لہذا منصوص میں تو اس علت کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ منصوص میں حکم نص کی طرف مضاف ہوتا ہے، نہ کہ علت کی طرف، اور فرع کی طرف یہ متعدی نہیں ہوتی، تو اس تعلیل کا فائدہ کیا؟^(۲)

۳:- زر میں حرمت ربا کی علت ”جنس + شمیت مطلقہ“ ہے، یہ مالکیہ کا مذہب^(۳) ہے، اور حنفیہ میں سے امام محمد کا قول بھی ہے۔^(۴)

(۱) مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ (۳۷۱/۲۹)

(۲) احکام الاوراق النقدية والتجارية الجمعیہ (ستر بن ثواب) السعودیۃ، الطائف، مکتبۃ

الصدیق، طبع اول ۱۹۹۳ء (ص ۱۵۰)

(۳) حوالہ بالا (بحوالہ البدونۃ للامام مالک)

(۴) بدائع الصنائع (۵۹/۶)

اس قول کے مطابق ربا الفضل کی علت جب مطلق ثمنیت ہے، تو فلوس اگر رائج ہوں، یا کوئی اور چیز بطور ذر اور ثمن رائج ہو جائے، تو اس میں بھی ربا الفضل جاری ہوگا، یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کے ہاں فلس فلسفین کی بیخ تا جائز ہے، اور یہ سودی معاملہ ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل اگلے صفحات میں ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گی۔^(۱)

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ جب فلوس اپنے وظیفے (Function) کے اعتبار سے دینار اور درہم کی طرح ہو گیا، یعنی جو وظائف درہم اور دینار کے ہیں، وہی وظائف فلوس کے بھی ہو گئے، تو حکم ربا میں بھی فلوس درہم اور دینار کی طرح ہوں گے۔^(۲)

ربا النسیئہ کی علت

یہ ساری تفصیل زر میں ”ربا الفضل“ کی حرمت کی علت سے متعلق تھی، اور جہاں تک زر میں ”ربا النسیئہ“ کی حرمت کی علت کا تعلق ہے، تو وہ بالکل واضح ہے، اور اس میں کسی کا اختلاف بھی نہیں ہے، کیونکہ قرض کے جس معاملے میں کچھ مشروط یا معروف اضافہ جو خالی عن العوض ہوگا پایا جائے، تو وہ معاملہ ناجائز ہوگا۔

بلکہ یہ حقیقت میں یہی علت ربا الفضل کی بھی ہے، لیکن چونکہ وہاں احادیث موجود ہیں، جن میں ربا کو صرف چھ چیزوں میں ذکر کیا ہے، اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ آیا یہ حکم صرف ان چھ چیزوں میں منحصر ہے، یا کہیں اور بھی متعدی ہوگا، اسی وجہ سے علمائے اُمت کی ایک جماعت ایسی بھی ہے، جو ربا الفضل کو صرف انہی اشیاء میں منحصر گردانتی ہے، جیسا کہ آگے اس کی تفصیل آرہی ہے، اور یہی وہ ربا ہے جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ دنیا سے تشریف لے گئے، اور ہمارے لئے ابواب ربا کو واضح نہیں فرمایا، لہذا علمائے اُمت نے ان احادیث میں غور و خوض کر کے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق اس حکم کی علت مستنبط کی، اور اس پر حکم کا مدار رکھا، جس کی تفصیل بیان ہوئی، لیکن ”ربا النسیئہ“ میں

(۱) احکام الاوقاف النقدية، العثماني (المفتی القاضی محمد تقی العثماني) (ص ۱۸)

(۲) بدائع الصنائع (۱۸۵/۵)

کوئی خاص شی کا ذکر نہیں، بلکہ فرمایا ”کل قرض جہر نفعاً فہو ربا“ اس میں آپ نے ایک اصل کلی بیان فرمائی کہ جس قرض میں بھی ”جرِ منفعت“ کی بات پائی جائے، تو وہ ربا ہے، اور حرام ہے، اور اس سے بچنا واجب ہے۔

فائدہ ۱: (حکمِ ربا کی تعدی و قصر):۔

اشیائے ستہ والی حدیث ان اشیاء میں حرمتِ ربا پر صریح نص ہے، اور اُمت ان اشیاء میں حرمتِ ربا پر متفق ہے، لیکن کیا یہ حرمت انہی اشیاءِ منصوبہ میں منحصر ہے، یا دیگر اشیاء میں بھی پائی جاسکتی ہے؟ اس سلسلے میں علماء کی دو جماعتیں ہیں:۔

ایک جماعت ”تعدی“ کی قائل ہے، جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں ذکر کی جا چکی، اور دوسری جماعت ”قصر“ کی قائل ہے، یعنی یہ کہ یہ حکم صرف انہی اشیاءِ ستہ میں منحصر ہے، اور دیگر اشیاء پر یہ حکم لاگو نہیں ہوگا، اس جماعت میں درج ذیل حضرات شامل ہیں:۔

۱۔ طاووس، ۲۔ قتادہ، ۳۔ شعبی، ۴۔ مسروق، ۵۔ عثمان بنی، ۶۔ قاضی ابوبکر الباقلائی، ۷۔ صدیق حسن خان، ۸۔ علامہ ابن حزم اور تمام اہلِ ظاہر۔^(۱)
ان حضرات کے اس موقف کا غشاء یا تو:۔

۱۔ حجیتِ قیاس سے انکار ہے، یا

۲۔ یہ کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے، اور یا

۳۔ یہ کہ پہلی جماعت (معلّمہ) نے استخراجِ علت میں ایک دوسرے سے اختلاف کیا ہے، لہذا اس اختلاف کی وجہ سے ساری علتیں کمزور پڑ گئیں، اور کوئی ایسی قوی

(۱) البغنی لابن قدامہ مع الشرح الکبیر (۱۲۳/۴)

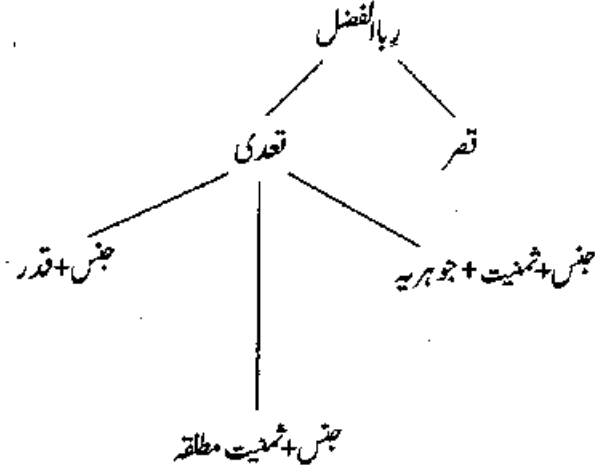
— ابن حزم (ابومحمد علی بن أحمد بن سعید ابن حزم م ۳۵۶ھ) المحلی (۳۶۸/۸)

ادارة الطباعة المنيرية مصر، طبع اول ۱۳۵۰ھ

”ومن قال: ”لاربا الا في الاصناف المذكورة“ طاووس، وقتادة وعثمان بنی، وابو

سليمان وجميع اصحابنا“

دلیل موجود نہیں، جس کی بنیاد پر اس حکم کو متعدی کیا جاسکے۔



فائدہ ۲: (ربا النساء اور ربا النسیئہ میں فرق):-

ربا کے سلسلے میں ہم دو لفظ بکثرت سنتے ہیں:-

۱۔ ربا النساء اور ۲۔ ربا النسیئہ

ان دونوں میں فرق ہے، اور وہ یہ کہ ربا النساء کا تعلق ”بیع“ (Sale) سے ہے، اور

ربا النسیئہ کا تعلق ”قرض“ (Loan) سے ہے۔

اس کی مزید وضاحت یہ ہے کہ اگر:-

۱۔ سونے کا تبادلہ سونے کے ساتھ ہو، یا

۲۔ چاندی کا تبادلہ چاندی کے ساتھ ہو، یا

۳۔ سونے کا تبادلہ چاندی کے ساتھ ہو، یا

۴۔ چاندی کا تبادلہ سونے کے ساتھ ہو،

تو پہلی دو صورتوں میں دو قسم کا ربا پایا جاسکتا ہے، ربا الفضل کہ کسی ایک جانب

زیادتی ہو، اور ربا النساء کہ ایک عوض پر قبضہ ہو، اور دوسرا ادھار ہو، تو یہ ادھار ربا النساء کہلاتا

ہے، اور آخری دو صورتوں میں زیادتی تو جائز ہے، لیکن اُدھار جائز نہیں، یہ ربا النساء ہے۔
 ”بیع صرف“ میں اس کی مزید وضاحت آئے گی، اِنْ شاء اللہ تعالیٰ۔ اور ربا النسیئہ کا تعلق عقد قرض سے ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل گزر گئی۔^(۱)

ثمنیت کسے کہتے ہیں؟

ثمنیت کے معنی کسی شے کے ”ثمن ہونے“ کے ہیں، اور ”ثمن“ کی تعریف درج ذیل ہے:-

”الثمن اسم لما هو عوض من المبيع“^(۲)

”جو کسی بچی ہوئی چیز کا بدل بن سکے، اس کو ثمن کہتے ہیں۔“

”قال لا زهری: قال الليث: ثمن كل شئ قيمته“^(۳)

”ہر شے کا ثمن اس کی قیمت ہے۔“

”والمعروف ان الثمن هو ما جعل عوضا في عقد البیع“^(۴)

”مشہور یہی ہے کہ ثمن وہ چیز ہے جو عقد بیع میں عوض بنے۔“

(۱) جہاد فی رفع بلوی الربا، محمد خاطر محمد الشیخ، (۱۰/۱)

”وعلى هذا يتقسم ربا لبيوع الى قسمين:

۱۔ ربا الفضل: ويتحقق ببيع احد الاصناف----

۲۔ ربا النساء: ويكون في بيع الاموال الربوية بجنسها او بغير جنسها، يتحد معها في

العلة عند تأجيل القبض في احد البئلين الخ“

بحوث في الربا، الامام ابو زهرة، بيروت، دار الفكر العربي، (ص ۶۶)

”فان ذلك يكون ربا ويسمى ربا النساء وليس هو ربا النسيئة الذي يمتناه من قبل“

(۲) کتاب المغرب فی ترتیب المغرب، المطرزی (ابو الفتح ناصر الدین عبد السید بن

علی المطرزی المتوفی ۶۱۶ ھ)، بیروت، دار الکتب العربی۔

(۳) تہذیب الاسماء واللغات، النووی (ابو زکریا محی الدین بن شرف النووی المتوفی

۶۷۶ ھ)، مصر، ادارة الطباعة المنيرية (۳۵/۱)

(۴) تطویر النقود للڈکتور احمد حسن احمد الحسني، ص (۱۳۳)

ان تمام تعریفات کا حاصل یہ ہے کہ عقد بیع (Sale) میں جو شیئ بیع کے مقابلے میں آجائے، وہ ثمن ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ثمن ذکر کا مترادف نہیں، بلکہ ذکر سے عام ہے، یعنی ہر ذکر ثمن ہے، لیکن ہر ثمن ذکر نہیں ہونا ضروری نہیں، مثلاً:-

اگر کوئی شخص اپنا گھر غلام کے مقابلے میں فروخت کرے، تو اس مثال میں غلام ثمن ہے، لیکن غلام ذکر نہیں ہے، جیسا کہ ظاہر ہے، لہذا جن حضرات کے نزدیک ذکر میں علت ربانیت مطلقہ ہے، تو اس سے مراد یا ثمن خلقی ہوگا، یا پھر وہ ثمن ہوگا، جو ذکر جیسا ہو، یعنی لوگ اپنے معاملات میں اس کو ذکر ہی کے طور پر استعمال کرتے ہیں، جیسا کہ فلوس اور کاغذی نوٹ وغیرہ، اس درجے میں ذکر ثمن کا مترادف ہو سکتا ہے۔

تو گویا کہ ثمن کی بھی تین قسمیں ہوں گیں:-

(۱) ثمن خلقی = سونا، چاندی

(۲) ثمن اصطلاحی یا عرفی = فلوس، نوٹ وغیرہ

(۳) ثمن اتفاقی = مثال مذکور میں غلام

باب اول اور باب دوم کی تفصیلات سے معلوم ہوا کہ مال، ذکر، کرنسی اور ثمن میں

فروق موجود ہیں، اور یہ ایک ہی چیز کے مختلف نام نہیں ہیں۔



باب سوم

کرنسی نوٹ اور فلوس (Pices)

نوٹ کسے کہتے ہیں؟

ارتقاء ذریعہ بحث میں یہ تفصیل گزر چکی ہے کہ ۱۰۰۰ روپے میں صرافوں اور ستاروں کی طرف سے جاری شدہ رسیدوں نے ترقی کر کے باقاعدہ نوٹوں کی شکل اختیار کی، اور اس کے بعد اس پر مختلف مراحل گزرتے گئے، تو نوٹ یا بینک نوٹ (Bank Note) درحقیقت مذکورہ رسیدوں کی ترقی یافتہ شکل اور باضابطہ شکل ہے، جو بعد میں ذریعہ قانونی (Legal Tender) قرار پایا، لہذا ہم نوٹ کی تعریف درج ذیل الفاظ میں کر سکتے ہیں:-

”نوٹ حکومت کا ایک عہد نامہ ہے جو بہ حکم اسکے کی طرح واجب القبول بنایا گیا ہے۔“^(۱)

علامہ سید احمد بیگ لکھنوی اپنی کتاب ”بہجۃ المشتاق“ میں نوٹ کے بارے

میں لکھتے ہیں:-

”جب ہم نے لفظ ”بنک نوٹ“ کی ماہیت کے بارے میں تحقیق

کی، تو معلوم ہوا کہ یہ فرانسیسی زبان کی اصطلاح ہے، اور ”لاروس“

جو فرانسیسی زبان کی سب سے بڑی اور مشہور لغت ہے، اس میں بینک

نوٹ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”بنک نوٹ“ ایک کرنسی نوٹ ہے، جس کے حامل کو مطالبے کے وقت اس نوٹ کی حقیقی قیمت دے دی جائے گی، اور یہ نوٹ بالکل اسی طریقے پر رائج ہوتا ہے، البتہ یہ نوٹ مضمون ہوتے ہیں، یعنی اس کے بدل کی ضمانت دی جاتی ہے، تاکہ لوگ اس لین دین پر اعتماد کریں.....^(۱)

یاد رہے کہ نوٹ، بنک نوٹ اور کاغذی زر (Paper Money) ایک ہی چیز ہے، جس کو عربی میں ”الادواق النقدیة“ یا ”النقدود الورقمة“ یا ”الانواط“ کہتے ہیں۔

نوٹوں کی فقہی و شرعی حیثیت (ایک تفصیلی جائزہ)

کرنسی نوٹ کی فقہی تکلیف (فقہی وصف کہ نوٹ فقہی احکام کے لحاظ سے کیا چیز ہے؟) میں مختلف نظریات رہے ہیں، اور اس سلسلے میں علماء و فقہاء کی آراء مختلف ہیں چنانچہ بعض کتابوں میں سات تک اقوال ذکر کئے گئے ہیں، لیکن ہم یہاں صرف ان اقوال کو ذکر کرنے پر اکتفاء کئے دیتے ہیں، جو زیادہ معروف اور مشہور ہیں، اور وہ چار ہیں:-

۱- نوٹ دین (Debt) کی ”سند“ (Certificate) ہے۔

۲- نوٹ ”سامان“ (Goods) ہے۔

۳- نوٹ سونے اور چاندی کا ”بدل“ یا قائم مقام (Substitute) ہے۔

۴- نوٹ بذات خود ”شمن عرفی“ (Customary Price) ہے، اور فلوس کے

حکم میں ہے۔

ان اقوال کی تفصیل، دلائل کی تنقیح، تفریعات کی تشریح اور مناقشہ ذیل میں

ملاحظہ ہوں:-

(۱) بحوالہ کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم (ص ۱۷)

نوٹ کی فقہی حیثیت سے متعلق پہلا نظریہ

گزشتہ صدی کے بیشتر علمائے ہند (جن میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہم اللہ بھی شامل ہیں) کا نوٹ سے متعلق یہ موقف رہا ہے کہ نوٹ دین کی سند ہے، نوٹ نہ مال ہے، نہ سونے اور چاندی کا بدل ہے، اور نہ بذاتِ خود ثمن ہے، بلکہ یہ محض اس دین کی ایک سند (Certificate) ہے، جو حامل نوٹ کے لئے جاری کنندہ کے ذمہ واجب ہے۔^(۱)

دلائل

۱۔ اس موقف پر ایک اہم دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ ہر نوٹ پر یہ وعدہ لکھا ہوا ہوتا ہے کہ اس کے حامل کو بوقتِ مطالبہ اس نوٹ کی حقیقی قیمت ادا کی جائے گی، لہذا یہ وعدہ اس بات کی صاف دلیل ہے کہ نوٹ دین کی سند اور وثیقہ ہے، چنانچہ علامہ سید احمد بک الحسنیٰ نوٹ کی ماہیت اور حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

”فقوہ: “قابلية لدفع قيمتهالدى الاطلاع لحاملهاالخ” لم

يجعل شكافى انها سندات ديون الخ“

”یہ بات کہ اس کے حامل کو مطالبے کے وقت اس نوٹ کی حقیقی

قیمت ادا کر دی جائے گی، بلاشبہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ

(۱) امداد الفتاویٰ، تھانوی (حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ) کراچی، مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۳،

(۵/۲)۔

جدید فقہی مباحث للفتاویٰ (۱۸۱/۲)۔

احکام الاوراق النقدية والتجارية للجمعین (ص ۱۷۶)۔

احکام الاوراق النقدية للعثماني (ص ۱۰)۔

نوٹ قرض کی سند ہے الخ۔^(۱)

۲- ان نوٹوں کا بدل بصورت سونا یا چاندی جاری کنندہ کے خزانے میں ہونا ضروری ہے، جس سے یہ بات واضح ہے کہ ان نوٹوں کی قیمت اسی بدل کی وجہ سے ہے، لہذا نوٹ اس بدل کی سند ہے۔^(۲)

۳- نوٹ کاغذ کا ایک معمولی پُرزہ (Piece) ہے، پھر ایک پُرزہ زیادہ قیمت کا ہے، اور دوسرا کم قیمت کا ہے، مثلاً ۱۰۰ کا نوٹ اور ۵۰ کا نوٹ، حالانکہ ذاتاً دونوں کاغذ برابر ہیں، لیکن قیمت میں فرق ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اصل چیز بدل ہی ہے۔

۴- اگر ان نوٹوں کے ذریعے تعامل (Custom) ختم ہو جائے، تو حکومت اس کا ضمان ادا کرتی ہے، یہ بھی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ اس دین کی سند ہے۔^(۳)

تفریعات (یعنی اس قول پر جو فرعی اور فقہی مسائل مرتب ہوتے ہیں)

اس قول پر جو فقہی مسائل متفرع ہوتے ہیں، ان میں سے بعض مشہور مسائل

درج ذیل ہیں:-

۱- بیع سلم میں نوٹ راس المال نہیں بن سکتا، کیونکہ نوٹ پر قبضہ ثمن پر قبضہ نہیں، بلکہ اس کی سند پر قبضہ ہے، تو گویا کہ راس المال (Capital) پر قبضہ نہیں پایا گیا، حالانکہ بیع سلم میں راس المال پر قبضہ ضروری ہے، ورنہ ”بیع الکالئی با کالئی“ (اُدھار کی بیع اُدھار کے ساتھ) ہو جائے گی، جو شرعاً ممنوع ہے۔

(۱) بلوغ الامانی علی الفقہ الربانی، الساعاتی (احمد عبد الرحمن الہنا) مصر، مطبعة الفقہ الربانی، طبع اول، ۱۳۵۶ھ (۲۳۸/۲)

(۲) الفتاوی السعدیة، السعدی (الشیخ عبد الرحمن الناصر السعدی) السعودیہ، الرياض، مكتبة المعارف، طبع دوم، ۱۹۸۲ء (ص ۳۲۳)

(۳) احکام الاوراق النقدیة والتجاریة للمعین (۱۷۶) (۳) کما هو مصرح به فی جمیع کتب

۲- نوٹ کے ذریعے سونے یا چاندی کا معاملہ درست نہیں ہوگا، کیونکہ یہ بیع صرف ہوگی، اور بیع صرف میں دونوں عوضوں پر قبضہ کرنا ضروری ہے، حالانکہ یہاں نوٹوں پر قبضہ درحقیقت سونے یا چاندی کی رسید پر قبضہ ہے، اور سونا یا چاندی اُدھار ہے، تو عوضین پر قبضہ نہیں پایا گیا۔^(۱)

۳- فقیر کو محض نوٹ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں گی۔^(۲)

۴- نوٹوں کے ذریعے معاملہ ”حوالہ“ ہے، جو ”تعاطی“ (کسی خاص لفظ کے بغیر لین دین کرنا) کے طریقے سے درست ہے، یعنی زید عمر کو نوٹ دے کر اس سے کتاب خریدتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ زید عمر کو نوٹ دے کر گویا یہ کہہ رہا ہے کہ میرے ذمہ تمہارا جو دین ہے، اس کی یہ سند ہے، اور تم بجائے مجھ سے اس کے جاری کنندہ سے وصول کرو، اور یہی حوالہ ہے۔^(۳)

۵- نوٹ کا تبادلہ نوٹ سے درست نہیں ہوگا، اگرچہ مختلف الجنس ہوں، کیونکہ یہ بیع الکالئی بالکالئی (اُدھار کا اُدھار کے ساتھ بیع) ہے، جو ممنوع ہے۔

مناقشہ

اس موقف سے احکام شرعیہ اور مختلف معاملات (Transactions) میں جو مشقت اور حرج لازم آتا ہے، وہ بالکل ظاہر ہے، کیونکہ نوٹوں کے ذریعے مذکورہ بالا جیسے سارے معاملات معطل ہو جائیں گے، حالانکہ حرج شریعت میں بھروسہ قرآن و سنت مدفوع اور مدفوع ہے، چنانچہ محقق عبدالرحمن السعدی صاحب اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں:-

”لایخفی ان جمیع اقطار الدنیا الا لفرار السیر کل

معاملاتهم فی هذه الاوراق التي تسمى الانواط، فلو حکم

(۱) احکام الاوراق النقدية للعثماني (ص ۱۰)

(۲) امداد الفتاویٰ (۵/۲)

(۳) بهجة المشتاق بحوالہ احکام الاوراق النقدية للجمہد-

لها بالحكام السندات والديون لتعطلت المعاملات في
الوقت الذي تقتضي الاحوال وظروفها ان يخفف فيه غاية
التخفيف“

”تمام دُنیا کے معاملات انہی نوٹوں کے ذریعے انجام پاتے ہیں،
لہذا اگر یہ کہا جائے کہ یہ نوٹ دین کی سندات ہیں، تو تمام معاملات
معطل ہو جائیں، حالانکہ حالات کا تقاضا یہ ہے کہ معاملات میں
بہت ہی تخفیف ہو جائے۔“^(۱)

جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:-

”فيه حرج عظيم والمعهود من الشريعة السهولة في مثله
السعة والسهولة الخ۔“

”اس میں عظیم اور ناقابلِ برداشت حرج ہے، حالانکہ شریعتِ مطہرہ
کا مزاج ان جیسے حالات میں گنجائش اور وسعت کرنے کا ہے۔“^(۲)

نیز اس تنگی کو لوگ قبول تو کریں گے نہیں، تو حرام معاملات کا ارتکاب کریں
گے، اور نوٹ کا سند دین ہونا کسی نصِ صریحِ قطعی سے ثابت تو ہے نہیں، جس میں کوئی اور
احتمال نہ ہو، لہذا بہتر یہی ہے کہ نوٹ کو سند دین نہ قرار دیا جائے، تاکہ لوگ ارتکابِ حرام
سے محفوظ ہوں۔

کرنسی نوٹ پر جو وعدہ لکھا ہوا ہوتا ہے، جس کی تفصیل گزر چکی، یہ شروع میں تو
ذمہ دار تھا، لیکن اب یہ بے معنی ہے، اب جاری کنندہ اس بات کا کوئی پابند نہیں کہ نوٹ کے
حامل (Holder) کو سونا یا چاندی دیدے، بلکہ کاغذی نوٹ کی پشت پر کوئی سونا یا چاندی
ہے ہی نہیں، بلکہ اس وعدہ اور ضمانت کا صرف اتنا فائدہ ہے کہ جاری کنندہ حامل کو بوقتِ

(۱) الفتاویٰ السعدیة (ص ۱۸۳)

(۲) احکام الادواق النقديۃ للعثماني (ص ۱۶)

مطالبہ کر سکے یا دوسرے نوٹ دے دیتا ہے، یا کوئی سامان دے دیتا ہے، جیسا کہ جیوفرے گراؤتھر (Geoffry Growther) لکھتے ہیں:-

"The promise to pay which appears on their face is now utterly meaningless. Not even in amounts of 1700 cannot now be converted into gold. The note is no more than a piece of paper, for no intrinsic value whatever, and if were presented for redemption, the Bank of England could honour its only by giving silver coins or another notes, but it is accepted as money throughout the British Isles."

”کرنسی نوٹوں پر جو یہ عبارت لکھی ہوئی ہوتی ہے کہ حاملِ ہذا کو مطالبے پر ادا کرے گا، اب اس عبارت کا کوئی مقصد اور معنی باقی نہیں رہے، اس لئے اب موجودہ دور میں کرنسی نوٹوں کی کسی بھی مقدار کو سونے میں تبدیل کرانے کی کوئی صورت نہیں، چاہے ان نوٹوں کی مقدار سترہ سو پونڈ یا اس سے زیادہ کیوں نہ ہو، اب موجودہ دور میں یہ کرنسی نوٹ ایک کاغذ کا پڑزہ ہے، جس کی ذاتی کوئی قیمت نہیں، اور اگر کوئی شخص اس پونڈ کو بنک آف انگلینڈ میں پیش کرے، تو بنک یا تو علاقہ میں سکے دے دے گا، یا سکے بجائے دوسرے نوٹ پکڑا دے گا، لیکن کاغذی پونڈ برطانیہ کے تمام جزائر میں زر کے طور پر رائج ہیں۔“^(۱)

خلاصہ یہ کہ یہ ”وعدہ“ (Promise) نوٹ کی ثمنیت کو باطل نہیں کرتا، بلکہ اس کو مزید تقویت بخشتا ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے نوٹ کے ساتھ لین دین کے سلسلے میں لوگوں کا اعتماد بڑھ جاتا ہے۔

لہذا یہ موقف نہایت کمزور اور موجبِ حرج ہے، بلکہ ناقابلِ عمل ہے، اس لئے

(۱) بحوالہ کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم (ص ۲۵)۔

آج کل کے حالات میں اس کو اختیار نہیں کیا جاسکتا۔

نوٹ کی شرعی حیثیت سے متعلق دوسرا نظریہ

نوٹ مال اور سامان (Goods) ہے، کیونکہ لین دین اور سارے معاملات نفس کاغذی سے متعلق ہوتے ہیں، اور کاغذ مال متقوم (قیمت والا) ہے، جس کی قدر و قیمت عرف و رواج کی وجہ سے بڑھ گئی، جیسے ہیرے، جواہرات کہ انتہائی قیمتی ہوتے ہیں، لیکن ان کی حیثیت مال اور سامان کی ہوتی ہے۔

ہندوستانی علمائے کرام میں علمائے رام پور اور جناب احمد رضا خان صاحب بریلوی کی بھی یہی رائے ہے، اور یہی شیخ عبدالرحمن بن سعدی کے نزدیک راجح معلوم ہوتی ہے۔^(۱)

احمد رضا خان صاحب بریلوی کا اس موضوع پر باقاعدہ رسالہ ہے، جس کا نام ہے ”کفل الفقہ الغامم فی احکام القراطس والدراہم“ اس میں انہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ نوٹ مال اور سامان ہے، سندیدین یا خود شمن نہیں، چنانچہ فرمایا:-

”اما اصله فمعلوم انه قطعة كاغذ والكاغذ مال متقوم وما زادت هذه السكة الارغبة للناس اليه وزيادة في صلوح ادخله للحاجات، وهذا معنى المال اى ما يميل اليه الطبع ويمكن ادخله للحاجة الخ“

”اس کی (نوٹ) اصل تو معلوم ہے کہ وہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے، اور کاغذ مال متقوم ہے، اور اس کے سکے ہونے نے اس کی طرف رغبتیں بڑھائیں، اور یہ کہ وقت حاجت کے لئے اٹھار کھنے اور ذخیرہ

کرنے کا زیادہ لائق ہو گیا، اور مال کے یہی معنی ہیں، کہ طبع اس کی طرف مائل اور رغبت ہو، اور زمانہ مستقبل کی ضرورتوں کے لئے اس کو ذخیرہ کیا جاسکے۔^(۱)

دلائل

۱۔ عروض (سامان) کی چٹنی تعریفات ہوئی ہیں، وہ سب کاغذی نوٹ پر صادق آتی ہیں، مثلاً:-

”العرض هو كل ماعدا العين والطعام من الاشياء كلها“
”سونے چاندی اور طعام کے علاوہ تمام اشیاء سامان میں داخل ہیں۔“

”هو ماسوى النقد“

”جو نقد کے علاوہ ہو، وہ سامان ہے۔“

”هو كل ملا زكوة في عينه“

”سامان ہر وہ چیز ہے، جس کی ذات میں زکوٰۃ واجب نہ ہو۔“

”هو ماعدا الحيوان والطعام والنقد“

”سامان حیوان، طعام اور نقد کے علاوہ ہر چیز کو کہتے ہیں۔“^(۲)

۲۔ جب نوٹ کے بدلے میں کوئی چیز خریدی جائے، تو عقد اسی نوٹ پر واقع سمجھا جاتا ہے، سونے یا چاندی پر واقع نہیں سمجھا جاتا، اور اس نوٹ کی قیمت مقرر ہوتی ہے، تاکہ لوگ اس میں رغبت کا اظہار کریں، یہ نوٹ اپنی ذات کے اعتبار سے سونے چاندی

(۱) كفل الفقہ الغامہ فی احكام القرطاس والدرہم، بریلوی (مولوی احمد رضا خان

بریلوی) لاہور، شبیر برڈز، اردو بازار لاہور، (ص ۱۳)

(۲) شرح الصنوی للشیخ محمد ابراہیم المبارک، بحوالہ احكام الاوراق النقدية

والتجارية للجمعید (ص ۱۹۰)

سے بالکل مختلف ہے، یہ ایک محض ایک کاغذ ہے، اگرچہ ٹخن بننے میں سونے چاندی کی طرح ہے، اور سونے چاندی کے موافق ہے، لیکن اس موافقت سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کو سونے یا چاندی کا حکم دیا جائے، دیکھئے موتی یا ہیرا اگر قیمت میں سونے چاندی کے برابر یا اس سے زائد ہو جائے، تو کیا موتی یا ہیرے کو سونے یا چاندی کا حکم دیا جائے گا؟ نہیں، ہرگز نہیں، اسی طرح نوٹ کا معاملہ بھی ہے۔^(۱)

۳۔ نوٹ نہ مکملات میں سے ہے، اور نہ موزونات میں سے، اور اس کی کوئی ایسی جنس بھی نہیں، جس پر نوٹ کو قیاس کیا جائے۔

۴۔ فقہائے کرام نے یہ قاعدہ ذکر کیا ہے کہ نئے واقعات کو مشابہ ترین (Most Similar) منصوص علیہ شیء کے ساتھ ملایا جائے گا، اور اسی کا حکم ان واقعات جدیدہ کو دیا جائے گا، اس قاعدہ کا تقاضا بھی یہ ہے کہ نوٹ کو سامان کے ساتھ ملایا جائے، کیونکہ سامان اس کو کہتے ہیں کہ جو نہ کیلی ہو، اور نہ دوزنی، نہ حیوان ہو، اور نہ زمین۔^(۲)

۵۔ ان نوٹوں کی حکومت اگر ختم ہو جائے، تو ان نوٹوں کی کچھ قیمت باقی نہیں رہتی، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ بذاتہ خود نقد (زر) نہیں، گو وقتی طور پر زر (Money) قرار دیا گیا ہے، تاکہ لوگوں کی رفتیں بڑھ جائیں، بخلاف سونے چاندی کے کہ اس میں یہ بات نہیں، وہ بہر حال نقد ہی ہے، لہذا سونے چاندی پر نوٹوں کو قیاس کرنا اور ان کے احکام ان کو دینا قیاس مع الفارق ہے۔^(۳)

تفریعات

۱۔ اس موقف پر جو سب سے اہم اور خطرناک مسئلہ متفرع ہوتا ہے وہ یہ کہ کاغذی نوٹ اموال ربویہ میں سے نہیں، لہذا نوٹوں میں رہا افضل جائز ہوگا، مثلاً زید

(۱) الفتاوی السعدیة (ص ۳۱۸)

(۲) جریڈۃ البلاد السعودیۃ العدد ۲۹۱۷/۲۲/۶۸/۳ھ

(۳) الفتاوی السعدیة (ص ۳۲۰)

عمر و کے ہاتھ ایک ہزار روپے آٹھ سو روپے میں فروخت کر سکتا ہے، البتہ ربا النسیئہ نوٹوں میں ان کے ہاں بھی ناجائز ہے، کیونکہ وہ ”کل قرض جر نفعا فهو ربا“ کے کلیہ میں داخل ہے۔

چنانچہ احمد رضا خان صاحب بریلوی ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:-

”نعم يجوز بيعه بازيد من رقبه وبانقص منه كيفما تراضيا
الخ“

”ہاں نوٹ پر جتنی رقم لکھی ہوئی ہے، اس سے زائد یا کم پر اس کا بیچنا جائز ہے، جبکہ باہمی رضا مندی سے ہو۔“^(۱)
اور فتاویٰ سجدیہ میں مذکور ہے:-

”فتمین انها سلم یثبت لها مایثبت لسانر السلم من زیادة
ونقصان وجواز بیم بعضها ببعض متماثلا او متفاضلا من
جنس او اجناس الخ“

”تو یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ نوٹ سامان ہے، دوسرے سامان کی طرح اس میں بھی کمی بیشی جائز ہوگی خواہ دونوں نوٹ ہم جنس ہوں یا مختلف الجنس ہوں۔“

اور شیخ سلیمان الحمد ان اپنے ایک فتویٰ میں فرماتے ہیں:-

”اذا علم هذا فلا مانع من بيم الورق على اختلاف انواعه و
مسمياته من الريالات او الدنانير او الجنيهات باحد
النقدین الذهب والفضة متفاضلاً او نساء ولادخل للربا
فی شئ من ذلك لان الورق ليس من الاموال الربوية

ولان الربا مختص بالمکملات والموزونات والورق ليس
بمکمل ولا موزون۔“

”.....نوٹوں کے تبادلے میں ربا کا کوئی دخل نہیں، کیونکہ نوٹ

اموال ربویہ میں سے نہیں، اور اس لئے بھی کہ ربا خاص ہے مکملات

اور موزونات کے ساتھ اور نوٹ نہ مکمل ہے، اور نہ موزون۔“ (۱)

۲-نوٹوں میں اگر تجارت کی نیت نہ ہو، تو زکوٰۃ واجب نہیں۔ (۲)

۳-نوٹوں کے ذریعے مضاربت جائز نہیں، کیونکہ مضاربت میں مال کا ذرا ہم یا

ذنا میر ہونا ضروری ہے، یا نقد کا ہونا ضروری ہے، جبکہ نوٹ نقد نہیں، بلکہ عروض ہے۔

مناقشہ

پہلی بات تو یہ کہ نوٹوں میں اس موقف کے مطابق ربا الفضل یا ربا النساء جاری
نہیں ہوگا، اور یہ بہت ہی خطرناک بات ہے، کیونکہ اس ربا کا دروازہ کھل جائے گا، اور اس
موقف کے مطابق ربا نوٹوں میں اس لئے جاری نہیں ہوتا کہ نوٹ عروض ہیں، نہ مکملات
میں سے ہیں، اور نہ موزونات میں سے ہیں، اور نہ ان میں شمنیت ہے، لہذا ربا الفضل کی
کوئی علت بھی نوٹ میں موجود نہیں۔

موقف ثانی کی دلائل میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ عروض کی تعریفات نوٹوں
پر صادق آتی ہیں، حالانکہ یہ بات غلط ہے، کیونکہ یہ تعریفات فقہائے کرام نے خاص خاص
مقامات کی مناسبت سے ذکر کی ہیں، یہ عام تعریفات نہیں، مثلاً زکوٰۃ کے باب میں زکوٰۃ
حیوان کو ذکر کیا، زکوٰۃ ارض کو ذکر کیا، زکوٰۃ سیم و زر کو ذکر کیا، پھر عروض کی باری آئی، تو مقام

(۱) جریڈۃ البلاد السعودیۃ العدد ۲۹۱ (۲۲/۶/۱۳۸۱ھ)

_____ المعاملات المالیۃ المعاصرۃ فی الفقہ الاسلامی، الدكتور عثمان شبیر،

بیروت، دار النفاذ، طبع سوم ۱۴۱۹ھ

(۲) حوالہ بالا۔

کی مناسبت سے اس کی ایسی تعریف کی، جو اس مقام کے ساتھ مناسب تھی، جیسا کہ کتب مالکیہ میں میں ہے:-

”المراد بالعرض هنا مقابل الذهب والفضة“

”عرض سے یہاں مراد وہ چیز ہے، جو سونے چاندی کے مقابلے میں

ہو۔“ (۱)

دلائل میں یہ کہنا کہ جب جب نوٹوں کی حکومت ختم ہو جاتی ہے، تو ان کی قیمت ختم ہو جاتی ہے، جو تعریف میں ”یہاں“ کی قید لگا کر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ ”عرض“ کی یہ تعریف صرف یہاں کے خاص ہے، یہ کوئی عام تعریف نہیں۔

زوالِ ثمنیت کی دلیل ہے، تو اس کے بارے میں عرض یہ ہے کہ ہماری گفتگو نوٹوں کے بارے میں اس وقت ہے، جب ان کی قیمت برقرار ہو، تو اس وقت یہ دیکھنا ہے کہ ان کی فقہی حیثیت کیا ہے؟ اور جب ان کی قیمت ہی نہ رہے تو یہ صورت ہماری بحث سے خارج ہے۔

نوٹوں کی شرعی حیثیت سے متعلق تیسرا نظریہ

تیسرا موقف نوٹوں سے متعلق یہ ہے کہ نوٹ سونے چاندی کا قائم مقام ہے، یعنی نہ تو ان کی حیثیت محض سندِ دین کی ہے، اور نہ یہ عرض ہے، اور ان میں بذاتِ خود ثمنیت ہے، لیکن چونکہ عرف و رواج کی وجہ سے کاغذی نوٹ اصلِ ثمن (سونے چاندی) کے قائم مقام اور اس کا بدل (Substitute) ہے، لہذا جو احکام اصل اور ”مبدل“ کے ہوں گے، وہ احکام نوٹوں میں بھی جاری ہوں گے۔

مولانا محمد عبدالحی صاحب لکھنوی کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اس

(۱) الغرضی علی سیدی خلیل، الغرضی (محمد الغرضی المالکی) بیروت، دارالصادر

نظرے کے قائل ہیں، اور ان کے نزدیک نوٹ ختم تو ہے، لیکن اس پر احکام سونے چاندی کے لاگو ہوں گے، نہ کہ فلوس کے، نوٹ کے بارے میں ایک جگہ وہ فرماتے ہیں:-

”پس پیسے (فلوس) اگرچہ عرفاً ختم ہیں، مگر عین ختم خلقی نہیں سمجھے گئے ہیں، بخلاف نوٹ کے کہ یہ عین ختم خلقی ہے، گو شمیت خلقیہ نہیں، بلکہ شمیت عرفیہ ہو، پس تفاضل بیچ فلوس میں جائز ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ نوٹ میں بھی جائز ہو، کیونکہ پیسے غیر جنس ختم ہیں، حقیقت بھی اور عرفاً بھی، گو بوجہ اصطلاح اور عرف کے اس میں کئی شمیت کی صفت آگئی ہو، پس جبکہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں عین ختم خلقی سمجھا گیا، باب تفاضل میں اسی بناء پر حکم دیا جائے گا، اور تفاضل اس میں حرام ہوگا۔“^(۱)

شیخ احمد البنانوٹ کے سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں:-

”فالذی ارادہ حقاً وادین اللہ علیہ ان حکم الورق المالئ کحکم التقدین تماماً سواء بسواء لانه یتعامل بہ کالتقدین تماماً، ولان مالکہ یمکنہ صرفہ فی قضاء مصالحہ بہ فی ای وقت شاء فمن ملک النصاب من الورق المالئ ومکث عنده حولاً كاملاً وجبت علیه زکاة باعتبار الفضة الخ“

”جس کو میں حق سمجھتا ہوں، وہ یہ کہ کاغذی نوٹ بالکل برابر سراسر سونا چاندی کے حکم میں ہے، کیونکہ نوٹ کے ذریعے سونا چاندی کی طرح معاملہ ہوتا ہے، اور نیز نوٹ کے مالک کے لئے ممکن ہے کہ وہ نوٹ

(۱) مجموعۃ الفتاویٰ، لکھنوی (مولانا عبدالحی) کراچی، ایچ ایم سعید، پاکستان چوک

سے اپنی ضروریات جس وقت چاہے، پوری کر سکتا ہے، لہذا جو نوٹ
میں سے نصاب کا مالک ہو، اور اس نصاب پر پورا سال گزر جائے تو
ایسے شخص پر چاندی کے حساب سے زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔“ (۱)
اسلامی فقہ اکیڈمی جدہ کی اس سلسلے میں جو قرارداد ہے، اس کے الفاظ درج ہیں:-
”وبعد الاطلاع على قرار المجمع رقم ۹ فى الدورة الثالثة
بان العملات الورقية تقود اعتبارية فيها صفة ثمنية كاملة،
ولها الاحكام الشرعية المقررة للذهب والفضة من حيث
احكام الربا والزكاة والسائر احكامها۔“
”پیپر کرنسی زکوٰۃ اعتباری ہے، جس میں کامل ثمنیت ہے، سو، زکوٰۃ، سلم
اور دیگر احکام جو سونے چاندی کے ہیں، وہ احکام نوٹ کے بھی
ہیں۔“ (۲)

دلائل

۱- اس پر اتفاق ہے کہ نوٹ تمام معاملات میں سونے چاندی کا بدیل ہے، اور
اس کا مقام ہے، اور تمام معاملات میں نوٹ نے سونے چاندی کا مقام لیا، تو لامحالہ احکام
میں بھی نوٹ سونے چاندی کی طرح ہوگا، خاص طور پر جبکہ مشہور اصولی قاعدہ ہے کہ:
”البدل له حکم المبدل“ یعنی بدل احکام میں مبدل کی طرح ہوگا، یہاں مبدل سونا اور
چاندی ہے، اور بدل کاغذی نوٹ ہے۔

۲- احکام شرعیہ میں اعتبار معانی اور مقاصد کا ہے، معروف اصولی قاعدہ ہے:

(۱) الفتح الربانی

(۲) مجلة مجمع الفقه الاسلامي، الدورة الخامسة، العدد الخامس، الجزء الثالث، ۱۴۰۹ھ،

(ص ۲۲۶)

”الامور بمقاصدھا“ یعنی تمام امور کا دار و مدار مقاصد پر ہے، الفاظ اور ظاہری شکلوں پر نہیں، تو نوٹ کی وضع سے مقصد شہیت ہے، لہذا مقاصد کے اعتبار سے نوٹ سونے اور چاندی کی طرح ہوگا۔^(۱)

تفریحات

۱- نوٹ تمام احکام شرعیہ میں جب سونے چاندی کی طرح ہو گیا، اور سونے چاندی کا مقام نوٹ کو نیابتاً حاصل ہو گیا، تو نوٹ کے دبی احکام ہوں گے، جو سونے چاندی کے ہیں، اور وہ معروف ہیں، لہذا:-

الف:- نوٹ پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

ب:- نوٹ کے ذریعے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

ج:- نوٹ میں ربا کی تمام اقسام جاری ہوں گی، یعنی ربا الفضل، ربا المنسیء اور ربا النساء نوٹ میں حرام ہوں گے، لیکن اس نظریے کے اعتبار سے اس کا مطلب یہ ہے کہ دو نوٹوں کا تقاضاً تبادلہ اس وقت ناجائز ہوگا، جبکہ ان دونوں نوٹوں کا مبدل اور اصل سونا ہے، یا چاندی ہے، اس صورت میں چونکہ یہ دونوں نوٹ متحد الجنس ہوں گے، اس لئے ان کا تقاضاً بیع درست نہ ہوگی، لیکن اگر دونوں ایسے ہوں کہ ان میں سے ایک کا مبدل اور اصل سونا ہے، اور دوسرے کا چاندی ہے، تو اس صورت میں ان دونوں کا تقاضاً بیع درست ہوگی، کیونکہ یہ دونوں نوٹ مختلف الجنس ہیں، البتہ جائزین سے قبضہ جس کو ”تقابض“ کہتے ہیں، ضروری ہوگا، کیونکہ یہ بیع صرف ہے، جس میں تقابض ضروری ہوتا ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل آگے مستقل بحث کی شکل میں آئے گی۔

د:- بیع صرف اپنی شرائط کے ساتھ نوٹ میں جائز ہوگی۔

مناقشہ

معاملات میں نوٹ کا سونے اور چاندی کی طرح رواج پانے سے لازم نہیں آتا کہ یہ کہا جائے کہ اصل سونا چاندی ہے، اور نوٹ نائب ہے، لہذا دونوں کے احکام ایک ہوں گے، کیونکہ اس میں یہ احتمال بھی ہے، نوٹ کو مستقل شن کی حیثیت حاصل ہو، جیسا کہ فلوس کو یہ حیثیت حاصل ہے، حالانکہ فلوس بھی سونا چاندی کی طرح رواج میں رہے ہیں، لہذا یہ وجہ نہایت کمزور ہے۔

نیز جب ان نوٹوں کی پشت پر سرے سے سونا یا چاندی موجود ہی نہیں، تو زکوٰۃ یا سود کے مسائل میں یہ فیصلہ کس طرح ہوگا کہ اس نوٹ کا مبدل اور اصل سونا ہے، اور اس کا چاندی ہے، اس صورت میں یہ فیصلہ بہت مشکل ہوگا، اور ان مسائل میں لوگ حرج عظیم میں مبتلا ہو جائیں گے، حالانکہ حرج دین اسلام کے مزاج کے پکسر خلاف ہے، اور قرآن اور حدیث نے اس کی نفی کی ہے۔

نوٹ کی شرعی حیثیت سے متعلق چوتھا نظریہ

نوٹ کی شرعی حیثیت سے متعلق چوتھا موقف یہ ہے کہ نوٹ بذات خود شن عربی ہے، اور احکام میں فلوس کی طرح ہے، یعنی نوٹ نہ سند دین ہے، نہ عروض ہے، اور نہ سونے چاندی کا بدیل ہے، بلکہ خود شن ہے، اور احکام شرعیہ میں فلوس کی طرح ہے۔

اکثر علماء اسی نظریے کے قائل ہیں، اور یہی نظریہ ہمارے نزدیک رائج ہے، اس لئے ہم اس کو قدر زیادہ تفصیل کے ساتھ اور مفصل حوالہ جات کے ساتھ بیان کریں گے، چند مشہور اور معروف علمائے عرب و عجم کی عبارات ملاحظہ فرمائیے:-

۱- شیخ عبداللہ بن سلمان جو دارالافتاء ریاض کے رکن ہیں، فرماتے ہیں:-

”هذه النظرية ترى ان الاوراق النقدية كالفلوس في

طروا الثمنیة علیہا فما ثبت للفلوس من احکام الربا
والزکاة والسلم تثبت للاوراق النقدیة مثلہا وقد قال بھذہ
النظریة مجموعۃ کبیرۃ من افاضل العلماء و یعتبر القائل
بہا فی الجملة وسطا بین القائلین بالنظریۃ السندیۃ
والقائلین بالنظریۃ العرضیۃ، ولا شک انہ اقرب الاقوال
الی الاصابۃ فی نظرنا۔“ (النقد الورقی ص ۸۳)

”اس نظریے کا حاصل یہ ہے کہ نوٹ ٹمن طاری ہونے میں فلوس کی
طرح ہیں، سو ربا، زکوٰۃ اور سلم کے جو احکام فلوس میں جاری ہوتے
ہیں، وہ احکام نوٹوں میں بھی جاری ہوں گے، اس نظریے کا قائل
فاضل علماء کی ایک بڑی جماعت ہے، اور اس نظریے کا قائل دو
نظریوں یعنی یہ نظریہ کہ نوٹ سند ہے، اور یہ نظریہ کہ نوٹ عرض ہے،
کے درمیان فیصل اور ثالث ہے، (یا اس نظریے کا قائل مذکورہ دو
نظریوں کے قائلین کے درمیان میں ہے، یعنی یہ نظریہ اعتدال پر مبنی
ہے۔) اور بلاشبہ یہ نظریہ ہماری نظر میں حق اور درستگی کے زیادہ
قریب ہے۔“ (۱)

خط کشیدہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نے اس نظریے کی کتنی بڑ زور تائید
فرمائی کہ:-

الف:- اس قول کو علمائے افاضل کی ایک بڑی جماعت کی طرف منسوب کیا۔

ب:- اس قول کے قائل کو ”وسط“ کہا۔

ج:- اس قول کو حق کے زیادہ قریب کہا۔

شیخ احمد خطیب اس سلسلے میں فرماتے ہیں:-

”فتبین بجمیع ذلك ان النوت کا لفلوس التحاسية فی
جمیع احکامها ظاهراً وباطناً (اقتناء النفوس بالحق النوت
بالفلوس ص ۳۸)

”ان تمام (دلائل) سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نوٹ ظاہر و باطناً تمام
احکام میں تانبے سے بنے ہوئے فلوس کی طرح ہے۔“^(۱)
شیخ عبداللہ بن بسام فرماتے ہیں:-

”لأنها ليست ذهباً ولا فضة وإنما هي اثمان تتغير كما
تغير القروش بالكساد والروایہ وتقریر
الحکومت۔۔۔ فان كان الورق بالقروش اشیہ وبہ اولی
فلا حسن ان تلحق به وان تعطی حکمه وحکم القروش
معروف الخ (الورق النقدي ص ۸۱)^(۲)

”کیونکہ یہ (نوٹ) سونا اور چاندی نہیں، یہ تو اثمان ہیں، ان میں
”کساد، رواج“ اور حکومتوں کے انقلابات سے اس طرح تغیر واقع
ہوتا ہے جس طرح نیکل کے سکے بدلتے ہیں، پس اگر نوٹ نیکل کے
سکوں کے زیادہ مشابہ ہیں، اور ان کے زیادہ قریب ہیں، تو پھر بہتر
یہی ہے کہ ان کو ان ہی کے ساتھ ملایا جائے، اور ان کو ان ہی کا حکم دیا
جائے، اور نیکل کے سکوں کا حکم معروف ہے۔“^(۳)

سعودیہ عربیہ کے علمائے کبار کی مجلس نے نوٹوں کے سلسلے میں اکثریت کے ساتھ
جو قرار داد منظور کی، وہ درج ذیل ہے:-

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) بحوالہ: جدید فقہی مباحث للقاہی جلد دوم۔

(۳) ایضاً۔

”ان الورق النقدي يعتبر نقداً قائماً بذاته كقيام النقدية في الذهب والفضة وغيرها من الاثمان وانه اجناس تتعدد بتعدد جهات الاصدار بمعنى ان الورق النقدي السعودي جنس وان الورق النقدي الامريكي جنس وهكذا كل كل عملة ورقية جنس مستقل بذاته الخ“

”نوٹ بذات خود زر ہے، جیسا کہ سونا چاندی اور دیگر اثمان ہیں، اور یہ کہ نوٹ کی جنس جاری کنندہ کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوتی ہے، (یعنی دو نوٹ اس وقت مختلف جنس شمار ہوں گے، جب ہر نوٹ کا جاری کنندہ الگ الگ ہو۔) مطلب یہ کہ سعودی نوٹ (ریال) الگ جنس ہے، امریکی نوٹ (ڈالر) الگ جنس ہے، اور اسی طرح ہر کاغذی کرنسی مستقل جنس ہے۔“^(۱)

جس مفتی محمد تقی عثمانی فرماتے ہیں:-

”فانضمم بنا ذكرنا ان النقود الورقية لم تبق الآن سندات لديون في تخريجها الفقهي، وانما صارت اثماناً رمزية يعبر عنها الفقهاء بكلمة الفلوس الناقصة، فان الفلوس الناقصة تكون قيمتها الاسمية اضعاف قيمتها الذاتية فكذلك الاوراق النقدية تكون قيمتها الاسمية اضعاف قيمتها الذاتية وجرت بها التعامل العام فيما بين الناس دون ايما فرق بينها وبين الفلوس الناقصة الخ“

”ہماری بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کاغذی نوٹ اب دیون کی سندات نہ رہے، اب تو یہ علامتی اثمان بن گئے، جن سے فقہائے

(۱) ایضاً ہیئتہ کبار العلماء بالملکۃ العربیۃ السعودیۃ، طبع اول ۱۴۰۹ھ (۱۹۸۸ء)

کرام ”فلوس نافقہ“ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں، کیونکہ فلوس نافقہ کی ظاہری قیمت اس کی ذاتی قیمت سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے، چنانچہ کاغذی نوٹ کا یہی حال ہے، کہ ان کی ظاہری قیمت ان کی ذاتی قیمت سے کئی گنا زیادہ ہے، اور ان نوٹوں کے ذریعے لوگوں کے درمیان تعامل جاری ہے، اور تعامل کے لحاظ سے ان میں اور فلوس میں کوئی فرق نہیں۔“^(۱)

ڈاکٹر محمد سلیمان الاشرار اس بابت فرماتے ہیں:-

”القول الثالث انها عملة نقدية قائمة بذاتها تعامل معاملة الذهب والفضة الا انها شئ آخر ليست هي الذهب وليست هي الفضة وليست هي قائمة مقام الذهب ولا الفضة، بل هي اجناس اخرى بحسب الدول المصدرة لها، فالدنانير الكويتية جنس والدنانير العراقية جنس ثان والدولارات الامريكية جنس ثالث وهكذا۔ ودليل هذا القول دليل واحد وهو القياس على الذهب والفضة بهما مع الثمنية، وهذا القول هو السائد الآن في الاوساط الاسلامية الملتزمة بالشريعة۔۔۔ وقد درج عليه غالبية المسلمين الملتزمين في التعامل۔۔۔ وصدرت الفتاوى من كثير من المفتين بهذا القول وصدرت قرارات من بعض المجامع الفقهية بموجبه الخ“

”(نوٹوں کے سلسلے میں) تیسرا قول یہ ہے کہ یہ بذاتِ خود ایک کرنسی زَر ہے، جس کے ساتھ سونے چاندی جیسا معاملہ کیا جاتا ہے، مگر

مختلف چیز ہے، نہ یہ سونا ہے، نہ چاندی ہے، اور نہ سونے چاندی کا قائم مقام ہے، بلکہ یہ (نوٹ) جاری کنندہ ممالک کے پیش نظر بالکل مختلف اجناس ہیں، کویتی وینار ایک جنس ہے، عراقی وینار جنس دہانی ہے، امریکی ڈالر جنس ثالث ہے، اور اسی طرح دوسری کرنسیوں کا حال ہے۔ اور اس قول کی دلیل ایک ہی ہے، اور وہ یہ کہ نوٹوں کو سونے چاندی پر علت ”ضمنیت“ کی وجہ سے قیاس کیا جاتا ہے۔ اب ان ممالک میں جہاں شریعت کی پابندی کی جاتی ہے، اسی قول کو درست سمجھا جاتا ہے، اور اکثر مسلمان اسی کے مطابق باہمی معاملات چلاتے ہیں، بہت سارے مفتیان کرام نے اسی قول کے مطابق فتوے جاری کئے، اور بعض فقہی اکیڈمیوں سے اس کے موافق قراردادیں پاس ہوئی ہیں۔“ (۱)

ڈاکٹر اشقر کی یہ عبارت اس موقف پر نہایت صاف، واضح اور بے غبار ہے، اور اس میں بہت باتیں اہم ہیں، جن کا مختصر تجزیہ درج ہے:-

۱- نوٹ بذات خود کرنسی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ نوٹ سند ذین نہیں، اور نہ ہی عروض ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

۲- جس کے ساتھ سونے چاندی جیسا معاملہ کیا جاتا ہے، مگر مختلف چیز ہے، نہ یہ سونا ہے، نہ چاندی ہے، اور نہ سونے چاندی کا قائم مقام ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ نوٹ تعامل میں سونے چاندی کی طرح ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ تعامل کی وجہ سے نوٹ سونے چاندی کا مقام قرار دیا جائے، اور سونے چاندی کا بدیل قرار دیا جائے، اور احکام میں اس کو سونے چاندی کا تابع بنایا جائے، جیسا کہ تیسرے

(۱) مجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی، الدورة الخامسة، العدد الخامس، الجزء الثالث، ۱۴۰۹ھ

نظر یہ والوں نے کیا ہے۔

۳۔ اور اس قول کی دلیل ایک ہی ہے، اور وہ یہ کہ نوٹوں کو سونے چاندی پر علت ”شمیت“ کی وجہ سے قیاس کیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سونا چاندی ”مقیس علیہ“ ہے، نوٹ ”مقیس“ ہے، اور ”شمیت“ علت ہے۔

۴۔ اب ان ممالک میں جہاں شریعت کی پابندی کی جاتی ہے، اسی قول کو درست سمجھا جاتا ہے، اور اکثر مسلمان اسی کے مطابق باہمی معاملات چلاتے ہیں، بہت سارے مفتیان کرام نے اسی قول کے مطابق فتوے جاری کئے، اور بعض فقہی اکیڈمیوں سے اس کے موافق قراردادیں پاس ہوئی ہیں۔ اس عبارت میں مختلف طریقوں سے اس قول کی ترجیح ذکر ہے کہ:-

الف:- اکثر ممالک میں یہ قول درست سمجھا جاتا ہے۔

ب:- اکثر ممالک میں اس کے مطابق تعامل جاری ہے۔

ج:- بہت سارے مفتیان کرام نے اسی قول کے مطابق فتوے جاری کئے۔

د:- بعض فقہی اکیڈمیوں سے اس کے موافق قراردادیں پاس ہوئی ہیں۔

دلائل

دلیل اول:- نوٹ قانونی کرنسی (Legal Tender) بن گیا ہے، اور معاملات میں نوٹ قبول کرنے پر اس طرح لوگوں کو مجبور کیا جاتا ہے، جس طرح دوسرے عرفی اثمان کو قبول کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے، حالانکہ اگر دیکھا جائے تو دوسری مالی دستاویزات کی قبولیت پر لوگوں کو مجبور نہیں کیا جاتا، مثلاً اگر کسی نے دوسرے شخص کو قرضہ دیا، یا کسی نے دوسرے شخص کے ہاتھ کوئی بچہ، اور وہ مقروض یا خریدنے والا اس کو نوٹ دیتا ہے، تو اس صورت میں اس کے لئے انکار کی گنجائش نہیں، لیکن اگر وہ اس کو نوٹ کے بجائے چیک پکڑاتا ہے، تو وہ چیک قبول کرنے سے قانوناً انکار کر سکتا ہے، نیز یہ بھی یاد رہے کہ کرنسی

نوٹ غیر محدود قانونی کرنسی (Unlimited Legal Tender) ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی۔

دلیل دوم:- ”سندِ دین“ قانوناً ہر کوئی جاری کر سکتا ہے، مثلاً مدیون دائن کے لئے کوئی رقعہ تحریر کرے، جیسا کہ معاملات میں ہوتا رہتا ہے، لیکن نوٹ جاری کرنے کا اختیار قانوناً ہر کسی کو حاصل نہیں۔

دلیل سوم:- اگر دیکھا جائے تو نوٹ پر ہر جگہ اور ہر عرف میں ”شمن“ اور ”زر“ کا اطلاق بولا جاتا ہے، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ نوٹ سندِ دین یا عروض نہیں، اور نہ ہی سونے چاندی کا بدیل ہے۔

دلیل چہارم:- دیکھئے! سکوں میں کاروبار جاری ہے، اور لوگ سکوں کے ذریعے باہمی معاملات چلا رہے ہیں، اور یہ نہیں دیکھتے کہ ان کی پشت پر سونا یا چاندی ہے، یا نہیں، یہی حال بعد آج کل نوٹوں کا ہے، کہ لوگوں کے معاملات میں نوٹ چل رہے ہیں، اور تعامل میں نوٹ جاری ہیں، لیکن کسی کا سونا یا چاندی کی طرف ذہن ہی نہیں جاتا، اس صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے نوٹ کو سونے چاندی کی سند، یا عروض یا سونے چاندی کا بدیل کس طرح کہیں گے؟

دلیل پنجم:- سونے چاندی کے ارتقاء (Evolution) پر جو مراحل گزرے ہیں، اس میں یہ بات ہم نے ذکر کی ہے کہ اب کچھ عرصے سے ان نوٹوں کی پشت سونے اور چاندی سے بالکل خالی ہو گئی، اور نوٹ کو سونے چاندی کا کوئی سہارا حاصل نہیں، اس حال میں نوٹ سونا یا چاندی کی کس طرح سند ہوگی، یا کس طرح بدیل ہوگا؟ اس سلسلے میں جیوفرے گراؤتھر (Geoffrey Growther) کی عبارت پیچھے گزر چکی ہے۔

دلیل ششم:- یہ بات تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے کہ نوٹ کو سندِ دین یا عروض قرار دینے کی صورت میں کئی مقاصد لازم آتے ہیں، اور یہاں کا دروازہ کھل سکتا ہے، نیز اس سے ”سد الذرائع“ کے قاعدے میں جو شریعت کا بہت اہم قاعدہ ہے، خلل پڑ سکتا ہے،

کیونکہ اگر نوٹ کو عروض قرار دے کر اس میں ربا الفضل کو جائز قرار دیا جائے، تو لوگ اس کا بصورت بیع (Sale) کاروبار شروع کریں گے، اور ربا الفضل کا بازار گرم ہو جائے گا، کیونکہ ہمارے ہاں سونا چاندی تو ہے نہیں، یہی نوٹ سب کچھ ہے۔

دلیل ہفتم:- نوٹ کو سند دین یا عروض قرار دینے کی صورت میں لوگ معاملات کے سلسلے میں مختلف مشاكل اور مسائل میں واقع ہو جائیں گے، اور معاملات میں حرج و مشقت پیش آجائے گی، تفصیل گزر چکی ہے، اور حرج شریعت اسلامیہ میں مرفوع اور مدفوع ہے، جبکہ نوٹ کو بذات خود دشمن قرار دینے میں اس قسم کی کوئی خرابی نہیں، اور نہ ہی کوئی حرج ہے۔

دلیل ہشتم:- باب اول میں ”زر“ کی جو تعریف (Definition) بیان ہو چکی ہے، وہ مکمل طریقے سے نوٹ پر صادق ہے، لہذا نوٹ کو زرنہ کہنا خلاف انصاف ہے۔
دلیل نہم:- باب اول میں زر کے جو وظائف (Functions) بیان ہو چکے ہیں، زر وہ تمام وظائف بحسن و خوبی انجام دیتے ہیں، پھر کیوں نوٹ کو زرنہ کہا جائے؟^(۱)

نوٹ کی فقہی حیثیت میں قول راجح

انہی دلائل اور وجوہات کی بناء پر نوٹ کی شرعی حیثیت کے بارے میں راجح قول

یہی ہے کہ:-

(۱) احکام الاوراق النقدية والتجارية في الفقه الاسلامي للمجمع عن الورق النقدي لابن

منيع (ص ۱۳)

_____ مجلة البحوث الإسلامية، العدد الاول من المجلد الاول (ص ۲۰۵)

_____ فقه الزكاة للقرضاوى (۱/۲۷۱)

_____ المعاملات المالية المعاصرة في الفقه الاسلامي

_____ جديد فقہی مباحث

_____ احکام الاوراق النقدية للعثماني

نوٹ بذاتِ شمن ہے، اس پر سونے چاندی کی طرح شمن کے احکام جاری ہوں گے، بس اتنا فرق ہے کہ سونا چاندی شمنِ خلقی ہے، اور نوٹ شمنِ عرفی ہے، نوٹ نہ سندِ دین ہے، نہ عروض ہے، اور نہ سونے چاندی کا بدیل (Substitute) ہے۔

وجوہ ترجیح

وجوہ ترجیح اختصار کے ساتھ ذیل میں ملاحظہ ہوں!

- ۱- نوٹ پر زّر کی ذکر کردہ تعریفات مکمل طور پر صادق آتی ہیں۔
- ۲- زّر کے جو شرعی اور اقتصادی وظائف ہیں، وہ نوٹ بحسن و خوبی سرانجام دیتا ہے۔
- ۳- نوٹ کو زّر اور بذاتِ خود شمن قرار دینے سے زکوٰۃ، سلم، مشارکہ، مضاربہ وغیرہ معاملات میں نہایت سہولت پیدا ہو جاتی ہے۔
- ۴- نوٹ کو زّر اور شمن قرار دینے سے سود کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، اور شریعت کے اہم اصل ”سد الذرائع“ پر عمل ہو جاتا ہے۔
- ۵- نوٹ کی پشت پر سونا چاندی نہیں ہیں۔
- ۶- ہر علاقے اور ہر عرف میں نوٹ پر زّر کا اطلاق ہوتا ہے۔
- ۷- نوٹوں کے ساتھ تعامل کے وقت کسی کا ذہن سونے یا چاندی کی طرف نہیں جاتا۔

۸- نوٹ کو قانونی طور پر کرنسی کا درجہ دیا گیا ہے۔

۹- نوٹ کے اجراء کا حق ہر کسی کو حاصل نہیں، بلکہ صرف مرکزی بینک ہی اس کا مجاز ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جمہور علمائے اُمت نے اسی قول کو اختیار کیا، اور اسی کو ترجیح دی، اور احکام شرعیہ میں اسی قول کے مطابق فتاویٰ صادر کرتے ہیں، جیسا کہ تفصیل کے ساتھ

ان کی اصل عبارات بمع اردو ترجمے کے ذکر ہوئیں۔^(۱)

تنبیہ

اگر دیکھا جائے، تو ان حضرات کی بات بھی درست ہے، جو نوٹ کو سند دین قرار دے رہے ہیں، لیکن یہ بات اس وقت درست تسلیم کی جاسکتی تھی، جب اس کی پشت پر سونایا چاندی تھی، لہذا جس زمانے میں نوٹ کی پشت سونے چاندی سے خالی نہیں تھی، اس وقت اگر کوئی نوٹ کو سند دین کہتا، تو اس کی بات درست تھی، لیکن جب اس کی پشت سونے چاندی سے خالی ہوگئی، تو اب اس کو سونے چاندی کی سند کہنے کی کوئی معقول اور وزنی وجہ اور دلیل موجود نہیں۔

یہ قاعدہ شرعیہ مُسَلَّم ہے کہ زمانے میں تغیر (Changing) واقع ہونے کی وجہ سے غیر منصوص احکام شرعیہ میں تغیر واقع ہو سکتا ہے، جس کے شریعت میں بہت نظائر ہیں، یہاں ان کو ذکر کرنا مناسب نہیں، انہی میں سے نوٹ کا مسئلہ بھی قرار دیا جاسکتا ہے، کہ اُس وقت یہ سند تھا، اور بعد میں بذات خود شمن بن گیا، تو آراء میں اختلاف، زمانے میں اختلاف کی وجہ سے ہوا۔

(۱) اضافی حوالہ جات:- المعاملات المالية المعاصرة "الراجع مذهب الیہ الفريق الثالث من ان النقود الورقية تقوم مقام النقود الذهبية والقضية فی التعامل، وتأخذ صفة الثمنية لان العرف العام الیہ" (ص ۱۹۱)

جدید فقہی مباحث میں مذکور ہے: "حاصل کلام یہ کہ کاغذی نوٹ فلوس کی طرح ائمان مروجہ ہیں، لہذا جو احکام فلوس کے ہوں گے، وہی اس کے بھی ہوں گے، اگرچہ الخ" (۲/۱۸۵)

اسلام و جدید معیشت و تجارت میں ہے: "صحیح نقطہ نظر یہ ہے کہ نوٹ رسید نہیں بلکہ خود مال ہیں، سونے چاندی کی طرح حقیقی نہیں بلکہ شمنی حقیقی ہیں الخ" (ص ۱۰۶)۔

کذا فی اقتصادیات النقود فی اطار الفکر الاسلامی، متولی (ابوبکر الصدیق عمر) قاہرہ، مکتبہ وہبہ، طبع اول ۱۴۰۳ھ۔

فائدہ

نوٹ سے متعلق مذکور چار نظریوں میں سے نظریہ سند اور نظریہ عروض بالکل الگ اور ممتاز ہیں، ایک دوسرے سے بھی ممتاز ہیں اور آخری دونوں سے بھی ممتاز ہیں، البتہ آخری دونوں پہلے دونوں سے تو ممتاز ہیں، لیکن باہم ملتے جلتے ہیں، جس کی وجہ سے اشتباہ (Confusion) میں واقع ہونے کا اندیشہ ہے، تو خوب سمجھنا چاہئے کہ یہ دونوں نظریے اس بات پر متفق ہیں کہ نوٹ سند ذین یا عروض نہیں، بلکہ ثمن ہے، ثمنیت پر ان کا اتفاق ہے، لیکن فرق یہ ہے کہ نظریہ سوم کی رو سے نوٹ بذاتہ خود ثمن نہیں، بلکہ سونے چاندی کا بدیل (Substitute) ہے، اس وجہ سے ہم اس کو ثمن کہتے ہیں، لہذا اس کے احکام اڈل سے آخر وہی ہوں گے جو سونے چاندی کے ہیں، یہاں تک کہ اس نظریہ کی رو سے نوٹوں کا تبادلہ صرف ہو سکتا ہے، جبکہ نظریہ چہارم کی رو سے نوٹ بذاتہ خود ثمن ہے، یہ کسی شے کا قائم مقام نہیں، البتہ ثمن ہونے کی وجہ سے اس کے احکام سونے چاندی کے ہوں گے، لیکن خلقت اور عرف کا فرق ہوگا، نوٹ ثمن عرفی ہے، اس لئے فلوس کی طرح ہوں گے، اور ان کا تبادلہ صرف نہیں ہوگا، اور سونا چاندی ثمن خلقی ہے، اس لئے ان میں صرف ہو سکتا ہے، اس لئے زکوٰۃ کے مسئلے کی تخریج میں بھی دونوں موقفوں میں فرق ہے، جس کی تفصیل گزر گئی۔

فلوس (Pices) کی حقیقت

فلوس ”فلس“ کی جمع ہے، فلس پیسہ کے معنی میں ہے، اسی سے ”افلاس“ اور ”تفلیس“ مشتق (Drived) ہے، افلاس کے معنی غربت کے ہیں، اور تفلیس کے معنی ہیں: حاکم کا کسی کو مفلس قرار دینا۔^(۱)

اور اصطلاح میں فلوس تانبے کے ان ڈھلے ہوئے ٹکڑوں (Pieces) کو کہتے

(۱) لسان العرب، ابن المنظور متوفی ۷۱۱ھ، بیروت، دار احیاء التراث العربی، طبع

ہیں، جو لوگوں میں سکون کی طرح رائج ہوں، اس کو ”فلوس نافذہ“ یا ”فلوس رائجہ“ بھی کہتے ہیں۔^(۱)

فلوس کے ارتقائی مراحل کا خلاصہ

۱- زمانہ جاہلیت، یعنی اسلام سے قبل اور ظہور اسلام کے بعد ایک عرصہ تک لوگ فلوس کی جگہ انڈے، یا گندم وغیرہ استعمال کرتے تھے، اور انڈے یا گندم یا کوئی بھی غلہ تعامل استعمال ہوتا تھا۔

۲- اس کے بعد لوگوں نے تانبے کے ٹکڑے استعمال کرنے لگے، لیکن یہ ٹکڑے ڈھلے ہوئے نہیں ہوتے تھے۔

۳- اس کے بعد فلوس باقاعدہ ڈھلنے لگے، اور ان کو ایک قانونی شکل دی گئی، ہر فلس کی ایک جانب اس وقت کے بادشاہ کا نام اور لقب کندہ ہوتا تھا، اور دوسری جانب متعلقہ ملک کا نام درج ہوتا تھا، نیز جس سن میں سک ڈھلا ہے، وہ سن درج ہوتا تھا، یہاں سے باقاعدہ فلوس کا آغاز ہوا۔

۸۱۷ھ میں ملک ظاہر برقوق کے زمانے میں فلوس کا بہت زیادہ رواج ہو گیا، اور

(۱) الفقه الاسلامی وادلتہ، الزحیلی (الدکتور وہبہ الزحیلی) دمشق، دارالفکر، طبع اول ۱۴۰۴ھ

”الفلوس جمع فلس، وهو قطعة من النحاس كان يتعامل بها الخ“ (۸۰۹/۳)۔

_____ اقرب الموارد، الشرتونی (علامہ سعید الخوری الشرتونی) لبنان، دارالاسواق للطباعة النشر، طبع اول ۱۳۷۴ھ۔

”الفلس قطعة مضروبة من النحاس يتعامل بها وهي من المسكوكات القديمة (۱۹۷/۳)۔

_____ شرح منہ العلیل (علامہ محمد علیش

”فلوس بضم الفاء جمع فلس بفتحها وسكون اللام، ای النحاس المسكوك الذي يتعامل به“ (۵۳۴/۳)۔

کذا فی دائرة معارف القرآن، وجدی، (محمد فرید وجدی) مطبعة دائرة معارف القرآن ۱۳۵۷ھ (۳۰۳/۷)۔

فلوس میں رواج اور تعامل اس حد تک بڑھنے لگا کہ قریب تھا کہ درہم کا وجود ہی ختم ہو جاتا، بعض روایات میں ہے کہ اس وقت کے امیر نے بہت بڑی تعداد میں فلوس ڈھالے، اور ذراہم میں تعامل کو معطل کر دیا۔

فلوس میں تعامل وزنا بھی ہوتا تھا، اور عدداً بھی، بعد میں فلوس عددی اشیاء میں شمار ہونے لگے، چنانچہ احکام شرعیہ میں فلوس کا عددی ہونے کے لحاظ سے اعتبار ہے۔^(۱)

فلوس کے ثمن ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف فقہاء

”زر“ کے استعمال اور اس کے اطلاق کے سلسلے میں باب اول میں تین موقفوں کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا تھا، وہاں یہ بات ذکر ہوئی تھی کہ بعض فقہائے کرامؒ کے ہاں زر کے اطلاق کا دائرہ بہت وسیع ہے، اور ان کے ہاں زر یا ثمن کا اطلاق ”فلوس“ پر بھی ہوتا ہے، یہیں سے فلوس کے ثمن ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف فقہاء کا آغاز ہو جاتا ہے، کہ بعض حضرات فلوس کو ثمن اور زر کہتے ہیں، جبکہ دیگر حضرات فلوس کو زر یا ثمن نہیں کہتے، ہم یہاں قدرے تفصیل سے ان اقوال کو معادلہ اور تفریعات کے ذکر کرتے ہیں۔

فقہائے کرامؒ کی عبارات کے تتبع اور استقراء سے اور ان پر غور کرنے سے اس سلسلے میں تین اقوال سامنے آتے ہیں، جو درج ذیل ہیں:-

۱- حضرات حنفیہ میں سے امام محمدؒ، محمد بن الفضلؒ، علامہ سرخسیؒ، علامہ حلوانیؒ، حضرات مالکیہ، علامہ ابن تیمیہؒ، اور علامہ ابن القیمؒ، ان حضرات کا قول یہ ہے کہ فلوس اثمان ہیں۔

۲- حضرات حنفیہ میں سے امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ کے ہاں فلوس کو ثمنیت لازم نہیں اور متعین کرنے سے متعین ہوتے ہیں، اور حضرات شافعیہ کا قول یہ ہے کہ فلوس اثمان نہیں۔

(۱) تطویر النقود فی إطار الفکر الاسلامی، الحسنی (الدکتور احمد حسن احمد الحسنی)

۳۔ حضراتِ تنابہ کی اس سلسلے میں دو روایتیں ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ فلوس اثمان ہیں، یہی امام احمد بن حنبلؒ سے منصوص قول ہے، اور یہی ان کے ہاں رائج ہے، اور دوسری روایت بعض تنابہ علماء کی ہے، اور وہ یہ کہ فلوس اثمان نہیں ہیں، گویا کہ تنابہ ایک روایت میں فریقِ اول کے ساتھ ہیں، اور دوسری روایت کے مطابق فریقِ ثانی کے ساتھ ہیں۔

فریقِ اول:- امام محمدؒ کا مذکورہ موقف ان احکام سے معلوم ہوتا ہے، جو رہا، سلم، مشارکہ اور مضاربہ کے ضمن میں فقہائے کرامؒ نے بیان کئے ہیں، مثلاً ”ربا“ (Interest) کے مسئلے میں علامہ کا سائیؒ فرماتے ہیں:-

”ويجوز بيع المعدودات المتقاربة من غير المطعومات
بجنسها متفاضلاً عند أبي حنيفة وأبي يوسف بعد أن
يكون يداً بيد كبير الفلاس بالفلسين بأعيانهما، وعند
محمد لا يجوز۔ وجه قوله، إن الفلوس اثمان فلا يجوز
بيعها بجنسها متفاضلاً كالدرهم والدنانير، ودلالة الوصف
عبارة عما تقدر به مالية الأعيان ومالية الأعيان كما تقدر
بالدرهم والدنانير تقدر بالفلوس فكانت اثماناً، ولهذا
كانت اثماناً عند مقابلتها بخلاف جنسها، وعند مقابلتها
بجنسها حالة المساواة، وإن كانت ثمناً فالثمن لا يتعين
وإن عين كالدرهم والدنانير فالتحقق التعين فيهما
بالعدم فكان بيع الفلاس بالفلسين بغير أعيانهما، وإذا
لا يجوز، ولأنها إذا كانت اثماناً فالواحد يقابل الواحد
فبقي الآخر فضل مال لا يقابله عوض في عقد المعاوضة

وهذا تفسير الربا الخ^(۱)

”کھانے جانے والی اشیاء کے علاوہ جو اشیاء ”معدودات متقاربه“ میں سے ہوں، ان کی بیع بکھنسا زیادت کے ساتھ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے، لیکن اس میں یہ ضروری ہے کہ ہاتھ در ہاتھ ہو، جیسا کہ ایک فلس کے مقابلے میں دو فلسوں کی بیع جائز ہے، جبکہ یہ دونوں معین جنوں، اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ جائز نہیں۔ امام محمدؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ فلس اثمان ہیں، لہذا ذرا ہم اور ذنا نیر کی طرح ان کی بیع بکھنسا زیادتی کے ساتھ جائز نہیں، اور وصف (ضمنیت) کی دلیل یہ ہے کہ جس چیز سے اشیاء کی مالیت کا اندازہ کیا جاتا ہے، اور اشیاء کی مالیت کا اندازہ جس طرح ذرا ہم اور ذنا نیر کے ساتھ کیا جاتا ہے، اس طرح فلس کے ساتھ بھی کیا جاتا ہے، لہذا فلس اثمان ہوں گے، اور یہی وجہ ہے کہ فلس کا مقابلہ جب غیر جنس کے ساتھ ہو، یا جنس کے ساتھ ہو، لیکن دونوں طرف ساوی ہوں، تو فلس کو اثمان قرار دیا جاتا ہے، اور جب جب فلس

(۱) بدائع الصنائع، الکاسنی (الامام العلامة علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسنی)

کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی، طبع اول ۱۲۲۸ھ

مراجع اضافیہ:

البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ابن نعيم (الشیخ العلامة زین الدین بن ابراہیم متوفی

۹۷۰ھ) بیروت، دارالکتب العلمیہ، طبع اول ۱۴۱۸ھ (۲۱۹/۶)

فتح القدير شرح الهدایة، ابن الھمام (کمال الدین محمد بن عبد الواحد المعروف بابن

الھمام) کوئٹہ، المكتبة الرشیدیہ، کوئٹہ پاکستان، (۲۰۸/۶)

الفتاویٰ العالمگیریہ، جماعة من العلماء الکبار، کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ، طبع دوم، ۱۴۰۲ھ

۲۲۳/۳۔

اثمان ہیں، تو ثمن تعین سے متعین نہیں ہوتے، جیسا کہ ذرا ہم اور
ذنایر کا معاملہ ہے، لہذا ان میں ”تعین“ کا عدم ہوگئی، تو اب یہ سمجھا
جائے گا، کہ یہاں غیر معین فلس کی غیر معین فلسین کے ساتھ بیع ہوئی،
اور یہ جائز نہیں، اور اسی لئے بھی کہ جب یہ اثمان ہیں، تو ایک فلس
ایک فلس کے مقابلے میں آجائے گا، اور ایک فلس عوض سے خالی رہ
جائے گا، اور یہی ربا کی تفسیر ہے۔“

علامہ کاسانیؒ کی یہ عبارت کئی مفید نکات پر مشتمل ہے:-

۱- اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام محمدؒ کے نزدیک فلس کی بیع فلسین کے
ساتھ ناجائز ہے۔

۲- عدم جواز کی وجہ ان کے نزدیک فلس کا ثمن ہونا ہے۔

۳- ثمن کے فلس ہونے کی دلیل فلس کے وظائف ہیں، چونکہ فلس کے
وظائف وہی ہیں جو ذرا ہم و ذنایر کے ہیں، اس لئے فلس وصفِ شہیت کے ساتھ متصف
ہوں گے۔

۴- فلس کے ثمن ہونے کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ جب بیع میں ایک طرف
فلس ہوں، اور دوسری طرف مثلاً غلام ہو، یا جب ایک فلس کا مقابلہ ایک فلس کے ساتھ ہو،
تو ان صورتوں میں بالاتفاق فلس کو ثمن قرار دیا جاتا ہے، لہذا فلس فلسین کی صورت میں بھی
فلس اثمان ہوں گے۔

۵- اور جب فلس اثمان ہو گئے، تو ثمن تعین سے متعین نہیں ہوتے، لہذا فلس
میں عاقدین یعنی بائع اور مشتری کی تعین کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، اور عدم تعین کے وصف میں
فلس ذرا ہم و دینار کی طرح ہوں گے۔

۶- اب یہ سمجھا جائے گا کہ ایک فلس ایک فلس کے مقابلے میں آگیا، اور ایک

فلس عوض سے خالی رہ گیا، اور یہی تو ربا کی تعریف اور تفسیر ہے، لہذا فلس کی بیع بفلسین ناجائز ہوگی۔

۷۔ البتہ بیع فلس بفلسین کی صورت میں چونکہ جنس ایک ہے، اس لئے علتِ قاصرہ کے تحقق کی وجہ سے ”نساء“ بالاتفاق ناجائز ہوگا۔

شرکت اور مضاربہ کے بارے میں علامہ کاسائی فرماتے ہیں:-

”واما الفلوس فان كانت كاسدة فلا تجوز الشركة ولا المضاربة بها، لانها عروض، وان كانت نافقة فكذلك في الرواية المشهورة عن ابي حنيفة وابي يوسف وعند محمد تجوز۔ والكلام فيها مبني على اصل وهو ان الفلوس الرائجة ليست اثمانا على كل حال عند ابي حنيفة وابي يوسف لانها تتعين بالتعيين في الجملة وتصير مبہما باصطلاح العقدين، وعند محمد الثمنية لازمة للفلوس النافقة فكانت من الاثمان المطلقة، لهذا ابي جواز بيع الواحد منهما باثنین، فتصير رأس مال الشركة كسائر الاثمان المطلقة الخ“ (۱)

”فلوس اگر کھوٹے ہوں (یعنی رواج میں نہ ہوں)، تو ان میں شرکت اور مضاربہ جائز نہیں، کیونکہ یہ عروض ہیں، اور اگر کھرے ہوں، (یعنی رواج میں ہوں) بھی امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان شرکت جائز نہیں، اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے۔ فلوس میں یہ بحث ایک اور اصل پر مبنی (Based) ہے، اور وہ یہ کہ فلوس رائج ہر حال میں اثمان نہیں، کیونکہ یہ کسی نہ کسی درجے میں

تعمین سے متعین ہو جاتے ہیں، اور عاقدین کے کی اصطلاح سے
فلوس مبیع بھی بنتے ہیں، اور امام محمدؒ کے نزدیک فلوس نافقہ کو وصفِ
عمیہ لازم ہے، لہذا فلوس اثمان مطلقہ میں سے ہیں، اسی وجہ سے
امام محمدؒ ایک فلس کی بیع دو کے مقابلے میں جائز قرار نہیں دیتے ہیں،
لہذا شرکت میں فلوس دوسرے اثمان مطلقہ کی طرح کارڈس المال
(Capital) بننا درست ہوگا۔“

جاننا چاہئے کہ شرکت اور مضاربہ میں شرعی اصول یہ ہے کہ ان دونوں میں
رأس المال کا نقد ہونا ضروری ہے، سامان رأس المال نہیں بن سکتا، اسی اصول کی بناء پر
امام محمدؒ کے نزدیک فلوس کے ساتھ شرکت اور مضاربہ درست ہیں، جبکہ امام ابو حنیفہؒ اور
امام ابو یوسفؒ کے نزدیک درست نہیں۔

علامہ کاسانیؒ نے ”فی الروایۃ المشہورۃ عن ابی حنیفۃ وابی یوسف“
کہا، کیونکہ اس سلسلے میں ان حضرات سے ایک غیر مشہور روایت بھی مروی ہے، جس کے
مطابق ان کے ہاں بھی فلوس میں شرکت اور مضاربہ درست ہیں، چنانچہ تنویر
الابصار متن الدر المختار میں ہے:-

”ولا تصح مفاوضة وعنان بغير النقدين والفلوس النافقة

الخ“

”اور شرکت مفاوضہ اور شرکت عنان سونے، چاندی اور فلوس کے

بغیر درست نہیں۔“^(۱)

اس عبارت سے صاف طور پر یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ فلوس کے ساتھ بھی

(۱) تنویر الابصار متن الدر المختار، التمر تاشی (محمد بن عبد اللہ بن احمد الخطیب

التمر تاشی الغزی المتوفی ۹۳۹) بیروت، دار احیاء التراث العربی، طبع اول ۱۳۱۹ھ

شرکت درست ہے، اور اس حکم میں مضاربیت شرکت کی طرح ہے، لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ مشہور اور صحیح روایت وہی ہے کہ فلوس میں ان کے نزدیک شرکت اور مضاربیت درست نہیں۔

ازالہ وہم

امام محمدؒ کی مشہور کتاب ”کتاب الاصل“ میں یہ مذکور ہے کہ فلوس میں امام محمدؒ کے نزدیک ”سلم“ درست ہے، جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس مسئلے میں امام محمدؒ نے فلوس کے سلسلے میں اپنا موقف ترک کر دیا، تب ہی تو فلوس میں سلم کو جائز قرار دیا، کیونکہ سلم کے صحیح ہونے کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ ”مسلم فیہ“ (مبیع) ایسی شئی ہو، جو متعین کرنے سے متعین ہوتی ہو، یہی وجہ ہے کہ درہم و دینار میں بیع سلم درست نہیں، کیونکہ درہم و دینار متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے، تو جب امام محمدؒ نے فلوس میں بیع سلم کو جائز قرار دیا، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے فلوس میں وصف غمینیت کو باطل کیا، اور فلوس کو یہاں عروض میں شمار کیا، چنانچہ مشہور کتاب فقہ ”تحفۃ الفقہاء“ میں مذکور ہے:-

”واما السلم فی الفلوس فقد ذکر فی ”الاصل“ وقال : انه

يجوز“

”فلوس میں سلم کے بارے میں امام محمدؒ نے ”الاصل“ میں فرمایا کہ یہ

جائز ہے۔“^(۱)

لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ کتاب الاصل میں ذکر کردہ یہ موقف درحقیقت امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا ہے، اور امام محمدؒ نے یہاں اپنا موقف ذکر نہیں کیا ہے، لہذا اس سے اس وہم میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے کہ امام محمدؒ نے اس مسئلے میں اپنا موقف تبدیل کیا ہے، جیسا کہ صاحب تحفہ نے مذکورہ عبارت ذکر کر کے فرمایا:-

(۱) تحفۃ الفقہاء، السمرقندی، (علامہ علاء الدین المتوفی ۵۳۹ھ)، دمشق، مطبعۃ

”ویجب ان یکون ذلک علی قول ابی حنیفہ وابی

یوسف۔۔۔ وعلی قول محمد لا یجوز“

”یہ ضروری ہے کہ یہ مسئلہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے قول پر مبنی ہو، اور امام محمدؒ کے قول کے مطابق یہ معاملہ درست نہیں۔“ (۱)

چنانچہ علامہ کاسانیؒ مسلم کے بارے میں صاف انداز میں لکھتے ہیں:-

”واما السلم فی القلوس عددا فجائز عند ابی حنیفہ وابی

یوسف وعند محمد لا یجوز بناء علی ان القلوس اثمان

عندہ فلا یجوز السلم فیہا کما لا یجوز السلم فی الدراہم

والدنانیر وعندہام الغ“

”قلوس میں سلم عدد کے اعتبار سے امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ

کے نزدیک درست ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں، اور وجہ

یہ ہے کہ قلوس امام محمدؒ کے نزدیک اثمان ہیں، لہذا ان میں سلم ناجائز

ہوگا، جیسا کہ ذرا ہم اور دنانیر میں بیع سلم جائز نہیں ہے، اور ان کے

ز نزدیک الخ“ (۲)

خلاصہ

خلاصہ یہ کہ ربا، مشارکت، مضاربہ اور سلم کے ان ذکر کردہ مسائل سے یہ

بات بالکل واضح ہو کر سامنے آئی کہ قلوس امام محمدؒ کے نزدیک اثمان مطلقہ ہیں، اور وصف

شمعیہ ان کو لازم ہے، اور حضرات شیخینؒ (یعنی امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ) کے

ز نزدیک قلوس اثمان مطلقہ نہیں، وصف شمیہ ان سے الگ ہو سکتی ہے۔

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) بدائع الصنائع (۲۰۸/۵)، کذا فی البحر الرائق (۲۶۱/۶) وفی البدائع المختار مع

رد المحتار (۳۴۹/۷)

محمد بن الفضل، شمس الائمہ سرخسی اور شمس الائمہ حلوانی کا موقف
محمد بن الفضل، شمس الائمہ سرخسی اور شمس الائمہ الحلوانی: ان کے موقف کے
بارے میں استاد المجید فرماتے ہیں:-

”ووافق محمد بن الحسن علی هذا الاصل بعض علماء
الحنفیة مثل محمد بن الفضل واختاره السرخسی وشيخه
الحلوانی“

”اس اصل میں امام محمدؒ کے ساتھ بعض علمائے حنفیہ متفق ہیں، مثلاً:
محمد بن الفضل، اور اسی کو علامہ سرخسی اور ان کے استاد علامہ حلوانی
نے اختیار کیا ہے۔“^(۱)

حضرات مالکیہ

مالکیہ کے ہاں فلوں اثمان ہیں، البتہ بیع فلس بفلسین میں ان کے ہاں اقوال
مختلف ہیں، یعنی یہ کہ یہ معاملہ حرام ہے، مکروہ ہے، حلال ہے۔
لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ ان کے نزدیک قولی رائج بھی ہے کہ یہ معاملہ ناجائز اور
حرام ہے، جیسا کہ جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے لکھا ہے:-

”وذلك ان بيع الفلس بالفلسين حرام مطلقا وهو من الربا
المحرم شرعا عند الامام مالك بن انس ومحمد بن
الحسن الشيباني الغ“

”اور یہ اس وجہ سے کہ فلس کے مقابلے میں دو فلسوں کی بیع حرام
مطلق ہے، اور یہ شرعاً امام مالک بن انس اور امام محمدؒ کے نزدیک ربا

(۱) احکام الادواق النقدية والتجزية عن البدائع والفتاوى الهندية والمبسوط (ص ۳۹)

حرام ہے۔^(۱)

حضرات مالکیہ کے ہاں ان تین اقوال کا منشاء یہ نہیں کہ ان کے ہاں فلوس کے شمن ہونے میں اختلاف ہے، بلکہ ان کے ہاں فلوس اثمان ہیں، اور یہی ہمارا مقصود ہے، بلکہ اس کا منشاء دو چیزیں ہیں، جو درج ذیل ہیں:-

منشاء اول

الف:- فلوس کو اگر سونے اور چاندی پر قیاس کیا جائے، اور یہ کہا جائے کہ شمنیت کی علت کی وجہ سے یہ سونے اور چاندی کی طرح ہیں، تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ فلوس احکام میں سونے اور چاندی کی طرح ہو، لہذا جس طرح ایک دینار کے مقابلے میں دو دیناروں کی اور ایک درہم کے مقابلے میں دو درہموں کی بیچ حرام ہے، اسی طرح ایک فلس کے مقابلے میں دو فلسوں کی بیچ بھی حرام ہو۔

ب:- اور اگر یہ کہا جائے کہ ٹھیک ہے فلوس اثمان ہیں، لیکن سونا اور چاندی کی طرح نہیں، اور نہ ہی یہ سونا چاندی ہیں، اور احادیث میں سونا اور چاندی کا ذکر ہے، تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ معاملہ حلال ہو۔

ج:- اور اگر اس تذبذب کو دیکھا جائے، تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ معاملہ

مکروہ ہو۔

منشاء دوم

نقدین (سونے چاندی) میں بربا کے حرام ہونے کی جو علت ہے وہ متعدی ہوتی ہے، یا نہیں، جو تعدی کے قائل ہیں ان کے نزدیک مذکورہ معاملہ حرام ہے، جو تعدی کے

(۱) احکام الاوراق النقدية للعثماني (ص ۷۱)

قائل نہیں، تو ان کے نزدیک مذکورہ معاملہ حلال ہے، اور جو تہذیب کا شکار ہیں، ان کے نزدیک مکروہ ہے۔^(۱)

حضرت امام مالکؒ کی مشہور کتاب ”المدونة“ سے چند عبارات بطور نمونہ

ملاحظہ ہوں:-

”قلت: ارایت ان اشتریت فلوسا بديهم فافترقنا قبل ان نتقباض، قال: لا يصلح هذا في قول مالك، وهذا فاسد، قال: لي مالك: لا خير فيها نظرة بالذهب ولا بالورق، ولو ان الناس اجازوا بينهم الجلود حتى تكون لها سكة وعين لكرهتها ان تباع بالذهب والورق نظرة۔ قلت: ارایت ان اشتریت خاتم فضة او خاتم ذهب او تبر ذهب بفلوس فافترقنا قبل ان نتقباض ايجوز هذا في قول مالك؟ قال: لا يجوز فلس بفلسین۔۔۔ قال الليث بن سعد عن يحيى بن سعيد وربيعة انهما كرھا الفلوس بالفلوس وبينهما فضل اور نظرة وقالوا: انها صارت سكة مثل سكة الدينار ودداهم۔“

”میں نے کہا: آپ یہ بتائیں کہ میں اگر ذرا ہم کے بدلے فلوس خریدوں اور پھر ہم قبضہ کئے بغیر الگ ہو جائیں، فرمایا: یہ امام مالک کے قول میں درست نہیں، اور یہ فاسد ہے، مجھے امام مالکؒ نے فرمایا: فلوس اگر سونے یا چاندی کے مقابلے میں ادھار ہوں، تو اس

(۱) احکام الاوراق النقدية والتجارية للمعيد عن شرح التلثین للمازری فی الفقه المالکی بشرح التهذیب فی الفقه المالکی المخطوطین بمركز البعث العلمی بجامعة ام القرى، (ص ۳۱)

معاملے میں کوئی خیر نہیں، اور اگر لوگ کھالوں میں میں تعامل شروع کریں، یہاں تک کہ یہ سکے اور ذات بن جائیں، تو میں ان کھالوں کا تبادلہ سونے چاندی کے ساتھ اُدھار مکروہ قرار دوں گا۔ میں نے کہا: آپ یہ بتائیں کہ میں اگر فلوس کے بدلے چاندی یا سونے کی انگلی خریدوں، اور پھر قبضہ کئے بغیر الگ ہو جائیں، تو یہ امام مالکؒ کے نزدیک جائز ہے؟ فرمایا: یہ امام مالکؒ کے نزدیک جائز نہیں، کیونکہ امام مالکؒ نے فرمایا: فلس کا فلسین کے مقابلے میں معاملہ جائز نہیں..... لیث بن سعد یحییٰ بن سعید اور ربیعہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ دونوں فلوس کا فلوس کے مقابلے میں ایسے معاملے کو مکروہ فرماتے ہیں جس میں زیادتی یا اُدھار ہو، اور یہ فرمایا: کیونکہ یہ ذناہیر اور ذراہم کی طرح سکے ہو گیا۔^(۱)

”وقال مالك: اكسره ذلك في الفلوس ولا اراه حراما كتحريم الدنانير والدراهم، قلت: ارایت ان اشتريت فلسا بفلسين ایجوز هذا عند مالك؟ قال: لا یجوز فلس بفلسین۔“

”اور امام مالکؒ نے فرمایا: میں اس کو فلوس میں مکروہ سمجھتا ہوں، اور میں اس معاملے کو ذناہیر اور ذراہم کی حرمت کی طرح حرام نہیں سمجھتا ہوں، میں نے کہا: آپ یہ بتائیں کہ امام مالکؒ کے نزدیک ایک فلس کی بیع دو فلسوں کے ساتھ جائز ہے؟ فرمایا: ایک فلس کی بیع دو

(۱) المدونة الكبرى، الاصبیحی (الامام مالك بن انس الاصبیحی المتوفی ۱۷۹ھ، بیروت،

دار الكتب العلمية، طبع اول ۱۴۱۵ھ (۲۰۵/۳)

فلوس کے ساتھ جائز نہیں۔“^(۱)

علامہ ابن تیمیہ کا موقف

علامہ ابن تیمیہؒ بھی فریقِ اول میں داخل ہیں، جو فلوس کو ائمان کہتا ہے، چنانچہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں:-

”الظاهر المنع من ذلك فان الفلوس النافقة يغلب عليها

حكم الايمان وتجعل معيار الاموال الناس۔“

”ظاہر منع ہی ہے کیونکہ فلوس نافقہ پر ائمان کا حکم غالب ہے، اور

فلوس کو لوگوں کے اموال کا معیار قرار دیا جاتا ہے۔“^(۲)

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں:-

”فإذا صارت الفلوس ائمانا صار فيها هذا المعنى، فلا يباع

ثمن بشئ الى اجل۔“

”سو جب فلوس ائمان ہو گئے، تو ان میں یہ معنی آ گئے، لہذا اب ثمن کو

ثمن کے مقابلے میں ادھار نہیں بیچا جائے گا۔“^(۳)

ان دونوں عبارتوں سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کہ فلوس علامہ ابن

تیمیہؒ کے نزدیک ائمان ہی ہیں۔

علامہ ابن قیمؒ

علامہ ابن قیمؒ بھی ان علماء میں سے ہیں، جو فلوس کو ثمن قرار دیتے ہیں، چنانچہ

اس سلسلے میں وہ فرماتے ہیں:-

(۱) مرجع سابق (ص ۱۵۸)

(۲) مجموعة الفتاوى لابن تیمیہؒ (۲۹/۴۷۱)

(۳) حوالہ بالا

”والثمن هو المعبر الذی به يعرف تقویم الاموال فمجب ان یکون محددًا مضبوطًا، لا یرتفع ولا یتخفض الخ“
 ”ثمن وہ معیار ہے جس سے اموال کی قیمتیں معلوم کی جاتی ہوں، لہذا ضروری ہے کہ ثمن کی کوئی تحدید ہو، اور وہ مضبوط ہو، یعنی اس میں اتار چڑھاؤ نہ ہو۔“^(۱)

”كما رأیت من فساد معاملاتهم والضرر اللاحق بهم حين اتخذت الفلوس سلعة تعد للربح فعم الضرر وحصل الظلم ولو جعلت ثمنًا واحدًا لا یزداد ولا ینقص بل تقوم به الاشياء ولا تقوم هی بغيرها نصلح امر الناس۔“
 ”جیسا کہ میں نے لوگوں کے معاملات کا فساد اور ان کو جو نقصان لاحق ہوا وہ دیکھا، جبکہ لوگوں نے فلوس کو سامان بنایا اور ان کو نفع کا ذریعہ بنایا، تو اس طریقے سے نقصان عام ہو گیا، اور ظلم سامنے آ گیا، اور اگر فلوس کو ثمن قرار دیا جاتا اور اس میں اتار چڑھاؤ نہ ہوتا، بلکہ ان اشیاء کی قیمتوں کا اندازہ کیا جاتا، اور یہ خود کسی شے سے اندازہ نہ کیا جاتا، تو لوگوں کے معاملات درست ہوتے۔“^(۲)

اس عبارت سے یہ بات واضح ہے کہ علامہ ابن القیمؒ فلوس کو اثمان قرار دے رہے ہیں، اور ساتھ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ فلوس کو اثمان قرار نہ دینے سے لوگوں کو نقصان اور ضرر لاحق ہو گیا، اور ظلم عام ہو گیا، اور دوسری بات علامہ ابن القیمؒ کی عبارت سے معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے فلوس کو زر سمجھا، سامان نہیں، جیسا کہ شروع میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

(۱) اعلام الموقعین (۱۳۹/۲)۔

(۲) حوالہ بالا۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا موقف

فریق ثانی: امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا موقف یہ ہے کہ فلوس کو شمیٹ لازم نہیں، اور فلوس متعین کرنے سے متعین ہو جاتے ہیں، لہذا جو احکام امام محمدؒ کے موقف پر متفرع ہوتے تھے، وہ احکام ان حضرات کے موقف کے مطابق برعکس ہو جائیں گے، تفصیل اور حوالہ جات فریق اول کے بیان کے ضمن میں گزر گئے، اعادے کی ضرورت نہیں۔

امام شافعیؒ کا موقف

شافعیہ کے ہاں بھی فلوس اثمان نہیں، چنانچہ علامہ کوہنکی علتِ ربا کے ضمن میں فرماتے ہیں:-

”وعلة الربا في الذهب والفضة الثمنية وهي منتفعة عن

العروض والفلوس۔“

”ربا کی علت سونے اور چاندی میں شمیٹ ہے، اور یہ عروض اور

فلوس میں نہیں پائی جاتی۔“^(۱)

اور علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:-

”اذا راجت الفلوس رواج النقود لم يحرم الربا فيها، هذا هو

الصحيح المنصوص وبه قطع المصنف والجمهور۔“

”جب فلوس میں ایسا تعامل جاری ہو جائے، جیسا کہ ذر میں ہے، تو

بھی ان میں ربا حرام نہیں ہوگا، یہی درست ہے، اسی کو مصنف نے

جزم کے ساتھ بیان کیا، اور جمہور کا یہی موقف ہے۔“^(۲)

(۱) زاد المحتاج شرح المنهاج، الكوهن (الشيخ عبدالله بن الشيخ حسن الحسن الكوهن)

(قطر، طبع اول ۱۴۰۲ھ (۲۰۲۲ء))

(۲) المجموع شرح المذهب، النووي (الامام ابو زكريا محي الدين بن شرف النووي،

بيروت، دار الفكر۔

اہم تنبیہ

عربی مصنفین نے اگرچہ یہ بات واضح انداز میں لکھی ہے کہ شافعیہ کے ہاں فلوں اثمان نہیں، اور علامہ کوچی شافعی کی مذکورہ عبارت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، لیکن حضرات شافعیہ کی فقہی عبارات پر جب غور کیا جاتا ہے، تو ان عبارات سے فلوں میں مطلقاً ثمنیت کی نفی نہیں ہوتی، بلکہ ”ثمنیت جوہریہ“ یا ”ثمنیت غالبہ“ کی نفی ہوتی ہے، کہ فلوں ثمن جوہری یا خلقی نہیں، اور ان کے ہاں چونکہ نقد میں علت حرمت رہا ”ثمنیت جوہریہ“ ہے، اور فلوں میں یہ علت نہیں پائی جاتی، اس لئے انہوں نے فلس بفلسین کی بیج کو جائز قرار دیا، تو جواز کی وجہ یہ نہیں کہ فلوں ثمن نہیں، بلکہ جواز کی وجہ یہ ہے کہ ثمنیت جوہریہ جو علت ہے، وہ فلوں میں نہیں پائی جاتی۔

حضرات شافعیہ کی فقہی عبارات سے ثمنیت جوہریہ کی نفی ہوتی ہے، یعنی مقید کی نفی ہے، اور مشہور قاعدہ ہے کہ جب مقید پر نفی داخل ہو، تو اس سے قید کی نفی ہوگی، نہ کہ ذات مقید کی نفی، مثلاً جب یہ کہا جائے کہ میں نے زید کو بندھا ہوا نہیں مارا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مارا تو ہے، لیکن اس وقت وہ بندھا ہوا نہیں تھا، تو اس سے نفی باندھنے کی ہوئی، نہ کہ مارنے کی، اسی طرح مذکورہ مسئلے میں نفی ثمنیت جوہریہ کی ہے، نہ کہ ثمنیت کی، اس لئے راقم الحروف کا خیال یہ ہے کہ فلوں نافقہ ان کے ہاں بھی اثمان ہیں، لیکن اثمان جوہریہ نہ ہونے کی وجہ سے علت رہا نہیں اس لئے فلس بفلسین کی بیج جائز ہے، چنانچہ چند عبارات ملاحظہ ہوں:-

”وقال الجمهور: العلة فيهما صلاحية الثمنية الغالبة، وإن

شئت قلت: جوهرية الاثمان غالباً،— وفي تعدى الحكم

الى الفلوس اذا راجت وجهه، والصحيح انه لا ربا فيها لانتهاء

الثمنية الغالبة۔“

”اور جمہور نے کہا کہ سونے اور چاندی میں علت ان میں شہیت غالب کی صلاحیت کا ہوتا ہے، اور اگر آپ چاہے تو کہے کہ جوہریت اثران اور حکم (ربا) کو فلوس رائج کی طرف متعدی کرنے میں ایک روایت ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ ان میں ربا نہیں ہے، کیونکہ ان میں شہیت غالب نہیں ہے۔“^(۱)

حواشی شروانی میں ہے:-

”وعلة الربا فيه جوهرية الثمن فلا ربا في الفلوس وان راحت الخ“

”اور ربا کی علت اس میں ثمن کی جوہریت ہے، لہذا فلوس میں ربا نہیں ہے، اگرچہ رائج ہوں۔“^(۲)

حنا بلہ کا موقف

فقہائے حنا بلہ سے اس سلسلے میں دو روایتیں ہیں: ایک روایت میں فلوس ثمن نہیں، اور دوسری روایت کے مطابق فلوس ثمن ہیں، اور یہی روایت ان کے نزدیک رائج اور قوی ہے، چنانچہ رائج قول کے مطابق ان کے ہاں فلس بفلسین کی بیع ناجائز ہے۔^(۳)

(۱) روضة الطالبین، النووی (علامہ محی الدین بن شرف النووی) بیروت، المکتب الاسلامی، طبع دوم ۱۴۰۵ھ

(۲) حواشی الشروانی بن قاسم العبادی (۲۷۹/۳)

(۳) وقال: لا يباع الفلوس بالفلسين ولا الساكنين بالسككيتين ولا ابرة باهرتين، اصله الوزن المغني مع الشرح الكبير (۱۲۸/۳)

_____ وجزم ابو الخطاب في خلافه الصغير: بانها (الفلوس-عصمت) مع نفاقها لاتباع بمثلها الامثلة معللا بانها الثمن۔ (الانصاف، المرداوى، علاء الدين ابو الحسن على بن سليمان المرداوى الحنبلي) قاہرہ، مطبعة السنة المحمدية، طبع اول ۱۴۷۶ھ (۱۵/۵)

_____ فان احمد قال: لا ارى السلم في الفلوس لانه يشبه الصنف وهذا قول محمد بن الحسن وابي ثور لانها ثمن فجازت الشركة بها كالدرهم والدنانير۔ (المغني والشرح الكبير) (۱۲۵/۵)

خلاصہ یہ جمہور فقہاء و مجتہدین کے نزدیک فلوس اثمان ہیں، اور فلوس کا فلوس کے ساتھ خرید و فروخت کی بیشی کے ساتھ ناجائز اور حرام ہے۔

اس بارے میں قول رائج

فلوس کے ثمن ہونے یا نہ ہونے میں قول رائج یہی ہے کہ:-

- ۱- فلوس اثمان ہیں۔
- ۲- تعین سے متعین نہیں ہوتے۔
- ۳- کی بیشی کے ساتھ ان کی بیع حرام ہے۔
- ۴- ان میں شرکت درست ہے۔
- ۵- ان میں مضاربہ صحیح ہے۔
- ۶- فلوس میں سلم درست نہیں۔

وجہ ترجیح

اس قول کی ترجیح کی وجہ یہ ہے کہ فلوس نافذہ میں سونے اور چاندی کی طرح تعامل جاری ہے، اور سونے چاندی کے جو وظائف ہیں، وہ فلوس بحسن و خوبی انجام دیتے ہیں، نیز ذکر کی تعریف تمام فلوس پر صادق آتی ہے، لہذا فلوس کو اثمان کہنا بجا ہے، اور ان کے ساتھ وہی معاملہ کرنا چاہئے جو نقد کے ساتھ ہوتا ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ جمہور ائمہ فلوس میں شہیت کے قائل ہے، جن میں:-
 امام محمدؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ، شمس اللائمہ السرخسیؒ، شمس اللائمہ الحلوئیؒ، محمد بن الفضلؒ، علامہ ابن تیمیہؒ، علامہ ابن قیمؒ اور اس زمانے کے تقریباً بیشتر علماء و فقہاء شامل ہیں۔



باب چہارم

بیع صرف

بیع صرف اور اس کی حقیقت

بیع صرف لغت

”صرف“ کے لغوی کئی معانی ہیں:-

- ۱- نقل:- ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا۔
- ۲- پھیرنا:- فلاں نے اس سے اپنا چہرہ پھیرا۔
- ۳- تحلیل:- کسی کو چھوڑنا، مثلاً میں نے مزدور کو چھوڑ دیا۔
- ۴- اتفاق:- خرچ کرنا، میں نے پیسے صرف رکے، یعنی خرچ کئے۔
- ۵- بیع:- زیادت اور اضافہ۔
- ۶- توپ۔
- ۷- زمینت اور خوبصورتی۔
- ۸- شور مچانا اور آواز نکالنا۔

لغت کے اعتبار سے ان سب معانی کے لئے لفظ ”صرف“ استعمال ہوتا ہے،

اور اسم فاعل اس سے ”صیرنی“، ”صیردف“، اور ”صراف“ ہے۔

”عقد صرف“ کو صرف اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں مقصود ہی اضافہ ہوتا ہے،

کیونکہ اس میں ذکر کا مقابلہ ذکر کے ساتھ ہوتا ہے، اور ذکر اجناس کی طرح بذات خود تو قابل

انتفاع ہے نہیں، جیسا کہ شروع میں اس کی تفصیل گزر چکی، بلکہ اس صورت میں اس سے مقصود تجارت اور ربح (نفع) ہے، جو زر کی ذات پر ایک اضافہ ہے، اور بعض حضرات نے اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ چونکہ جب سونے یا چاندی کو بوقت بیع ترازو میں رکھی جاتی ہے، تو اس سے ایک قسم کی آواز نکلتی ہے، اس لئے اس کو بیع صرف کہا گیا۔ واللہ اعلم۔^(۱)

بیع صرف اصطلاحاً

حضرات حنفیہ، شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک ”بیع صرف“ کی تعریف درج ذیل ہے:-

(۱) الحد والمختار ورد المختار: هو (الصرف) لغة الزيادة، وفي رد المحتار: (هولغة الزيادة) "هذا أحد معانيه ففي المصباح: صرفته غن وجهه صرفاً من باب ضرب، وصرفت الأجير والصبى، خلعت مبله، وصرفت المال: أنفقته، وصرفت الذهب بالدرهم بعتته، واسم الفاعل من هذا صيرفي وصيروف، وصراف للمبالغة، قال ابن الفلاس: الصرف فضل الدرهم في الجودة على الدرهم وصرفت الكلام: زينته (۴/۳۰۲) فتح القدير:

"(الزيادة) وهذا العقد لا يقصد به إلا الزيادة دون الانتفاع بعين البذل الآخر في الغالب لأنه لا ينتفع بعينه بخلاف نحو الطعام والثوب والحرير، والمراد أن قصد كل من المتعاقدين التجارة والربح فيه بالتنقل والأخذ بالعقد عن الفائدة، والزيادة تسمى صرفاً وبه سميت العبادة النافلة صرفاً في قوله ﷺ: من أتمى إلى غير أبيه لا يقبل الله منه صرفاً ولا عدلاً الخ" (۶/۲۵۹)

_____ كذا في البحر الرائق (۲/۳۲۱)

_____ ومجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر.

الشمسي زادة، (العلامة عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المتوفى ۱۰۷۸ھ) بيروت، دار الكتب العلمية، طبع اول ۱۴۱۹ھ (۳/۱۶۱)

_____ كشف القناع

، البهوتي، (العلامة منصور بن يونس المتوفى ۱۰۵۱ھ)، السعودية العربية، مطبعة الحكومة بمكة ۱۳۹۴ھ۔

"سميت بذلك لصريفهما وهو تصويتهما في الميزان" (۳/۲۵۳)

”ثمن (یا زر) کے مقابلے میں ثمن (یا زر) کی خرید و فروخت، خواہ دونوں کی جنس ایک ہو، یا مختلف ہو۔“

لیکن بابِ صرف میں دونوں جانبوں میں ”ثمن“ سے مراد ثمنِ خلقی ہے، یعنی سونا اور چاندی، خواہ سونا یا چاندی کسی بھی شکل میں ہو، مثلاً وِرہم یا دینار ہو، سونے یا چاندی کا برتن ہو، یا زیور ہو، یا ڈلی ہو۔

لہذا اگر کسی ایک جانب یا دونوں جانبوں میں عوضِ ثمنِ عربی ہو، مثلاً کرنسی نوٹ یا فلوس، تو اس کو بیعِ صرف نہیں کہا جائے گا، اور اس پر بیعِ صرف کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔ تفصیل اگلے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔
علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:-

”وشرعاً بیع الثمن بثلثین ای ما خلق للثمنية، ومنه المصوغ جنسا بجنس او بغير جنس۔“
”اور شریعت میں بیعِ صرف عبارت ہے ثمن کی جنس کے ساتھ خرید و فروخت سے، یعنی جو خلقی طور پر ثمن ہو، اور اسی سے بنا ہوا برتن بھی ہے، خواہ جنس کا مقابلہ جنس کے ساتھ ہو، یا خلاف جنس کے ساتھ ہو۔“^(۱)
علامہ مرغینانیؒ فرماتے ہیں:-

”سواء كانا يتعینان كالمصوغ اولا يتعینان كالمضروب، او يتعین احدهما ولا يتعین الآخر، لا اطلاق ماروینا، ولانه ان كان يتعین فغیه شبهة التعین لكونه ثمنا خلقه فیستلزم قبضه اعتبارا للشبهة فی الربا۔“

(۱) البدایہ المختار للحصکفی شرح تنویر الابصار للتمرتاشی و متن رد المحتار لابن عابدین

المعروف بکاشانی (۴۰۲/۷)

”چاہے عوضین متعین کرنے سے متعین ہوتے ہوں، مثلاً دونوں طرف برتن ہوں، یا متعین نہ ہوتے ہوں، مثلاً دونوں طرف سکے ہوں، یا ایک عوض متعین ہوتا ہو، اور دوسرا نہ ہوتا ہو، (یہ سب صورتیں بیع صرف میں داخل ہیں)، ایک تو حدیث مطلق ہے، اور دوسری بات یہ کہ یہ چونکہ خلقی شے ہے، تو اس میں تعین کے باوجود شبہ پایا جاتا ہے، اس لئے شبہ ربا کی وجہ سے اس میں تقابض کو ضروری قرار دیا۔“^(۱)

جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک طرف سونے یا چاندی کا برتن یا زیور ہو، اور دوسری طرف بھی سونے یا چاندی کا برتن یا زیور ہو، یا دونوں طرف ذرا ہم یا ذنا نیر ہوں، یا ایک طرف ذرا ہم یا ذنا نیر ہو، اور دوسری طرف سونے یا چاندی کا برتن یا زیور ہو، تو یہ تمام صورتیں بیع صرف کی ہیں، کیونکہ یہ تمام شے خلقی ہیں، لہذا ان تمام صورتوں میں تقابض ضروری ہوگا۔

علامہ نسفی فرماتے ہیں:-

”وغالب الغش ليس في حكم الداهم والدنانير فيصير بيعها بجنسها متفاضلا والتبايع والاستقراض بما يروج عددا او وزنا او بهما ولا يتعین بالتعین لكونها اثمانا۔“

”کھوٹ اگر غالب ہو، تو اس صورت میں یہ ذرا ہم یا ذنا نیر کے حکم نہیں ہوں گے، لہذا ان کی ہم جنس کی بیع زیادتی کے ساتھ جائز ہوگی، اور رواج کے مطابق ان کی خرید و فروخت اور قرض کا معاملہ وزن یا عدد کے اعتبار سے درست ہوگا، البتہ یہ متعین کرنے سے

(۱) الهدایۃ مع الفتاویٰ المرغینانی (شرح الاسلام برہان الدین ابو الحسن ابوبکر

المرغینانی المتوفی ۵۹۳ھ) کوئٹہ، پاکستان، مکتبہ رشیدیہ (۲۶۱/۶)

متعین نہیں ہوں گے، کیونکہ یہ اثمان ہیں۔“ (۱)

اس پر علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں:-

”قوله: ”ولا يتعین بالتعین لكونها اثمانا“ یعنی مادامت

تروج لانها بالاصطلاح صارت اثمانا، فمادام ذلك

الاصطلاح موجودا، لا تبطل الثمنية لقيام مقتضى۔“

”صاحب ہدایہ کی یہ بات کہ ”یہ متعین کرنے سے متعین نہیں

ہوتے، کیونکہ یہ اثمان ہیں“ یعنی جب تک مروج ہوں، کیونکہ یہ

لوگوں کی اصطلاح سے اثمان بنے ہیں، سو جب تک یہ اصطلاح

باقی رہے گی، اس کی قیمت بھی باقی رہے گی، اس لئے کہ مقتضى

موجود ہے۔“ (۲)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر سونے یا چاندی میں کھوٹ غالب ہو، اور سونایا چاندی

کم ہو، اور وہ مروج بھی ہو، تو ان کی بیچ کی بیشی کے ساتھ جائز ہے، اگرچہ عوضین ہم جنس

کیوں نہ ہوں، لیکن اس کے باوجود یہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوں گے، کیونکہ یہ اثمان

ہیں لیکن اثمان عرفہ ہیں۔

اس سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوئی کہ اس میں ثمن کا مقابلہ ثمن کے ساتھ

ہے، لیکن چونکہ یہ ثمن خلقی نہیں، اس لئے اس کو بیچ صرف سے نکالا اور اس میں وحدت جنس

کے باوجود تفاضل (زیادتی) کو جائز قرار دیا۔

فقہائے حنفیہ کی ان عبارات سے یہ بات صاف طور پر سامنے آتی ہے کہ بیچ

۱. كنز الدقائق مع البحر، النسخی (الامام ابو البركات عبد الله بن احمد بن محمود

المعروف بحافظ الدين النسخی المتوفى ۷۱۰ھ) بیروت، دارالکتب العلمیة، طبع اول

۱۳۱۱ھ (۳۳۵/۶)۔

(۲) مرجع سابق

صرف کے لئے صرف شن کا ہونا کافی نہیں، بلکہ ضروری ہے کہ وہ شن خلقی ہو، البتہ شن خلقی کسی بھی شکل میں ہو سکتا ہے۔

البتہ عدم تعیین کے لئے کسی شی کا صرف شن ہونا کافی ہے۔

مثالہ کی مشہور کتاب ”کشاف القناع“ میں ہے:-

”فصل فی المصارفۃ، وہی بیع نقد بنقد، اتحد الجنس او

اختلف۔“

”مصارفہ زر کے مقابلے میں زر کی خرید و فروخت کو کہتے ہیں، خواہ

جنس ایک ہو یا مختلف ہو۔“^(۱)

یہ حضرات چونکہ تفصیل میں نقدین ثمنیہ ذکر کرتے ہیں، اسی طرح درہم و دینار یا

سونا چاندی ذکر کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں بھی بیع صرف میں ”نقد“ سے مراد شن خلقی ہے۔

فقہ شافعی کی مشہور کتاب ”مغنی المحتاج“ میں ہے:-

”النقد بالنقد والمراد به الذهب والفضة مضروباً كان او

غیر مضروب۔“

”(بیع صرف نقد کے مقابلے میں نقد کی خرید و فروخت کو کہتے ہیں)

اور اس سے مراد سونا چاندی ہے، خواہ سکے کی شکل میں ہو، یا نہ ہو۔“^(۲)

اور اسی کتاب میں ہے:-

”تنبيه: بیع النقد بالنقد من جنسه وغیره یسمى صرفاً۔“

”نقد کے مقابلے میں نقد کی بیع کو صرف کہتے ہیں، خواہ جنس ایک ہو،

(۱) (۳/۲۵۳)

(۲) مفتی المحتاج، الشریعی (الشہو محمد الشریعی الخطیب) بیروت، دار احیاء التراث

العربی (۲/۲۳)

یا جنس مختلف ہو۔“ (۱)

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:-

”والثانیة لا یشرط الحلول والتقابض، فان ذلك معتبر فی جنس الذهب والفضة سواء كان ثمنا او كان صرفا او كان مكسورا بخلاف الفلوس ولان الفلوس هی فی الاصل من باب لا عراض والتمنیه عارضة لھا“

”اور دوسری روایت یہ ہے کہ حلول (Cash Payment) اور تقابض ضروری نہیں، کیونکہ یہ چیزیں جنس سونا اور چاندی میں معتبر ہیں، خواہ وہ کسی قسم اور کسی شکل میں ہو، بخلاف فلوس کے (کہ وہ جنس سونا اور چاندی میں سے ہیں نہیں) اور اس لئے بھی کہ فلوس حقیقت میں سامان کے قبیل میں ہیں اور ثمنیت تو ان کو عارضی طور پر لاحق ہوگئی ہے۔“ (۲)

یہ امام احمدؒ کی دوسری روایت ہے، اس کا حاصل بھی وہی ہے کہ ”صرف“ کے لئے ثمن خلقی کا ہونا ضروری ہے۔
علامہ زحلیؒ فرماتے ہیں:-

”وشرعاً هو بیع النقد بالنقد جنسا بجنس او بغير جنس: ای بیع الذهب بالذهب او الفضة بالفضة او الذهب بالفضة مصوغا او نقداً۔“

”اور شریعت صرف نقد کے مقابلے میں نقد کی خرید و فروخت کو کہتے ہیں، خواہ جنس کا جنس کے ساتھ مقابلہ ہو، یا غیر جنس کے ساتھ ہو، یعنی

(۱) حوالہ بالا

(۲) (مجموعۃ الفتاویٰ ۳۹/۳۵۹)

سونا بمقابلہ سونا کے، یا چاندی بمقابلہ چاندی کے یا سونا بمقابلہ
چاندی کے، خواہ سکہ کی شکل میں ہو، یا کسی برتن وغیرہ کی شکل میں
ہو۔“ (۱)

کتاب ”تطور النقود“ میں ہے:-

”عرف الحنفية الصرف بأنه بيع الاثمان ببعض بعضها ببعض
وارادوا من الاثمان ما كان ثمننا خلقة اي من القدم وهو
الذهب والفضة سواء كانا مسكوكين دنائير ودرهم وهي
المعروفة بالمقدين او كانا مصوغين كالاقراط والاساور
او كانا تبراً وعبر الشافعية والحنابلة عن الثمن بالنقد
فقالوا: الصرف بيع النقد بالنقد من جنسه او غيره، ارادوا
بالنقد كذلك الذهب والفضة مسكوكين او مصوغين او
تبراً والحكم في المذاهب الثلاثة هو ان الذهب والفضة
اذا بيعا بجنسها كذهب بذهب او فضة بفضة وجب الحلول
والتماثل والتقابض (السي قوله:) والتعريف السابق
للسرف عند الائمة الثلاثة يفيد انه محصور في الذهب
والفضة اللذين لا يغلب عليهما الغش، فاذا كانت الدراهم
مغشوشة ورائجة او كان النقد من الجانبين فلوساً رائجة
لا يجري فيهما حكم الصرف الخ

”حضرات حنفیہ نے بیع صرف کی تعریف یہ کی ہے کہ ثمن کو ثمن کے
مقابلے میں فروخت کیا جائے۔ اور ان کے نزدیک اثمان سے مراد
وہ ہیں جو غلطیہ ثمن ہوں، یعنی زمانہ قدیم سے، اور وہ سونا اور چاندی

ہیں، خواہ سکہ کی شکل میں ہوں، ڈانیر اور ڈراہم، جو ”نقدین“ کے ساتھ مشہور ہیں، اور یا زیور کی شکل میں ہوں، جیسا کہ بالیاں اور چوڑیاں ہیں، اور یا ڈلی کی شکل میں ہوں، اور شافعیہ اور حنابلہ نے ثمن سے ”نقد“ کے ساتھ تعبیر کی ہے، سوانہوں نے کہا کہ ”صرف“ ”نقد“ کے مقابلے میں نقد کی بیع کو کہتے ہیں، عوضین خواہ ہم جنس ہوں یا نہ ہوں، اور ان کے نزدیک بھی ”نقد“ سے مراد سونا چاندی ہی ہے، خواہ کسی بھی شکل میں ہوں، اور تینوں مذاہب کا حکم ایک ہے، اور یہ کہ سونا اور چاندی کی خرید و فروخت جب جنس کے ساتھ ہو، مثلاً سونے کو سونے کے ساتھ یا چاندی کو چاندی کے ساتھ تو اس صورت میں حلول (ادھار نہ ہونا) تماثل (برابر ہونا) اور تقابض ضروری ہیں..... ائمہ ثلاثہ کی صرف کی مذکورہ تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف اس سونے اور چاندی میں منحصر ہے، جس میں کھوٹ غالب نہ ہو، لہذا اگر سونا یا چاندی جس میں کھوٹ غالب ہو، یا چائنہ سے نقد فلوس رائج ہوں، تو اس عقد کو عقد صرف نہیں کہا جائے گا۔^(۱)

حاصل یہ کہ ائمہ ثلاثہ کے ہاں عقد صرف کے لئے ثمن کا خلقی ہونا ضروری ہے، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ کھوٹ کی صورت میں سونا چاندی غالب ہوں، نیز ان حضرات کے نزدیک اس عقد کو ”صرف“ یا ”مصارفہ“ یا ”تصارف“ کہتے ہیں، کوئی اور اصطلاح ان کے ہاں استعمال نہیں ہوتی، خواہ صرف کی کوئی بھی شکل ہو۔

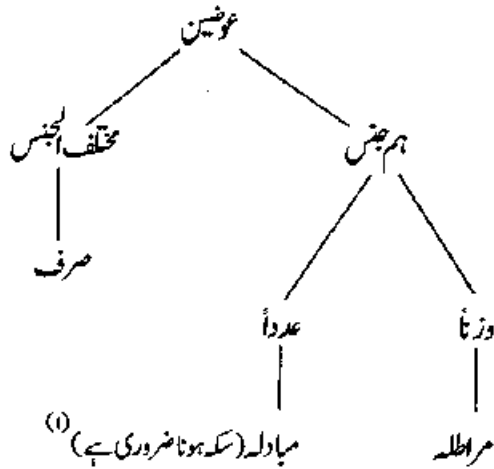
البتہ مالکیہ کے ہاں اس سلسلے میں تین اصطلاحات رائج ہیں :-

مراطلہ، مبادلہ، صرف

مراطلہ :- سونے کو سونے کے ساتھ یا چاندی کو چاندی کے ساتھ تول کر بیچنے کو مراطلہ کہتے ہیں، خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہو، لہذا مراطلہ میں یہ ضروری ہے کہ جنس کا جنس کے ساتھ مقابلہ ہو۔

مبادلہ :- سکہ کو سکہ کے ساتھ عدداً فروخت کرنے کو ”مبادلہ“ کہتے ہیں، مثلاً دینار بمقابلہ دینار کے یا درہم درہم کے مقابلے میں، نیز اس میں یہ ضروری ہے کہ عوضین ہم جنس ہوں۔

صرف :- سونے کو چاندی یا چاندی کو سونے کے ساتھ خرید و فروخت کو ”صرف“ کہتے ہیں، سونا چاندی خواہ کسی بھی شکل میں ہوں، اور معاملہ خواہ وزناً ہو یا عدداً ہو۔



(۱) عقد الجواهر الثمينة، ابن شمس (جلال الدین عبد اللہ بن نجم ابن شمس المتوفی

۶۱۶ھ) دار الغرب الاسلامی، طبع اول ۱۴۱۵ھ

اس میں مصنف نے صرف، مراطلہ اور مبادلہ کے احکام بڑی تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔ (۳۹۶ تا ۳۵۱/۲)۔

الشرح الصغير على اقرب المسالك الى مذهب الامام مالك، الدردير

(العلامة ابو البركات احمد بن محمد بن احمد الدردير) مصر، دار المعارف (۳۸/۳ تا

(باقی اگلے صفحے پر)

”بیع صرف“ اور اس کی شرطیں

بیع صرف کے شرعا معتبر ہونے کی چار شرطیں ہیں، جن میں سے دو جوہری ہیں، یعنی ان کا پایا جانا ضروری ہے، اور دو عدوی ہیں، یعنی ان کا نہ پایا جانا ضروری ہے، اور وہ چار شرائط اجمالاً درج ذیل ہیں:-

وجودی	۱- تقابض
	۲- تماثل یا مماثلت
عدوی	۳- خیال شرط
	۴- اجل (تاجیل)

حقیقت میں شرطیں دو ہی ہیں، یعنی تقابض اور تماثل، کیونکہ آخری دو شرطیں تقابض ہی پر متفرع ہیں، جیسا کہ تفصیل سے واضح ہو جائے گا۔

(بقیہ حاشیہ منقولہ کرشد)

کتاب الکافی فی فقہ اہل المدینۃ المالکی، القرطبی (ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر النمر القرطبی) السعودیۃ، الریاض، مکتبۃ الریاض الحدیثیۃ، طبع دوم ۱۴۰۰ھ (۱۳۳/۲)

تطور النقود فی ضوء الشریعة الاسلامیۃ :

”اما المالکیۃ فلهم اصطلاح آخر فی بیع الاثمان، ذلك انهم یقسمونها الی ثلاثة اقسام : المراطلة والمبادلۃ، والصرف، اما المراطلة: فهي بیع الذہب بالذہب او الفضة بالفضة وزنا، سواء اکانا مسکوکین او مصبوبین او تبراب واما المبادلۃ: فهي بیع النقد المسکوک من الذہب او الفضة بجنسه عددا۔

واما الصرف فهو بیع الذہب بالفضة او الفضة بالذہب او

احدهما بالفلوس۔“ (ص ۱۳۳)

اس عبارت کا خلاصہ وہی ہے جو تفصیل کے ساتھ متن میں ذکر ہوا ہے، لیکن یاد رکھیں کہ یہ صرف اصطلاح کا فرق ہے، احکام میں مالکیہ کا مذہب حضرات ائمہ ثلاثہ سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے، صرف مراطلہ میں یہ حضرات معمولی کی پیش کی گنجائش دیتے ہیں، باقی تقابض وغیرہ کے احکام میں یہ ائمہ ثلاثہ کی طرح ہے۔

بلکہ اگر غور کیا جائے، تو بیع صرف معتبر ہونے کے لئے ایک ہی شرط ہے، اور وہ تماثل ہے، کیونکہ مماثلت یا تماثل کے معنی یہاں برابری کے ہیں، اور جب ایک جانب قبضہ پایا جائے، اور دوسری جانب قبضہ نہ پایا جائے، تو ظاہر ہے کہ ایک جانب جو قبضہ قبضہ ہے اس کو فضیلت حاصل ہوگئی، تو مماثلت نہ رہی، جیسا کہ علامہ مرغینانی کی عبارت میں اس کی صراحت ہے:-

”ثم لا بد من قبض الآخر تحقيقا للمساواة فلا يتحقق الربا

ولان احدهما ليس باولى من الآخر“

”پھر دوسری جانب قبضہ ضروری ہے تاکہ برابری ثابت ہو، اور ربا

لازم نہ ہو، اور اس لئے بھی کہ ایک جانب دوسری جانب سے اولیٰ

نہیں۔“ (۱)

فائدہ

بیع صرف اور ربا کا باہم گہرا تعلق ہے، کیونکہ صرف بیع ہے، اس میں اتما و جنس کی صورت میں کسی ایک جانب زیادتی کی صورت میں ربا الفضل وجود میں آتا ہے، اور اُوہار یا کسی ایک جانب قبضہ نہ ہونے کی صورت میں ربا النساء لازم آتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے ہاں ربا اور صرف ایک ساتھ اور ایک ہی باب میں ذکر کرتے ہیں، بلکہ بعض اوقات ”صرف“ کا عنوان ان کے ہاں ہوتا ہی نہیں، ربا کا عنوان ہوتا ہے، اس میں صرف کے مسائل ذکر کرتے ہیں، گو حنفیہ کے ہاں دونوں کے لئے الگ الگ باب قائم کرتے ہیں۔

اب ہم مذکورہ شرائط کو ایک ایک کر کے قدر تفصیل کے ساتھ یہاں ذکر کرتے ہیں:-

تقابض (Possession)

”تقابض“ باب تقاضی ہے، جس کے معنی یا ہی قبضہ کرنے کے ہیں، یعنی متعاقدین (Contractors) میں سے ہر ایک عوض پر مجلس عقد میں قبضہ کرے، تو بیع صرف معتبر ہونے کے لئے یہ سب سے اہم اور عمومی شرط ہے، جو بیع صرف کی تمام صورتوں میں بالاتفاق ضروری ہے، یعنی بیع صرف کی کوئی بھی صورت ہو، خواہ عوضین کسی بھی شکل میں ہوں، یعنی سکی کی شکل میں ہوں، برتن یا زیور کی شکل میں ہوں، ڈلی کی شکل میں ہوں، وغیرہ، اور جنس کا جنس کے ساتھ مقابلہ ہو، یا غیر جنس کے ساتھ مقابلہ ہو، ان تمام صورتوں میں بیع صرف معتبر ہونے کے لئے اس شرط کا پایا جانا ضروری ہے۔^(۱)

(۱) علامہ مرغینانی فرماتے ہیں:-

”سواء كانا يتعینان كالمصوغ اولاً يتعینان كالمضروب، او يتعین احدهما ولا يتعین الآخر، لا طلاق ملوینا، ولانه ان كان يتعین فغیه شبهة التعین لكونه ثمناً خلقة فیشرط قبضه اعتباراً للشبهة فی الربا۔“

”چاہے عوضین متعین کرنے سے متعین ہوتے ہوں، مثلاً دونوں طرف برتن ہوں، یا متعین نہ ہوتے ہوں، مثلاً دونوں طرف سکہ ہوں، یا ایک عوض متعین ہوتا ہو، اور دوسرا نہ ہوتا ہو، (یہ سب صورتیں بیع صرف میں داخل ہیں)، ایک توحید مطلق ہے، اور دوسری بات یہ کہ یہ چونکہ خلقی ثمن ہے، تو اس میں تعین کے باوجود شبہ پایا جاتا ہے، اس لئے شبہ ربا کی وجہ سے اس میں تقابض کو ضروری قرار دیا۔“

الهدایة مع الفتا، المرغینانی (شیخ الاسلام برهان الدین ابو الحسن ابوبکر المرغینانی المتوفی ۵۹۳ھ) گوشت، پاکستان، مکتبہ رشیدیہ (۲/۲۶۱)۔

کذا فی البحر الرائق (۲/۲۶۱م)۔

_____ الفقہ الاسلامی وادلتہ للرحیل:

”والتقابض شرط سواء اتحد الجنس او اختلف (۶۳/۴)۔“

_____ تطور النقود:

”والحکم فی المذاهب الثلاثة (الحنفیہ والشافعیہ والحنابلہ) عصمت (هو ان الذہب والنفضة اذا بیعا بجنسها کذهب بذهب او فضة بفضة وجب الحلول والتماثل والتقابض، واذا بیع احدهما بالآخر وجب الحلول والتقابض وجاز التفاضل (ص ۱۳۱)۔“

اس شرط کو ضروری قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ اگر بیع میں کسی جانب بھی قبضہ نہ ہو، تو یہ ”بیع اکائی بالاکائی“ ہے یعنی ادھار کا ادھار کے ساتھ معاملہ، جو شرعاً ناجائز ہے۔ چنانچہ ابن عمرؓ کی روایت ہے، جس کے الفاظ درج ذیل ہیں:-

اسحاق واہن شبیہ والبیزار عن ابن عمر: ”نہی رسول اللہ ﷺ ان یباع کلثنی بکلثنی — یعنی دینا بدین — زاد البزار: وعن یعم عاجل بأجل وعن یعم الغرر“

”حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھار کے مقابلے میں ادھار کی بیع سے منع فرمایا ہے، بزار کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ نے ادھار کے مقابلے میں نقد کی بیع سے منع فرمایا ہے، اور بیع غرر سے بھی منع فرمایا ہے۔“ (۱)

اور فقط ایک جانب قبضہ ہو، تو اس صورت میں مساوات اور برابری فوت ہو جائے گی، اور اس شرط کی اہم دلیل اشیائے مستدالی احادیث ہیں:-

”الذهب بالذهب مثلاً بمثلًا والفضة بالفضة مثلاً بمثلًا، والتمر بالتمر مثلاً بمثل والبر بالبر مثلاً بمثل، والملك بالملك مثلاً بمثل، والشعير بالشعير مثلاً بمثل فمن زاد او ازيد فقد اربى، يبعوا الذهب بالفضة كيف شئتم يدا بيد، الحديث:-“

”سوئے کو سوئے کے بدلے میں برابر برابر بیچو، چاندی کو چاندی کے بدلے میں برابر برابر بیچو، کھجور کو کھجور کے بدلے میں برابر برابر بیچو، گندم کو گندم کے مقابلے میں برابر برابر بیچو، نمک کو نمک کے

(۱) السدایہ فی تخریج احادیث الہدایۃ، العسقلانی (العلامة ابن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ) پنجاب، شیخوپورہ، المکتبۃ الاشرفیہ پاکستان (۱/۱۵۷)

بدلے میں برابر سر ابر پیچو، جو کو جو کے بدلے میں برابر سر ابر فروخت کرو، لیکن جو شخص اضافے کا لین دین کرے، وہ بربا کا معاملہ کرے گا، البتہ سونے کو چاندی کے بدلے میں جس طرح چاہے، فروخت کرو، بشرطیکہ دست در دست ہو، اور جو کو کھجور کے بدلے میں جس طرح چاہو، فروخت کرو، بشرطیکہ دست در دست ہو۔“^(۱)

”الذهب بالذهب ووزنًا بوزن مثلاً بمثل والقضة بالقضة وإنما بوزن مثلاً بمثل، فمن زاد أو استزاد فهو ربا۔“

”سونا سونے کے مقابلے برابر سر ابر پیچو، اور چاندی چاندی کے مقابلے میں برابر سر ابر پیچو، جس نے بڑھایا یا زیادہ مانگا، تو یہ ربا ہے۔“^(۲)

عن ابن عمر أن عمر قال: لا تبيعوا الذهب بالذهب إلا مثلاً بمثل، ولا تبيعوا الورق بالذهب أحدهما غائب والآخِر ناجز“

”سونے کو سونے کے ساتھ برابر سر ابر ہی پیچو، اور چاندی کو سونے کے ساتھ اس طرح مت پیچو کہ ایک حاضر ہو، اور دوسری چیز غائب ہو۔“^(۳)

فائدہ:- بیع صرف میں ”تقابض“ کے شرط ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عاقدین جس مجلس عقد نہ چھوڑیں، جسے عربی میں ”افتراق بالابدان“ کہتے ہیں، جس کی صورت

(۱) کنز العمال، المتقی (علاء الدین علی المتقی الہندی) عدد الحدیث ۴۶۶۔

(۲) اخرجہ مسلم، کتاب المساقاة، باب الربا۔

(۳) نصب الرافیة، الزیلعی (العلامة جمال الدین ابو محمد عبد اللہ الزیلعی الحنفی

المتوفی ۷۶۴ھ لبنان، مؤسسة الريان، طبع اول ۱۴۱۸ھ (۵۲/۴)

یہ ہوگی کہ مثلاً بیع صرف کا معاملہ ہو گیا، اور عوضین پر قبضے سے قبل ایک عاقد اس طرف نکل گیا، اور دوسرا عاقد دوسری طرف نکل گیا، یا ایک عاقد مجلس میں موجود ہے، اور دوسرا اُنھ کو کر چلا گیا، تو اس صورت میں یہ عقد شرعاً باطل ہے، لیکن اگر اسی مجلس میں دونوں موجود ہیں، خواہ مجلس جتنی بھی لمبی ہو جائے، یا دونوں اس میں سو جائیں، تو اس کو ”افتراق“ نہیں کہا جائے گا، اسی طرح اگر مجلس میں عقد ہوا، اور متعاقدین دونوں ایک ساتھ مجلس سے اُٹھ گئے، اور ایک جانب ہی ایک ساتھ نکلیں، تو اس صورت کو بھی افتراق نہیں کہا جائے گا، اور اس سے عقد باطل نہیں ہوگا، اگر اس کے بعد عوضین پر قبضہ پایا گیا، تو صرف معتبر ہو جائے گا۔^(۱)

مذکورہ شرط کی اہمیت

بیع صرف میں ”تقابض“ کی شرط کی اہمیت حضرت عمر اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی درج ذیل دو روایتوں سے معلوم ہوتی ہے:-

عن ابن عمر ان عمر قال: لا تبیعوا الذہب بالذہب الا
مثلاً بمثل ولا تبیعوا الورق بالذہب احدهما غائب والاخر
ناجز وان استنظرت ان یلجہ بیتہ فلا تنظرۃ الا ید ایدہ
ہات و ہات اتی اخشی علیکم الربا۔

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سونے کو سونے کے ساتھ
مت بیچو مگر یہ کہ برابر برابر ہو، اور چاندی کو سونے کے ساتھ مت بیچو
جن میں سے ایک غائب ہو، اور دوسرا حاضر ہو، اور اگر وہ تم سے گھر

(۱) البحر الرائق:

”واما التقابض فالمراد التقابض قبل الافتراق بایدئہما بان یاخذ ہذا فی جہۃ و ہذا فی
جہۃ، فان مشیا میلًا او اکثر ولم یفارق احدهما صاحبه قلبا بمثلہما قین“ (۳۲۲/۱)
کذا فی الفقہ الاسلامی وادلتہ: ”کذلک لا یحصل التفرق ان ناما فی المجلس او اغمی
علیہما او قاما عن المجلس فذہبیا معاً فی جہۃ واحداً وطریق واحد الغ“ (۲۳۷/۳)

میں داخل ہونے کی مہلت مانگے، تو اس کو یہ مہلت مت دو، مگر یہ ہاتھ ڈر ہاتھ ہو، یہ دیا اور یہ لیا، مجھے آپ لوگوں کے بارے میں برباکا خوف ہے۔“ (۱)

غور فرمائیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شرط تقابض کو بیع صرف میں کیا اہمیت دیتے ہیں کہ بیع صرف میں عوضین پر قبضے سے قبل گھر میں داخل ہونے کی بھی گنجائش نہیں ہے، اور اس سے بھی زیادہ اہمیت پر دال حضرت ابن عمر کا قول ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:-

”عن ابن عمر رضی اللہ عنہ انه قال: وان وثب من سطح فثب معه“

”اور اگر وہ (احد العاقلین) چھت سے کودے، تو تم بھی اس کے ساتھ ہی کودو (تاکہ مجلس ایک رہے)۔“ (۲)

شرط تقابض پر متفرع چند اہم مسائل

بیع صرف کے معتبر ہونے کے لئے جب جابینین سے قبضہ ضروری ہوا، تو اس پر

درج ذیل اہم مسائل متفرع ہوتے ہیں:-

ابراء، ہبہ، صدقہ، استبدال، مقاصد۔

تفصیل درج ذیل ہے:-

ابراء، ہبہ اور صدقہ

ان تینوں کا حکم ایک ہے، مطلب یہ ہے کہ مثلاً زید اور عمرو کے درمیان ایک دینار کے مقابلے میں ایک دینار کا معاملہ صرف ہوا، زید نے عمرو کو مجلس عقد میں اس کا دینار حوالہ کر دیا، تو زید بری الذمہ ہو گیا، لیکن عمرو نے ابھی تک زید کو اس کا دینار حوالے نہیں کیا

(۱) نصب الراية (۵۶/۳) کذا فی فتح القدیر (۲۶۱/۶)

(۲) حوالہ بالا۔

ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ عمرو کے ذمہ ابھی تک زید کا ایک دینار واجب ہے، تو زید جو صاحب حق ہے، اس نے عمرو سے اس مجلس میں کہا، یہ دینار میں نے تمہیں بہہ کر دیا، یا میں نے تمہیں صدقے کے طور پر دیا، یا میں نے تمہیں اس سے بری کر دیا، اس ابراء، یا بہہ یا صدقے کا تعلق ”ثمن الصرف“ سے ہے، جو ایک دینار ہے۔

اب دو صورتیں ہیں:-

۱- اگر عمرو نے کہا کہ میں نے یہ بہہ یا صدقہ یا ابراء قبول کیا، اس صورت میں عمرو نری الذمہ ہو جائے گا، لیکن بیع صرف باطل ہو جائے گی، کیونکہ ایک جانب سے قبضہ نہیں پایا گیا۔

۲- لیکن اگر عمرو نے اس کو قبول نہیں کیا، تو اس صورت میں ابراء وغیرہ باطل ہو گیا، اور بیع صرف علی حالہ باقی ہے، کیونکہ یہاں ابراء وغیرہ فسخ عقد کے معنی میں ہے، گویا کہ زید اس عقد کو فسخ کرنا چاہتا ہے، اور عمرو اس پر راضی نہیں ہے، اور فسخ شرعاً ایک طرف درست نہیں، اس میں جانبدار کی رضامندی ضروری ہے، اب اگر دوسری جانب سے بھی افتراق سے قبل دینار پر قبضہ پایا جائے، تو بیع صرف درست ہو جائے گی۔

استبدال

مثال مذکور میں اگر عمرو زید کو دینار کے بدلے میں کپڑا دیدے، تو اس کو قبضہ نہیں کہا جائے گا، اور یہ سمجھا جائے گا، کہ قبضہ ابھی تک ہوا نہیں، لہذا استبدال باطل ہوگا، اور بیع صرف علی حالہ باقی ہوگا، اگر افتراق سے قبل زید نے دینار پر قبضہ کر لیا، تو یہ عقد درست ہو جائے گا۔

مقاصہ (Set off)

مقاصہ کے معنی برابری کے ہیں، یعنی برابر برابر کرنا، پھر مقاصہ کی دو قسمیں ہیں:-

۱۔ مقاصہ جبریہ (Compulsory)

۲۔ مقاصد اختیار یہ (Voluntary)

مقاصد جبر یہ (Compulsory)

مقاصد جبر یہ کا مطلب یہ ہے کہ عاقدین چاہیں یا نہ چاہیں، خود بخود مقاصد ہو جاتا ہے، مثلاً زید کے عمر و پر ایک سو دینار اُدھار ہیں، اب کسی معاملے میں عمر و کے زید کے پاس ایسے ہی ایک سو دینار آ گئے، تو ان دونوں کے درمیان خود بخود مقاصد ہو جائے گا، اور دونوں کا دین ساقط ہو جائے گا، زید و عمر و اس پر راضی ہوں یا نہ ہوں، اب اگر دونوں دینوں کی مقدار ایک ہو، تو ایک دوسرے سے مطالبہ بالکل ساقط ہو جائے گا، اور اگر دونوں مقدار میں برابر نہ ہوں، تو کی بیشی کو برابر کیا جائے گا۔

لیکن مقاصد جبر یہ میں ضروری ہے کہ:-

۱۔ ہر شخص ایک دوسرے کی نسبت سے دائن (Creditor) بھی ہو، اور مدین

(Debtor) بھی ہو۔

۲۔ دونوں دین جنس، نوع، صفت، اور کیفیت میں مماثل ہوں، جنس ایک ہو مثلاً دونوں زر ہوں، نوع ایک ہوں مثلاً دونوں ورہم ہوں، صفت اور کیفیت ایک ہوں، مثلاً دونوں کھرے یا دونوں کھوٹے ہوں۔ مقاصد میں کمیّت (مقدار) کا ایک ہونا ضروری نہیں۔

مقاصد اختیار یہ (Optional)

مقاصد اختیار یہ جو اصحاب حق کی باہمی رضامندی سے ہو، مثلاً زید کا عمر و کے ذمہ دس دینار واجب ہیں، اور عمر و کا زید کے ذمہ ایک من گندم ہے، اب دونوں اس بات پر راضی ہو گئے کہ ہم ان دونوں کا مقاصد کرتے ہیں کہ زید اپنا حق چھوڑے اور عمر و اپنا حق چھوڑے، تو یہ جائز ہے۔

جب یہ تمہید سمجھ میں آ گئی تو اب اصل مسئلے کی تفصیل یہ ہے کہ:-

مثلاً زید نے عمرو کے ہاتھ ایک دینار کے بدلے میں دس درہم بیچے، تو ذرا ہم دینار زید کے ذمہ واجب ہے، اور دینار دینا عمرو کے ذمہ واجب ہے۔

زید ۱۰ درہم ۱۰ دینار ۱۰ دینار عمرو

عمرو نے زید کو دینار دے دیا، اور دس درہم ابھی زید کے ذمہ عمرو کے لئے واجب ہیں، لیکن عمرو کے ذمہ زید کے بھی کسی اور معاملے میں درہم واجب الاداء ہو گئے:-

زید ۱۰ درہم صرف ۱۰ دینار ۱۰ درہم (کسی اور معاملے میں) اور ایک دینار عمرو

اب دونوں مقاصد کرنا چاہتے ہیں، تو کیا مقاصد ہو سکتا ہے؟
تین صورتیں ہیں:-

۱- عمرو کے ذمہ زید کے دس درہم عقد صرف سے قبل کسی وجہ سے واجب ہو چکے تھے، اس صورت میں یہ مقاصد استحساناً درست ہوگا، اگرچہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ مقاصد درست نہ ہو، کیونکہ ایک جانب قبضہ نہیں پایا گیا، اور یہ مقاصد اختیار یہ ہوگا، یعنی اگر دونوں مقاصد کرنا چاہیں، تو کر سکتے ہیں، ورنہ نہیں۔

۲- عمرو کے ذمہ زید کے دس درہم عقد صرف کے بعد کسی قبض مضمون (قبضہ جو موجب ضمان ہو مثلاً غصب وغیرہ) کے ساتھ واجب ہو گئے، مثلاً عمرو نے زید سے دس درہم غصب کئے، اس صورت میں جبری مقاصد ہوگا۔

۳- عمرو کے ذمہ زید کے دس درہم عقد صرف کے بعد کسی عقد کی وجہ سے واجب ہوں، مثلاً عمرو نے زید سے دس درہم میں کپڑا خریدا اب یہ دس درہم عمرو کے ذمہ اس عقد بیع کی وجہ سے زید کے لئے واجب الاداء ہیں، اس صورت میں جبری مقاصد تو بالاتفاق جائز نہیں، البتہ باہمی رضامندی سے اگر یہ دونوں مقاصد کرنا چاہیں، تو صحیح روایت کے مطابق دونوں مقاصد کر سکتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ پہلی اور تیسری صورت میں مقاصد اختیار یہ ہوگا، اور دوسری صورت

میں مقاصد جبریہ ہوگا۔^(۱)

تمثیل / مماثلت (Similarity)

تمثیل یا مماثلت کے معنی ”برابری“ کے ہیں، بیچ صرف میں اس کا مطلب یہ ہے کہ جب عوضین ہم جنس ہوں، مثلاً دینار کے مقابلے میں دینار یا درہم کے مقابلے میں درہم کی بیچ ہو رہی ہو، تو اس صورت میں کسی ایک جانب کسی قسم کی کوئی زیادتی جائز نہیں، خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہو، اور اس سلسلے میں جید (عمدہ) اور رذی (گھٹیا) برابر ہیں، برتن کی شکل میں ہوں، زیور کی صورت میں ہوں، ڈلی کی شکل میں ہوں، یا سکر کی شکل میں ہوں، کیونکہ اس سلسلے میں وارد احادیث مطلق ہیں، وہ اطلاق کی وجہ سے تمام صورتوں کو شامل ہیں، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

”الذهب بالذهب والفضة بالفضة (الی ان قال:) مثلا بمثل

سواء بسواء یدا یدا فاذا اختلفت هذه الاصناف فمبعوا

کمف شنتم اذا کان یدا یدا۔“

”سونا سونا کے مقابلے میں اور چاندی چاندی کے مقابلے میں

..... برابر برابر اور ہاتھ در ہاتھ بیچو، جب یہ قسمیں مختلف

ہو جائیں، تو پھر جس طرح مرضی ہو، بیچو، لیکن اس صورت میں بھی

ہاتھ در ہاتھ بیچنا ضروری ہے۔“^(۲)

البتہ عوضین اگر ہم جنس نہ ہوں، تو اس صورت میں تمثیل ضروری نہیں، مثلاً ایک

جانب درہم ہے، اور دوسری جانب دینار ہے، تو اس صورت میں تفاضل (زیادتی) جائز

(۱) البحر الرائق (۳۲۲/۲) فتح القدیر (۲۵۸/۲) الفقہ الاسلامی وادلتہ (۲۳۹/۲)

(۲) رواہ البخاری فی کتاب البیوع باب ۸، ۸۱، ۸۲، ومسلم فی کتاب المساقاة حدیث ۷۷۲،

۸۱، ابوداؤد فی کتاب البیوع باب ۱۲، ۱۷، الترمذی فی کتاب البیوع باب ۳۲-۳۳،

ہے، جیسا کہ حدیث مذکور میں اس کی صراحت ہے کہ جب اقسام مختلف ہوں، تو جیسی مرضی ہو فروخت کیا کرو، البتہ تقابض اس صورت میں بھی ضروری ہوگا۔

اس شرط پر متفرع چند اہم مسائل

$$۱- ۲ درہم + دینار = ۲ دینار + درہم$$

یہ معاملہ جمہور احناف کے نزدیک جائز ہے، کیونکہ اس میں:-

$$\text{دو درہم} = \text{دو دینار اور ایک دینار} = \text{ایک درہم}$$

جنس مختلف ہونے کی وجہ سے اس میں کمی بیشی جائز ہے۔

$$۲- ۱۱ درہم = ۱۰ درہم + دینار$$

یہ عقد درست ہے، کیونکہ اس میں:-

$$۱۰ درہم = ۱۰ درہم اور درہم = دینار$$

دس درہم دس درہم کے مقابلے میں آکر مساوات ثابت ہوگئی اور ایک درہم ایک دینار کے مقابلے میں آیا، جس میں جنس مختلف ہونے کی وجہ سے مساوات ضروری نہیں۔

$$۳- ۱۰ درہم = ۹ درہم + دوسری کوئی چیز (یا)$$

$$۱۰ دینار = ۹ دینار + دوسری کوئی چیز$$

اس کی تین صورتیں ہیں:-

۱- ”دوسری چیز“ کی قیمت ایک درہم (پہلی مثال میں) یا ایک دینار (دوسری

مثال میں) کے برابر ہے۔

۲- ”دوسری چیز“ کی قیمت ایک درہم یا ایک دینار سے کم ہے۔

۳- ”دوسری چیز“ کی کوئی قیمت نہیں۔

پہلی صورت میں یہ عقد بلا کراہت جائز ہے، دوسری صورت میں کراہت کے

ساتھ جائز ہے، اور تیسری صورت میں یہ عقد درست ہی نہیں۔

اس دوسری صورت میں یہ حیلہ ممکن ہے کہ ایک جانب جو سونا یا چاندی زائد ہے، اس کو اس ”دوسری چیز“ کے مقابلے میں رکھا جائے، تو خلافِ جنس ہونے کی وجہ سے کوئی کراہت نہ ہو، لیکن اس کے باوجود یہ صورت مکروہ قرار پائی، کیونکہ اگر اس کی اجازت دی جائے، تو لوگ اس کو رہا الفضل کے جواز کے لئے ایک حیلہ بنالیں گے، اور اس طرح رہا الفضل کا دروازہ کھل جائے گا، چنانچہ حضرت امام محمدؒ سے جب اس صورت کے بارے میں پوچھا گیا کہ:-

کیف تجدد فی قلبک ؟
”آپ دل میں یہ صورت کیسی ہے؟“

تو انہوں نے فرمایا:-

مثل الجمیل----

”پہاڑ کی طرح“ (۱)

خیار شرط (Optional Condition)

اس کو سمجھنے سے قبل خیار کی مشہور قسموں کا مختصر تعارف ضروری ہے، تو یاد رکھنا چاہئے کہ خیار کی تین مشہور قسمیں ہیں:-

۱۔ خیار شرط

۲۔ خیار رد ویت

۳۔ خیار عیب

خیار کی تعریف

خیار (Option) کی تعریف یہ کی گئی ہے:-

”حق العاقد فی فسخ العقد او امضاء لظهور مسوغ شرعی
او بمقتضى اتفاق عقدی۔“
”فتح عقد یا تحفیذ عقد کا وہ حق جو عاقد کو اس وقت حاصل ہوتا ہے،
جب معاملے میں کوئی شرعی مجوز ظاہر ہو جائے، یا کسی ایسے معاہدے
کی وجہ سے جو عقد میں ہوا ہوتا ہے۔“ (۱)

خیار شرط

اس میں اضافت مسبب کی سبب کی طرف ہے، یعنی وہ خیار جو شرط کی وجہ سے
حاصل ہوتا ہے، یعنی اگر یہ شرط نہ ہوتی، تو یہ خیار بھی حاصل نہ ہوتا۔ (۲)
خیار شرط کی تعریف یہ کی گئی ہے:-

”ان يشترط في العقد او بعده الخيار لاحد المتعاقدين
او كليهما في فسخ العقد وامضاءه“
”عقد میں یا بعد میں کسی ایک عاقد یا دونوں کے لئے فتح عقد یا تحفیذ
عقد کی شرط لگائی جائے۔“

یعنی خیار شرط کا مطلب یہ ہے کہ عقد میں کسی ایک عاقد یا دونوں کا اس بات کا
اختیار دیا جائے کہ اگر وہ چاہے یا چاہیں، تو اس عقد کو اتنے دنوں میں فتح کرے یا کریں، اور
یا اس کو نافذ کرے یا کریں، اب اس شرط کی بنیاد پر جس کو اختیار حاصل ہو، وہ مقررہ مدت
کے اندر اس شرط کے مطابق اپنا اختیار استعمال کر سکتا ہے، چاہے تو اس عقد کو ختم کرے، اور
چاہے تو اس کو نافذ کرے، مثلاً زید مرد سے کہتا ہے کہ میں تم سے یہ گھڑی خریدتا ہوں لیکن
مجھے تین دن کا اختیار ہے گا۔

(۱) الخيار والفسخ في العقود، ابو غده (الدكتور عبد الستار ابو غده)، الكويت، مطبعة

مقهوى، طبع دوم ۱۴۰۵ (۱۳/۱) (۳۳)

(۲) حوالہ بالا (۱۳/۱) (۱۹۴)

خیار شرط کے لئے مدت مقرر کرنا ضروری ہے، اور یہ مدت امام صاحبؒ کے نزدیک زیادہ سے زیادہ تین دن ہیں، اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک تین دن سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔^(۱)

خیار رؤیت

اس میں بھی اضافتِ سببیہ ہے، یعنی وہ خیار جو رؤیت کی وجہ سے مشتری کو حاصل ہو، بلکہ عدم رؤیت کی وجہ سے حاصل ہو۔
خیار رؤیت کی تعریف یہ کی گئی ہے:-

”حق یتثبت به للمتملك الفسخ او الامضاء عند رؤية محل

المعین الذی عقد علیہ ولم یرک۔“

”وہ حق ہے جس کی وجہ سے مالک بننے والے کو فسخ یا حنفیہ کا اختیار حاصل ہوتا ہے، جب وہ اس معین محل کو دیکھا جائے جس پر عقد پر واقع ہو، اور اس کو دیکھا نہ ہو۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی نے جو چیز کو نہ دیکھا ہو، اور بن دیکھے اس کو خریدے، تو دیکھنے کے بعد مشتری کو اختیار ہوتا ہے کہ چاہے تو اس عقد کو باقی رکھے، اور چاہے تو اس عقد کو نافذ کرے۔

خیار عیب

یعنی وہ خیار جو عیب کی وجہ سے مشتری کو حاصل ہو۔^(۲)

اور خیار عیب کی تعریف یہ ہے:-

”ما ثبت بسبب نقص یخالف ما التزمه البائع عرفاً فی زمان

ضمائنه۔“

(۱) حوالہ بالا (ص ۱۰۳)

(۲) فتح القدیر ۲/۲

”جو ایسے نقصان کی وجہ سے حاصل ہو، کہ جس کا بائع نے زمانہ ضمان

میں عرفاً التزام کیا ہو، اس کے خلاف ہو۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ بائع نے اس بات کو التزام کیا ہے کہ وہ مشتری کو صحیح سالم شے دے گا، لیکن بیع میں کوئی ایسا نقص نکل آتا ہے، جو اس بائع کے التزام کے خلاف ہوتا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ بائع کا التزام باقی نہ رہا لہذا وہ ضامن ہوگا۔^(۱)
ان تینوں خیارات میں عقد خطرہ میں رہتا ہے، یعنی فسخ بھی ہو سکتا ہے، اور نافذ بھی ہو سکتا ہے۔

اب اصل مسئلہ یہ ہے کہ ”بیع صرف“ میں یہ تینوں خیارات جاری ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ تو خوب سمجھنا چاہئے کہ بیع صرف میں چونکہ مجلس عقد میں عوضین پر قبضہ کرنا ضروری ہوتا ہے، اس لئے اس میں خیار شرط کا تصور بھی نہیں ہو سکتا، یعنی زید عمرو سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں تم سے دینار کے بدلے میں دینار یا درہم خریدتا ہوں، لیکن مجھے یا ہم دونوں کو تین دن تک فسخ یا تنفیذ کا اختیار ہے گا۔

البتہ خیار عیب عقد صرف میں جاری ہو سکتا ہے، کہ دونوں عوضین پر قبضہ کریں، تو ظاہر ہے کہ بیع ہوگئی، اور عقد مکمل اور حتمی ہو گیا، اور ملکیت منتقل ہوگئی، لیکن بعد میں کسی ایک جانب میں عیب نکل آیا کہ مثلاً درہم میں کھوٹ غالب تھا، تو اب اس کو خیار عیب حاصل ہوگا، اور اسی طرح خیار رؤیت بھی بیع صرف کے لئے منصر نہیں ہے، لیکن بیع صرف میں جہاں مقابلہ ذکر کے ساتھ ہو، یعنی تعین سے متعین نہ ہوتے ہوں، تو اس میں خیار رؤیت کا تصور نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہاں عقد کا تعلق عین سے ہے نہیں، تو رؤیت کا کوئی فائدہ بھی نہیں، البتہ اگر زیور ہو، یا برتن ہو، یا ڈلی ہو، جو تعین سے متعین ہوتی ہے، تو وہاں خیار رؤیت کا رگر ہوگا۔^(۲)

(۱) الخیار واثره عن العطلاب علی الخلیل (۳۲۷/۳) (۳۳۷/۲)

(۲) الفقه الاسلامی وادلته (۶۳۸/۳)

فائدہ:- اگر بیع صرف میں عاقدین میں سے دونوں یا کسی ایک کے لئے خیار شرط رکھا گیا، تو عقد فاسد ہو جائے گا، البتہ اگر اسی مجلس میں اس خیار کو ختم کر دیا، اور جابین سے مجلس میں قبضہ پایا گیا، تو عقد دوبارہ درست ہو جائے گا، لیکن اگر خیار کے ساتھ ہی مجلس برخاست ہوگئی، تو اب فساد پکا ہو جائے گا، بعد میں اگر خیار ساقط بھی کیا جائے، تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔^(۱)

اجل (Deferred Payment)

یہ بھی بیع صرف کی عدلی شرائط میں سے ہے، یعنی اس کا نہ ہونا بیع صرف کی صحت کے لئے ضروری ہے، اور اس کے ہونے سے بیع صرف باطل ہوگی، اور اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے، کیونکہ بیع صرف میں جب عوضین پر قبضہ ضروری ہوا، تو اگر کسی ایک جانب ثمن مؤجل ہو، تو مجلس عقد میں قبضے کا تحقق نہیں ہوگا، اس وجہ سے بیع صرف کسی بھی جانب اجل کو قبول نہیں کرتی۔

واضح رہے کہ ”اجل“ کا تعلق عام بیوعات میں ثمن سے ہوتا ہے، عام بیوعات اس لئے کہا کہ بیع سلم میں اجل کا تعلق مبیع (Subjet Matter) سے ہوتا، اور صرف میں عوضین میں ہر ایک مبیع بھی ہے، اور ثمن بھی ہے، لہذا جابین کے کسی بھی ثمن اجل کو قبول نہیں کرے گا۔

خیار شرط کی طرح اگر معاملہ مؤجل ہوا، لیکن اسی مجلس میں اجل کو ساقط کر دیا گیا، اور تقابض پایا گیا، تو اس صورت میں بیع صرف درست ہو جائے گی، اور اگر تقابض کے بغیر مجلس برخاست ہوئی، تو یہ فساد مستحکم ہو جائے گا، اور بعد میں اجل ساقط کرنا کارگر نہیں ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ بیع صرف کے معتبر ہونے کے لئے ان چار شرطوں کا وجود اور عدنا ہونا نہایت ضروری ہے، یعنی تقابض اور تماثل کا وجود ہونا ضروری ہے، اور خیار شرط اور اجل کا عدنا ہونا ضروری ہے۔

چند اہم متفرق مسائل

۱۔ یہ قاعدہ ہے کہ جن اشیاء کی بیع میں تفاضل جائز ہوتا ہے، ان میں مجازفہ (تولے ناپے بغیر اندازہ سے) بھی جائز ہوگا، اور جن اشیاء میں تفاضل اور زیادتی جائز نہیں، ان میں مجازفہ بھی جائز نہیں، اور یہ قاعدہ چاروں مذاہب میں متفق علیہا ہے، لہذا سونے کی سونے کے ساتھ بیع یا چاندی کی چاندی کے ساتھ بیع یا گندم کی گندم کے ساتھ بیع مثلاً مجازفہ حرام ہے۔ لیکن چاندی کی سونے کے ساتھ یا گندم کی جو کے ساتھ بیع مجازفہ درست ہے۔

۲۔ اگر کسی نے مثلاً سونے کو سونے کے ساتھ مجازفہ بیچا، تو یہ ناجائز ہے، لیکن اگر پھر اسی مجلس میں دونوں کو تولی گیا، اور دونوں برابر تھے، تو استحساناً یہ عقد درست ہو جائے گا، اور اگر مجلس پر خاست ہوگئی، اور اس کے بعد دونوں کو تولی اور دونوں برابر نکلیں، تو اس صورت میں یہ عقد بدستور فاسد ہی رہے گا۔

۳۔ تلوار تلوار کے مقابلے میں یا تانبے کے کسی برتن کو تانبے کے دوسرے برتن کے ساتھ مجازفہ فروخت ہوا، تو اگر عرف و دستور عدو فروخت کرنے کا ہو، تو یہ عقد جائز ہے، کیونکہ ”عدوی ہونا“ کسی کے نزدیک علتِ ربا نہیں، اور اگر عرف و زمانا بیچنے کا ہو، تو اس صورت میں یہ عقد باطل ہے، کیونکہ وزن جنس علتِ ربا ہے، تو اس میں مجازفت درست نہ ہوگی۔

۴۔ چاندی میں اگر کھوٹ شامل ہو، یا سونے میں کھوٹ شامل ہو، اور اس کو کسی اور دھات کے ساتھ فروخت کیا، تو دیکھا جائے گا، اگر چاندی غالب ہے، تو یہ خالص چاندی کے حکم میں ہے، اور اسی طرح سونا غالب ہو، تو یہ خالص سونے کے حکم میں ہے، لہذا اس طرح کھوٹ والی چاندی یا سونے کو اپنے ہم جنس کے ساتھ تفاضلاً فروخت کرنا درست نہ ہوگا، اور اگر کھوٹ غالب ہے، تو اس کا حکم عام دھات کا ہے، لہذا جس

دھات کے ساتھ اس کا مقابلہ ہو رہا ہے، وہ اگر اس کا ہم جنس ہو، تو اس عقد میں تغاضل جائز نہ ہوگا، ورنہ جائز ہوگا۔

یاد رہے کہ ان مسائل میں ”برابر“ غالب کے حکم میں ہے، یعنی اگر سونے یا چاندی میں سونا یا چاندی کھوٹ کے برابر ہو، تب بھی یہ سمجھا جائے گا کہ یہ خالص چاندی یا خالص سونا ہے، اور اس پر وہی چاندی اور سونے کے احکام جاری ہوں گے۔

۵۔ جس تلوار پر چاندی چڑھائی گئی ہو، اس کو ”سیف مفضض“ کہا جاتا ہے، اور جس تلوار پر سونے کا کام ہوا ہو، اس کو ”سیف مذہب“ کہا جاتا ہے، اس قسم کی تلوار کی بیچ اگر سونے یا چاندی کے ساتھ ہو، تو اگر تلوار میں لگا زیور ثمن والے زر کے جنس سے مختلف ہو، مثلاً سیف مفضض ہے، اور اس کی بیچ سونے کے ساتھ ہوئی، یا سیف مذہب ہے اور اس کی بیچ چاندی کے ساتھ ہوئی، تو یہ بیچ تو درست ہے، کیونکہ یہاں کمی بیشی جائز ہے، لیکن اگر ہم جنس کے ساتھ ہوا، یعنی تلوار کے زیور اور ثمن والا زر ہم جنس ہیں، تو اس صورت میں دیکھا جائے گا، اگر:-

۱۔ تلوار میں سونا اس سونے سے یا تلوار میں چاندی اس چاندی سے زیادہ ہے، جو ثمن ہے، تو یہ بیچ جائز ہے، یعنی ثمن کی مقدار تلوار والے سونے یا چاندی سے زیادہ ہے، تو یہ معاملہ جائز ہے، یہ شکل بنے گی:-

$$\begin{aligned} \text{تلوار کا سونا یا چاندی} &= \text{ثمن کا سونا یا چاندی} \\ \text{بقیہ ثمن} &= \text{تلوار کا نیام وغیرہ} \end{aligned}$$

تلوار میں جتنا سونا یا چاندی ہے، ثمن میں سے اس کی بقدر سونا یا چاندی اس سونے یا چاندی کے مقابلے میں ہو جائے گی، اور ثمن میں سے جو باقی زائد حصہ ہے، وہ تلوار کے نیام وغیرہ کے مقابلے میں آجائے گا، جو مختلف جنس ہیں، تو اس طرح عقد درست ہوگا، اس سلسلے میں حضرات حنفیہ کا ایک مشہور قاعدہ ہے کہ:-

”مبیع جب مختلف اشیاء پر مشتمل ہو، جن میں کوئی شی ثمن کی ہم جنس

ہو، اور کوئی شیئِ مشن کی ہم جنس نہ ہو، تو اس صورت میں مشن اپنے ہم جنس کے ساتھ لگے گا، اور اس طرح بیع درست ہو جائے گی۔“
مثلاً سیف مفضض میں پچاس درہم کی چاندی تھی، اور اس کو سو درہم میں خریدا، یعنی:-

$$\text{سیف} + ۵۰ = ۱۰۰ \text{ درہم}$$

اور مشتری نے ۱۰۰ درہم میں سے صرف ۵۰ درہم ادا کئے، اور پچاس درہم ابھی ادا نہیں کئے، تو یہ معاملہ جائز ہے، کیونکہ اس میں:-

$$۵۰ = ۵۰ \text{ صرف}$$

$$\text{بقیہ } ۵۰ = \text{تکوار سے عام بیع}$$

صرف پچاس درہم تک یہ معاملہ صرف کا ہے، جس میں تقابض پایا گیا، لہذا یہ معاملہ درست ہوا، اور تکوار کی حد تک یہ معاملہ عام بیع ہے، جس میں قبضہ ضروری نہیں۔

۶- اسی سیف مفضض کے مسئلے میں اگر پچاس درہم پر قبضہ نہیں پایا گیا، تو ۵۰ = ۵۰ درہم کی حد تک چونکہ یہ معاملہ صرف کا ہے، لہذا عدم تقابض کی وجہ سے پہلا معاملہ باطل ہو گیا، لیکن دوسرا معاملہ جو تکوار کا ہے، اس معاملے میں درست ہے، یا نہیں؟ تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر:-

الف:- چاندی کو الگ کرنے سے تکوار کو غیر معمولی نقصان پہنچتا ہے، تو تکوار میں معاملہ بھی فاسد ہے، گویا اس صورت میں دونوں معاملے فاسد ہو گئے۔

ب:- لیکن اگر چاندی تکوار سے بآسانی الگ ہو سکتی ہے، تو اس صورت میں تکوار کا معاملہ درست ہوگا، اور باقی تکوار سے اپنی چاندی الگ کر کے تکوار کو ۵۰ درہم کے بدلے میں مشتری کے حوالہ کر دے گا۔

۷- لیکن اگر مذکورہ مسئلے میں مشن تکوار والے سونے یا چاندی کے برابر یا اس سے کم ہو، تو اس صورت میں یہ عقد جائز نہ ہوگا، اور اس کا جائز نہ ہونا بالکل ظاہر ہے، کیونکہ اس

میں رہا افضل ہے۔

۸- ایک باندی ہے، جس کی قیمت ایک ہزار درہم ہے، اور اس کے گلے میں ایک ہزار کا ہار بھی ہے، اس باندی کا سودا دو ہزار درہم میں ہو گیا، پھر مشتری نے صرف ایک ہزار درہم مجلس میں بائع کو ادا کئے، تو یہ عقد درست ہے، کیونکہ:-

$$۱۰۰۰ \text{ درہم} = ۱۰۰۰ \text{ درہم (ہار)}$$

بقیہ ۱۰۰۰ درہم = باندی

پہلا معاملہ صرف صرف کا ہے، اور اس میں تقابض پایا گیا، لہذا اوہ درست ہوا، اور دوسرا معاملہ عام بیع کا ہے، جس میں تقابض شرط نہیں، اور یہاں دوسرا معاملہ بہر حال درست ہے کیونکہ ہار باندی سے الگ کرنا ہر حال میں آسان ہے، بخلاف سیف مفضض کے۔

۹- اسی مسئلے میں اگر ایک ہزار مشتری نے ادا کئے اور ایک ہزار ادا ہار رکھ لئے، تو اجل کا تعلق صرف سے نہیں ہوگا، لہذا صرف درست ہو جائے گا، اور باندی کے مقابلے میں جو ایک ہزار درہم ہیں وہ مؤجل ہیں، جو کہ عام بیع ہے، لہذا اوہ مؤجل ہونے کے باوجود درست ہوگی۔

۱۰- ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ چاندی کا ایک برتن ہے، اس کو کسی نے مثلاً ایک سو میں فروخت کیا، پھر مجلس میں ۵۰ پر قبضہ پایا گیا، اور ۵۰ پر نہیں، تو ۵۰ کی حد تک یہ معاملہ درست سمجھا جائے گا، اور ۵۰ کی حد تک نہیں، لہذا یہ برتن بائع اور مشتری کے درمیان مشترک ہوگا۔^(۱)



(۱) الهدایۃ مع فتح القدیر (۲/۲۶۵)، کنز الدقائق مع البحر الرائق (۲/۳۲۳)، الفقہ

الاسلامی وادلتہ (۳/۶۵۶)۔

ضمیمہ (Appendix)

سونے چاندی، اور زیورات کے چند اہم مسائل
چونکہ ان مسائل کا ”صرف“ سے گہرا تعلق ہے، اور ان کو ذکر کرنا اس مقام پر
مفید ہے، اس لئے ان مسائل کو بعنوان ضمیمہ بیان کئے جاتے ہیں، لیکن اصل مسائل ذکر
کرنے سے قبل چند مقدمات بیان کرنا ضروری ہے، تاکہ ان سے اصل مسائل سمجھنے میں
آسانی ہو:-

چند ضروری مقدمات

مقدمہ ۱۔

جب دونوں طرف سونا یا دونوں طرف چاندی ہو، تو لین دین میں ضروری ہے کہ
ہاتھ ذر ہاتھ اور مقدار میں برابر ہو۔ البتہ اگر ایک طرف سونا اور دوسری طرف چاندی ہو، تو
مقدار میں کمی بیشی ہو سکتی ہے، لیکن ہاتھ ذر ہاتھ ہونا اس میں بھی ضروری ہے۔

”الذهب بالذهب مثلاً بمثلاً والفضة بالفضة مثلاً بمثلاً،

والتمر بالتمر مثلاً بمثلاً والبر بالبر مثلاً بمثلاً، والملح

بالمح مثلاً بمثلاً، والشعير بالشعير مثلاً بمثلاً فمن زاد

اوازداد فقد اربى، يبيعوا الذهب بالفضة كيف شئتم يدا

بيد، الحديث (۱)

(۱) کنز العمال، المتقی (علاء الدین علی المتقی الہندی) عدد الحدیث ۴۶۶۔

”سونے کو سونے کے بدلے میں برابر سراسر پیچو، چاندی کو چاندی کے بدلے میں برابر سراسر پیچو، کھجور کو کھجور کے بدلے میں برابر سراسر پیچو، گندم کو گندم کے مقابلے میں برابر سراسر پیچو، نمک کو نمک کے بدلے میں برابر سراسر پیچو، جو کو جو کے بدلے میں برابر سراسر فروخت کرو، لیکن جو شخص اضافے کا لین دین کرے، وہ برباد کا معاملہ کرے گا، البتہ سونے کو چاندی کے بدلے میں جس طرح چاہے، فروخت کرو، بشرطیکہ دست در دست ہو، اور جو کو کھجور کے بدلے میں جس طرح چاہو، فروخت کرو، بشرطیکہ دست در دست ہو۔“

مقدمہ ۲

جب سونے کا سونے سے یا چاندی کا چاندی سے تبادلہ کیا جائے، تو مقدار کا برابر ہونا واجب ہے اگرچہ ایک طرف سونا چاندی خالص ہو، اور دوسری طرف سونے چاندی میں کچھ کھوٹ ملا ہو۔

عن الشعبي ان عبد الله بن مسعود باگ نفاية بيت المال زيوتا وقسيانا دراهم دون وزنها فنهاه عمر عن ذلك وقال: او قد عليها حتى يذهب مافيها من حديد او نحاس وتخلص ثم بع الفضة بوزنها۔

شعبي کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیت المال کی ردی یعنی کم وزیادہ کھوٹ ملے دراہم کو کھرے دراہم کے عوض کمتر وزن میں فروخت کیا، تو حضرت عمرؓ نے انہیں اس سے منع کیا، اور فرمایا کہ اس کو آگ پر تپاؤ یہاں تک کہ اس میں ملا ہوا لوہا اور تانبہ علیحدہ ہو جائے اور خالص چاندی رہ جائے، پھر اس کو برابر وزن

کی چاندی کے عوض فروخت کرو۔“ (۱)

محمد بن سیرین قال: خطب عمر بن الخطاب فقال: الا ان الدھم بالدھم والدينار بالديناعينا بعين سواء يسواء مثلاً بمثل فقال له عبدالرحمن بن عوف: تزيف علينا اور اقنا فنعطى الخبيث وناخذ الطيب فقال عمر: لا، ولكن ابترع بها عرضاً فاذا قبضته وكن لك فبعه واهضم ماشئت وخذ اي نقد شئت۔

محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے خطبہ دیا اور کہا کہ خبردار درہم کی بیع درہم کے عوض اور دینار کی بیع دینار کے عوض میں نقد و نقد اور برابر برابر ہونی چاہئے، عبدالرحمن بن عوفؓ نے پوچھا کہ ہماری چاندی کھوٹی ہو جاتی ہے ہم گھٹیا چاندی دے کر (کم مقدار میں) عمدہ چاندی عوض میں خرید لیتے ہیں، حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ یہ جائز نہیں، البتہ اپنی گھٹیا چاندی کے عوض کچھ سامان خرید لو، جب تم اس پر قبضہ کر لو، اور وہ تمہارا ہو جائے، تو اس کو فروخت کر دو۔“ (۲)

مقدمہ ۳۔

ہمارے موجودہ رواج میں روپیہ دھات کے سکے کا نام ہے، یہ سکے ایسے ہی جیسے پچیس پیسے یا پچاس پیسے کے سکے ہوتے ہیں، دس روپے کے کاغذ کا نوٹ دھات کے روپے کے سکے کا متبادل ہے، قیام پاکستان سے قبل روپے کا سکہ چاندی کا ہوتا تھا، لیکن

(۱) اعلیٰ السنن، العثمانی، (علامہ ظفر احمد العثمانی) کراتشی، ادارۃ القرآن والعلوم

الاسلامیہ (۲۹۸/۳۱)

(۲) ایضاً

موجودہ دور میں روپے کا چاندی یا سونے کا تعلق نہیں ہے، اس لئے یہ فلوس یعنی تانبے کے سکوں کے حکم میں ہے، جب روپیہ چاندی کا ہوتا تھا اس وقت اس سے متعلق احکام اور تھے، اور اب جب وہ تانبے پتیل کا ہے، اس کے احکام مختلف ہیں۔

مقدمہ ۲

سونے چاندی کے روپوں کے عوض اُدھار خرید و فروخت جائز ہے، لیکن سودے کے وقت ایک جانب سے قبضہ ضروری ہے۔

”وفی شرح الطحاوی : لو اشتری مائة فلس بدينهم وقبض
الفلوس او الداهم ثم افترقا جاز البيع لانهما افترقا عن
عين بدين۔“

”اور شرح طحاوی میں ہے کہ اگر کسی نے ایک درہم کے بدلے سو
فلس خریدیں، اور فلوس یا درہم پر قبضہ کر لیا، اور پھر دونوں الگ
الگ ہو گئے، تو یہ بیع جائز ہے، کیونکہ اس میں دین کے بدلے میں
عین کا سودا کر کے جدا ہو گئے۔“ (۱)

”سئل الحانوتی عن بيع الذهب بالفلوس نسمة فاجاب بانه
يجوز اذا قبض احد البدلين لما في البزازیة:

”علامہ حانوتی“ سے فلوس کے بدلے سونے کو اُدھار فروخت کرنے
کے بارے میں سوال کیا گیا، تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ جائز ہے،
بشرطیکہ ایک بدل پر قبضہ ہو، کیونکہ بزازیہ میں مذکور ہے کہ اگر کوئی شخص
سوفلس ایک درہم کے بدلے خریدے، تو ایک جانب سے قبضہ کافی
ہے، فرمایا، اسی طرح اگر فلوس کے بدلے چاندی یا سونے کو بیچا۔“

علامہ سرخسیؒ کا ترجمان بھی اسی طرف ہے، چنانچہ فرمایا:-

وَإِذَا اشْتَرَى الرَّجُلُ فُلُوسًا بَدَّاهُمْ وَقَدَّ الثَّمَنَ وَلَمْ تَكُنِ
الْفُلُوسُ عِنْدَ الْبَائِعِ فَالْبَيْعُ جَائِزٌ، لِأَنَّ الْفُلُوسَ الرَّائِجَةَ ثَمَنَ
كَالْمَقْشُودِ، وَقَدْ بَيَّنَّا أَنَّ حَكْمَ الْعَقْدِ فِي الثَّمَنِ
وَجُوبُهَا وَوُجُودُهَا مَعًا وَلَا يَشْتَرِطُ قِيَامُهَا فِي مَلِكٍ بِإِلْعَاقِهَا
لِصِحَّةِ الْعَقْدِ كَمَا لَا يَشْتَرِطُ ذَلِكَ فِي الدَّاهِمِ وَالْذَنَائِرِ-

”جب ایک آدمی ذراہم کے بدلے میں فلوس خریدے، اور ثمن
(ذراہم ادا کئے) ادا کیا، اور فلوس بائع کے پاس نہیں تھے، تو یہ جائز
ہے، کیونکہ فلوس رائجہ نقد کی طرح ثمن ہیں، اور ہم یہ بیان کر چکے
ہیں کہ ثمن میں عقد کا حکم صرف اس کا وجوب اور وجود ہے، اور ثمن کا
بوقت عقد بائع کی ملکیت میں ہونا صحت عقد کے لئے ضروری نہیں،
جیسا کہ یہ ذراہم اور ذنائیر میں یہ شرط نہیں ہے۔“ (۱)

چونکہ روپے بھی فلوس کے حکم میں ہے، لہذا مندرجہ بالا عبارات کی روشنی میں
سونے چاندی کی خرید و فروخت روپے کے عوض میں جائز ہے، البتہ یہ شرط ہے کہ ایک
جانب سے مال پر قبضہ جدا ہونے سے پہلے کر لیا جائے، دونوں طرف ادھار ہو، تو یہ جائز
نہیں، خواہ کتنی ہی تھوڑی مدت کے لئے ہو، کیونکہ اس صورت میں یہ بیع الکالی بالکالی کے حکم
میں ہوگا، اور اس سے احادیث میں ممانعت آئی ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ان النبی ﷺ نہی عن

بیع الکالی بالکالی

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ

(۱) البیہقوت للسرخسی (شمس الدین السرخسی) بیروت، لبنان، دارالمعرفة، طبع

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھار کی ادھار کے عوض بیع سے منع فرمایا ہے۔^(۱)

سونے کے زیور کی سونے کے عوض اور چاندی کے زیور چاندی کے عوض خرید و فروخت

سونے کے زیور کی سونے کے عوض اور چاندی کے زیور چاندی کے عوض خرید و فروخت کی پیشی کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں۔

”عن ابی رافع قال مر بی عمر بن الخطاب ومعه ورق فقال : اصنع لينا اوضاحا لصبی لنا، قلت : یا امیر المؤمنین عندی اوضاح معموله فان شئت اخذت الورق واخذت الاوضاح فقال عمر مثلاً بمثل، فقلت : نعم فوضع الورق فی کفة المیزان والاوضاح فی الكفة الاخری فلما استوی المیزان اخذ باحدى یدیه واعطی بالآخری۔“

”ابو رافع کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ میرے پاس آئے، آپ کے پاس چاندی تھی، اور کہا کہ ہماری ایک کچی کے لئے پازیب بنادو، میں نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! میرے پاس بنے ہوئے پازیب رکھے ہیں، آپ چاہیں تو چاندی میں لے لیتا ہوں، اور آپ پازیب لے لیں، حضرت عمرؓ نے پوچھا، برابر وزن دینے میں تیار ہو، میں نے کہا جی ہاں، تو حضرت عمرؓ نے چاندی ترازو کے ایک پلڑے میں رکھی، اور پازیب دوسرے میں، جب ترازو سیدھی

(۱) الهدایة فی تخریج احادیث الهدایة للعسقلانی (شہاب الدین احمد بن علی بن محمد بن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ) المكتبة الاثرية شخبوپوره پنجاب (۱۵۷۱ھ)

ہوگئی، تو اپنے ایک ہاتھ سے پازیب کو لیا، اور دوسرے ہاتھ سے چاندی پکڑائی۔“
(معانی الآثار)

”عن ابی رافع انه قال لعمر انی اصوغ الذهب فابیعه بوزنه
واخذ عمالة یدی اجرا قال لا تبع الذهب بالذهب الا وزنا
بوزن والفضة بالفضة الا وزنا بوزن ولا تاخذ فضلا۔“

”ابورافع سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں سونے کو ڈھالتا ہوں، یعنی اس کا زیور بناتا ہوں، اور اس کو اتنے ہی وزن کے سونے کے عوض فروخت کرتا ہوں، اور ساتھ ہی میں اپنی مزدوری لیتا ہوں، حضرت عمرؓ نے فرمایا: سونے کو سونے کے عوض میں اور چاندی کو چاندی کے عوض میں مت فروخت کرو مگر برابر برابر اور زائد مت لو۔“

”عن ابی رافع مولی رسول الله ﷺ قال: احتجنا فاخذت
خلخال امرأتی فی السنة التي استخلف فيها ابوبکر فلقینى
ابوبکر فقال ما هذا فقلت: احتاج الحی الی نفقة فقال ان
معی ورقا ارید بها فضة فدعا بالمیزان فوضع الخخالین
فی کفة ووضع الورق فی کفة فشف الخخالین نحو امن
دائق فقرضه، فقلت: یا خلیفة رسول الله ﷺ هو لك حلال،
فقال: یا ابارافع انک ان احللتہ فان الله لا یحله سمعت
رسول الله ﷺ یقول: الذهب بالذهب وزنا بوزن والفضة
بالفضة وزنا بوزن الزائد والمستزید فی النار۔“

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ابورافع کہتے ہیں کہ
جس سال حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ بنے، اس سال ہمیں ضرورت

لاحق ہوئی، تو میں نے اپنی بیوی کا پازیب لیا، راستے میں حضرت ابو بکر صدیقؓ ملے، تو انہوں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے میں نے جواب دیا کہ گھر والے خرچے کے محتاج ہو گئے ہیں، اس پر حضرت ابو بکرؓ نے کہا: میرے پاس چاندی کے سکے ہیں، میں ان کے بدلے چاندی کا زیور لینا چاہتا ہوں، پھر انہوں نے ترازو منگوائی اور دونوں پازیب ایک پلڑے میں رکھے، اور چاندی دوسرے پلڑے میں، پازیب ایک دانق کے بقدر وزن زائد ہو گئے، تو حضرت ابو بکرؓ نے پازیب میں سے اتنی چاندی توڑ دی، میں کہا کہ اے رسول اللہ کے خلیفہ! یہ آپ کے لئے حلال ہے، تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا: ابورافع! اگر تم اس کو حلال کر دو، تو اللہ اس کو حلال نہیں کرتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ سونے کو ہم وزن سونے کے عوض فروخت کرو، اور چاندی کو ہم وزن چاندی کے عوض فروخت کرو، زائد وزن دینے والا اور زائد وزن لینے والا جہنم میں ہوں گے۔“

”عن مجاہد انه قال : كنت مع عبد الله بن عمر فجاه صاع فقال يا ابا عبد الرحمن اني اصوغ الذهب ثم ابيع الشئ من ذلك باكثر من وزنه فاستفضل من ذلك قد عمل يدي فنهاه عبد الله بن عمر فجعل الصاع يردد عليه المسئلة وعبد الله ينهاه حتى انتهى الى باب المسجد او الى دابته يريد ان يركبها ثم قال عبد الله : الدينار بالدينار والدرهم بالدرهم لا فضل بينهما هذا عهد نبينا المينا وعهدنا المكم۔“

”حضرت مجاہدؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس تھا کہ ایک سار ان کے پاس آیا اور کہا کہ اے ابو عبد الرحمن! میں زیور بناتا ہوں، پھر اس کو زائد سونے کے عوض فروخت کرتا ہوں، اور زائد وزن اپنی مزدوری کے بقدر طے کرتا ہوں، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس کو اس طرح کرنے سے منع فرمایا، سار بار بار اپنا سوال دہراتا رہا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ بار بار اس کو منع کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ مسجد کے دروازے تک آئے یا اپنی سواری تک آئے جس پر ان کو سوار ہوتا تھا، پھر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ دینار کو دینار کے عوض اور درہم کو درہم کے عوض فروخت کرو، مگر کسی طرف زائد نہ ہو، اسی کی تعلیم ہمیں ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دی اور اسی کی تعلیم ہم تمہیں دیتے ہیں۔“

”عن عطاء بن یسار ان معاوية بن ابی سفيان باع سقاية من ذهب او ورق باكثر من وزنها فقال له ابو الدرداء سمعت رسول الله ﷺ ينهى عن مثل هذا الا مثلا بمثل فقال له معاوية: ما اري بمثل هذا باسا فقال ابو الدرداء: من يعذني من معاوية انا اخيرة من رسول الله ﷺ ويخبرني عن رايه لا اساكنك بارض انت بها ثم قدم ابو الدرداء على عمر بن الخطاب فذكر له ذلك فكتب عمر الى معاوية الا يبيع مثل ذلك الا مثلا بمثل وزنا بوزن۔“

”عطاء بن یسارؒ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ نے سونے یا چاندی کا کٹورا اس سے زائد وزن کے عوض میں فروخت کیا، تو ان سے حضرت ابو درداءؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کو اس جیسے سودے سے منع کرتے ہوئے سنا ہے، اِلا یہ کہ برابر برابر وزن کے ہوں، جواب میں حضرت معاویہؓ نے ان سے کہا کہ میں تو اس میں کچھ حرج نہیں پاتا، اس پر حضرت ابودرداءؓ نے کہا کہ کون مجھے معاویہؓ سے معذور رکھتا ہے میں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات بتاتا ہوں، اور یہ مجھے اپنی رائے بتلاتے ہیں، پھر حضرت معاویہؓ سے کہا کہ جس جگہ آپ ہوں گے تو وہاں آپ کے ساتھ نہیں رہوں گا، پھر حضرت ابودرداءؓ حضرت عمر فاروقؓ کے پاس (مدینہ منورہ) چلے آئے، اور ان سے ساری بات ذکر کی، تو حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت معاویہؓ کو لکھا ایسے سودے نہ کرو، مگر ہم وزن اور برابر برابر۔“ (الکلی ماخوذ من اعلیٰ السنن ۱۲/۲۸۹، ۲۸۸)

نتیجہ

ان تمام آثار و روایات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ سونے کے تیار زیور کو زائد سونے کے عوض میں اور چاندی کے تیار زیور کو زائد چاندی کے عوض میں فروخت کرنا جائز نہیں، اگرچہ اس اضافے کو مزدوری کا نام دیا جائے، اس اضافے کو مزدوری کے حور پر لیا جائے۔

آج کل بھی مسئلہ یہی ہے کہ سونے کے تیار زیور کو زائد سونے اور چاندی کے تیار زیور کو زائد چاندی کے بدلے میں فروخت کرنا جائز نہیں، اگرچہ اضافہ مزدوری کے طور پر ہو، بلکہ مزدوری کی صورت یہ ہے کہ بجائے سونے یا چاندی میں اضافہ کرنے کے نقد رقم لی جائے، جسے ہوائی کہتے ہیں۔

تفریعات

۱- ایک سنار اپنے یہاں کچھ زیور تیار کرتا ہے جس میں ۲۲ کیرٹ کا سونا لگا تا

ہے، نگینے وغیرہ لگاتا ہے، پھر اس زیور کو دکاندار کے پاس فروخت کرنے کے لئے لے جاتا ہے، دکاندار اس زیور کو پسند آنے پر اپنے یہاں رکھ لیتا ہے، پھر مزدوری تو اسی وقت یا کچھ دن کے بعد دے دیتا ہے، اور زیور کے وزن کے مساوی خالص سونا کچھ دن بعد یکمشت یا قسطوں میں ادا کرتا ہے، کیا یہ صورت جائز ہے؟

جواب یہ ہے کہ جس میں کچھ کچھ کھوٹ ملا ہو، لیکن کھوٹ مغلوب ہو، یعنی سونے کی مقدار سے کم ہو، اس کی خرید و فروخت میں اس کا حکم وہی ہوتا ہے جو خالص سونے کا ہوتا ہے جیسا کہ اوپر مقدمہ ۲ میں گزرا۔ اور اس میں چونکہ دونوں طرف سونا ہے، اس لئے اس کی ادھار بیع ناجائز ہے، جیسا کہ مقدمہ ۱ میں گزرا۔

اس کی متبادل جائز صورت یہ ہے کہ دکاندار سنار سے زیور ادھار روپوں میں خرید لے، اور پھر قیمت یکمشت یا قسطوں میں ادا کرے، یہاں ادھار جائز ہے، کیونکہ ایک طرف سونا ہے، جو شمن خلقی ہے، اور دوسری طرف کرنسی ہے جو شمن عرفی ہے، جس کا لین دین بیع صرف نہیں، لہذا اس میں ادھار جائز ہے، بشرطیکہ زیور پر قبضہ ہو جائے، تاکہ بیع الکالی بالکالی لازم نہ آئے۔

۲۔ سنار حضرات دکاندار سے آرڈر لے کر یا خود اس کے آرڈر دینے پر اپنے سونے سے مختلف چیزیں بنا کر اسے دے دیتے ہیں، وہ اسے مزدوری اسی وقت یا بعد میں جب سنار کو ضرورت ہو دے دیتا ہے، اور سونا جب سنار کو ضرورت ہو، اور وہ مطالبہ کرے، اس وقت یکمشت یا تھوڑا تھوڑا کر کے دیتا ہے، کیا یہ صورت جائز ہے؟

جواب یہ ہے کہ یہ صورت بھی ناجائز ہے، کیونکہ یہ سونے کی سونے کے عوض بیع ہے، اور اس میں ادھار ہو رہا ہے، جو بیع صرف ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، اس کا بھی متبادل طریقہ وہی ہے، جو نمبر ۲ میں گزر چکا۔

۳۔ بہت سے لوگ اپنی رقم لگا کر مکمل زیورات تیار کرنے کا کام کرتے ہیں، ان زیورات میں اصلی جواہرات یا نعلی نگینے جڑے ہوئے ہوتے ہیں، کچھ زیورات بغیر نگینوں

کے ہوتے ہیں یعنی سادہ ہوتے ہیں، تیار زیورات عام طور پر بنانے والے دکانداروں کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں، ان کے لین دین کا مروجہ طریقہ یہ ہے کہ تمام زیورات کل وزن کی بنیاد پر فروخت کئے جاتے ہیں۔

کل وزن کے بدلے خالص سونا لیا جاتا ہے، اور مزدوری بھی وزن کے حساب سے مقرر ہوتی ہے، عام طور پر فروخت کرنے والے کو خالص سونا اور رقم حاصل ہوتی ہے، اس کا تصور یہ ہے کہ کل وزن کے بدلے جو خالص سونا مل رہا ہے، وہ زیور میں موجود ملاوٹ شدہ سونا اس کی چھجٹ اور گینوں کی قیمت کے عوض ملتا ہے، اور نقد رقم مزدوری کے بدلے مل رہی ہے، واضح رہے کہ مزدوری کی رقم کا تعین گینوں کی عمدہ یا ناقص اقسام اور کام کی عمدہ بناوٹ اور خوبصورتی کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ تو کیا ملاوٹ شدہ سونے کے بدلے خالص سونا لینا اور گینوں کے بدلے خالص سونا لینا جائز ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے تو یہ بات معلوم کر لینا ضروری ہے کہ سنار اپنا زیور دکاندار کے ہاتھ فروخت کر رہا ہے، دکاندار کے سونے کے دکاندار کا مطلوبہ عمل نہیں کر رہا، لہذا مزدوری کا جو ذکر کیا گیا ہے وہ حقیقت میں مزدوری نہیں ہے بلکہ زیور کی قیمت ہی کا ایک حصہ ہے۔

مثلاً پانچ تولے جڑاؤ زیور کے بدلے پانچ تولے سونا اور دو ہزار روپے مزدوری کے نام جو طے ہوئے ہوں، تو درحقیقت پانچ تولے جڑاؤ زیور کی قیمت پانچ تولے خالص سونا اور دو ہزار روپے ہوئی۔

اب اگر زیور جڑاؤ ہے اور نگینے جڑے ہوئے ہیں، اور اس میں ملاوٹ شدہ سونا مثلاً تین تولہ ہو، اور گینوں کا وزن دو تولہ ہو، تو بشرطیکہ دونوں طرف لین دین نقد و نقد ہو، یا کم از کم زیور کے ساتھ ساتھ اس میں موجود ملاوٹ شدہ سونے کے وزن کے مقابل خالص سونے پر بھی قبضہ جدا ہونے سے پہلے ہو جائے، تو یہ سودا درست ہے کیونکہ زیور میں موجود ملاوٹ شدہ سونے کے مقابلے میں اتنی مقدار میں خالص سونا ہو جائے گا، اور گینوں کے

مقابلے میں دو تولے خالص سونا اور دو ہزار روپے بن جائیں گے۔
 لیکن اگر زیور سادہ ہو، تو پھر یہ معاملہ ناجائز اور سودی ہو جائے گا، کیونکہ اس وقت
 پانچ تولے سادہ زیور کے مقابلے میں پانچ تولے خالص سونا اور دو ہزار روپے ہوں گے، یہ
 دو ہزار روپے بلا بدل ہو کر سود بن جائیں گے۔

مینا کاری والے زیورات کی سونے چاندی کے عوض خرید و فروخت

کچھ زیورات پر مینا کاری کی جاتی ہے، مینا ایک خالص قسم کا رنگ دار شیشہ ہوتا
 ہے، جس کو باریک پیس کر سونے پر چپکایا جاتا ہے، اور قبل بوٹے بنائے جاتے ہیں، ان
 زیورات کے لین دین میں بھی پورے وزن کے بدلے سونا دیا جاتا ہے، یعنی مینا کاری کا
 وزن کاٹ کر نہیں دیا جاتا، یہ صورت جائز ہے، بشرطیکہ دونوں طرف سے لین دین نقد ہو،
 ادھار نہ ہو، قیمت میں سے کم سے کم اتنی مقدار کے سونے پر قبضہ ضروری ہے جتنا کہ زیور
 میں کھوٹ ملا سونا موجود ہے۔

چند مزید مسائل

۱۔ دو تولے سونا اور ایک تولہ چاندی کو ایک تولہ سونا اور پچاس تولے چاندی کے
 عوض فروخت کرنا صحیح ہے، اور یوں سمجھیں گے کہ دو تولے سونا پچاس تولے چاندی کے عوض
 میں ایک تولہ چاندی ایک تولہ سونا کے عوض میں ہے، ایسا ہم اس وقت سمجھیں گے جب خرید
 و فروخت کرنے والوں نے اپنی زبان سے کچھ اور نہ کہا ہو، اور اگر انہوں نے کہا کہ دو تولے
 سونا ایک تولے سونے کے عوض میں اور ایک تولہ چاندی پچاس تولے چاندی کے عوض میں
 ہے، تو اب ان کی تصریح کا اعتبار ہوگا، اور یہ معاملہ سودی ہو جائے گا۔ (سونا، چاندی اور ان
 کے زیورات کے اسلامی احکام، مفتی عبدالواحد، دارالافتاء جامعہ مدنیہ، کریم پارک، لاہور، تاریخ اشاعت
 ۱۹۹۷ء)۔

۲۔ اپنی انگوٹھی کسی کی انگوٹھی سے بدل لی، تو دیکھو:

الف:- اگر دونوں پر نگہ لگا ہے، تب تو بہر حال یہ بدل لینا جائز ہے، چاہے دونوں کی چاندی یا دونوں سونا برابر ہو یا کم زیادہ، سب درست ہے، البتہ ہاتھ در ہاتھ ہونا ضروری ہے۔

ب:- اور دونوں بے نگ ہوں، تو برابر ہونا ضروری ہے، اگر ذرا کمی بیشی ہوگی ہو، تو سود ہو جائے گا۔

ج:- اگر ایک پر نگ ہو، اور دوسری سادی ہو، تو اگر سادی میں زیادہ چاندی ہو یہ بدلنا جائز ہے ورنہ حرام اور سود ہے، اسی طرح اگر اسی وقت دونوں طرف لین دین نہ ہو، ایک نے تو ابھی دے دی، دوسرے نے کہا کہ میں ابھی تھوڑی دیر میں فلاں جگہ سے آکر دے دوں گا، تو یہ بھی ناجائز ہے۔ (بہشتی زیور)

۳- ایک (چاندی کا) کا مدار دوپٹہ یا ٹوپی وغیرہ دو تولے چاندی کے عوض خریدی گئی، تو دیکھیں گے کہ اس دوپٹے یا ٹوپی میں کتنی چاندی لگی ہے، اگر اس میں مثلاً پانچ تولے چاندی کا کام ہوا ہے، تو پانچ تولے چاندی تو اسی وقت دینا ضروری ہے، اور باقی پانچ تولے چاندی بعد میں بھی دے سکتے ہیں۔

یہی حکم جڑاؤ زیور وغیرہ کی خرید کا بھی ہے، مثلاً جڑاؤ زیور جس میں دو تولے چاندی ہے، پانچ تولے چاندی کے عوض خریدا، تو خریدار پر لازم ہے کہ وہ دو تولے چاندی تو اسی وقت دے دے، قیمت کے باقی تین تولے بعد میں بھی دے سکتا ہے۔^(۱)

چند ناجائز صورتوں کی متبادل جائز صورتیں

۱- کھوٹی اور خراب چاندی دے کر اچھی چاندی خریدنا ہے، اور اچھی چاندی وزن میں کھوٹی کے برابر نہیں مل سکتی، تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ پہلے خراب چاندی روپوں میں فروخت کی جائے، اور جو رقم ملے، اس پر قبضہ کرنے کے بعد اس سے اچھی چاندی خریدی جائے۔^(۲)

(۲، ۱) بہشتی زیور انتھا نوی (مولانا شرف علی) کراچی، دارالاشاعت آرام باغ، (ص ۳۹۵)۔

۲- اگر کوئی ایسی چیز ہے کہ چاندی کے علاوہ اس میں کچھ اور بھی لگا ہے، مثلاً جوشن (بازوبند) کے اندر لاکھ بھری ہوئی ہے، اور لوگوں پر بنگ جڑے ہیں، انگوٹھیوں پر بنگینے رکھے ہیں یا جوشنوں میں لاکھ تو نہیں ہے، لیکن تاگوں میں گندھے ہوئے ہیں، ان چیزوں کو چاندی کے عوض خریدا، تو دیکھو اس چیز میں کتنے وزن چاندی ہے، قیمت کی چاندی کے برابر ہے یا اس سے کم ہے یا زیادہ ہے، اگر قیمت کی چاندی سے اس چیز کی چاندی یقیناً کم ہو، تو یہ معاملہ جائز ہے، اور اگر برابر یا زیادہ ہو، تو سود ہوا، سود سے بچنے کی ترکیب یہ ہے کہ قیمت کی چاندی زیور کی چاندی سے کم رکھو اور قیمت میں باقی روپے شامل کر دو، مثلاً دونوں طرف پانچ پانچ تو لے چاندی ہو، تو قیمت کی چاندی کو پانچ تو لے سے کچھ کم کر دو مثلاً ساڑھے چار تولہ کر دو اور قیمت میں آدھا تولہ چاندی کے بجائے کچھ روپے مثلاً پچاس روپے ملاو، تو یہ معاملہ جائز ہو جائے گا۔^(۱)

۳- اگر سونے یا چاندی کا زیور یا برتن سونے چاندی کے عوض خریدا، اور اس وقت قیمت دینے کے لئے نہیں ہے، یا ادھار کرنا مقصود ہے، تو اس کے جائز ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ فروخت کنندہ سے اتنا سونا یا چاندی قرضہ لے لو، اور اس قرض سے قیمت کی ادائیگی کر دو، پھر قرض بعد میں اُتار دو۔^(۲)

نیا را (زر گروں کی مٹی) کی خرید و فروخت کا مسئلہ

زر گروں کی مٹی جس میں سونے یا چاندی کے ذرات شامل ہوتے ہیں، اور بعض لوگ اس کو خرید کر اس میں سے سونا چاندی علیحدہ کر لیتے ہیں، اس سے متعلق چند اہم مسائل درج ذیل ہیں:-

- ۱- روپوں کے عوض میں اس مٹی کی خرید و فروخت جائز ہے۔
- ۲- مخالف جنس کے عوض بھی خرید و فروخت ہر طرح سے جائز ہے، مثلاً سونے کی

(۲، ۱) بہشتی زیور اتھالوی (مولانا شرف علی) کرہ چی، دارالاشاعت آراہ باغ، (ص ۳۹۵)۔

مٹی چاندی نے عوض اور چاندی کی مٹی سونے کے عوض اگرچہ دونوں طرف کے وزن میں فرق ہو، جائز ہے، البتہ ہاتھ در ہاتھ لین دین ضروری ہے۔

۳۔ سونے کی مٹی سونے کے عوض میں اور چاندی کی مٹی چاندی کے عوض صرف اسی وقت جائز ہے جب دونوں طرف سونے چاندی کا وزن یکساں ہو، اور لین دین بھی ہاتھ در ہاتھ ہو، اگر کسی طرف بھی سونا یا چاندی زیادہ ہو، تو بیع درست نہیں، خالص سونے چاندی کا وزن بھی مٹی میں ملے سونے چاندی سے زیادہ نہ ہونا چاہئے، کیونکہ اس مٹی کی اپنی کچھ قیمت نہیں ہوتی، لہذا اس کے مقابلے میں سونے چاندی میں کچھ کو قیمت کے طور پر نہیں سمجھا جائے گا۔

پُرانے زیور سے نئے زیور کا تبادلہ

۱۔ گاہک پرانا مال لاتا ہے، تو اس کی قیمت علیحدہ مقرر کی جاتی ہے، اور نئے مال کی قیمت علیحدہ مقرر کی جاتی ہے، اس میں جو فرق ہوتا ہے، صرف اس کا لین دین کر لیا جاتا ہے، تبادلے میں بسا اوقات ایسی صورت بھی پیش آتی ہے کہ مثلاً پُرانے مال کا کل وزن ۶ تولہ ہوتا ہے، اور قیمت پندرہ ہزار روپے مقرر ہوتی ہے، اور نئے مال کا وزن ۴ تولہ ہوتا ہے، اور قیمت پندرہ ہزار روپے مقرر طے ہوتی ہے، یعنی صرف مال کا تبادلہ ہوتا ہے، نقد روپوں کا کوئی دخل نہیں ہوتا، واضح رہے کہ پرانے مال کا وزن ہمیشہ زیادہ ہوتا ہے، یہ طریقہ ناجائز ہے۔

۲۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مذکورہ صورت ناجائز ہوگئی، تو پُرانے زیور کے نئے زیور سے تبادلے کی جائز صورت کیا ہوگی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جو عام فہم اور آسان طریقہ ہے وہ یہ ہے کہ ڈکاندار گاہک سے روپوں میں اس کا پُرانا زیور خرید لے، اور گاہک کو روپے ادا کر دے، اس کے بعد گاہک جو نیا زیور خریدے اس کی قیمت اس سے وصول کر لے، اس کے لئے ڈکاندار کو

صرف اتنا اہتمام کرنا پڑے گا کہ اپنے پاس نقدی کی ایک مقدار حاضر رکھنی پڑے گی، لیکن یہ کوئی مشکل بات نہیں۔

اگر زیور کا زیور سے تبادلہ کرنا ہو، تو مندرجہ ذیل چند اصول کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے:-

الف:- اگر دونوں طرف زیور سادہ ہو، اور ڈکاندار کا زیور گاہک کے زیور کے وزن کے مساوی ہو، یا اس سے وزن میں کم ہو، اور ڈکاندار مزید گاہک سے کچھ لینا چاہتا ہو، تو اپنے زیور کے ساتھ (Imitation) کی مثلاً بالیاں ساتھ کر دے۔
اور اگر ڈکاندار کا زیور گاہک کے زیور سے زیادہ وزن کا ہے، تو ڈکاندار گاہک سے زائد روپے بھی لے سکتا ہے۔

ب:- اگر زیور جڑاؤ ہو، تو ہر طرح سے زیور کا زیور کے بدلے تبادلہ جائز ہوگا، اس وقت ایک طرف کا زائد سونا بمعہ روپے کے (اگر ہو) دوسرے کے گینوں کی قیمت ہو جائے گی، ایسا دونوں طرف سے سمجھا جائے گا۔

ج:- اگر ایک طرف سادہ زیور ہو اور دوسری طرف جڑاؤ ہو، اور ڈکاندار گاہک سے مزید لینا چاہتا ہو تو:-

۱- اگر جڑاؤ زیور ڈکاندار کا ہو، اور سادہ زیور گاہک کا ہو، تو خواہ گاہک کے زیور کا سونا ڈکاندار کے زیور میں موجود سونے سے کم ہو یا زیادہ ہو، یا اس کے برابر ہو، ہر صورت میں زائد روپے لینا جائز ہے۔

۲- اگر سادہ زیور ڈکاندار کا ہو، اور جڑاؤ گاہک کا ہو، تو اگر گاہک کے زیور میں سونا ڈکاندار کے سونے سے کم ہو، تو ڈکاندار گاہک سے روپے لے سکتا ہے، اور اس کے زیور میں موجود مساوی سونا ہو، یا زائد ہو، تو ڈکاندار گاہک سے مزید روپے نہیں لے سکتا۔

پیشگی سودا لیکن لین دین بیک وقت

۱- آج سونے کا بھاؤ مثلاً دس ہزار روپے فی تولہ ہے، سودا بھی کریں، مال تھوڑی

دیر بعد ملے گا، ادائیگی جس وقت مال ملے گا فوری ہوگی، ادائیگی کے وقت تک اکثر بھاء میں کمی بیشی ہو جاتی ہے، ایسی صورت میں ادائیگی کے وقت جو بھاء ہے اس کے مطابق ادائیگی ہوگی یا ملے شدہ بھاء سے ہوگی، اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ یہ طریقہ اگر بیع کے طریقے پر ہو، تو ناجائز ہے، کیونکہ یہ دین کے عوض دین کی بیع ہے، جو ممنوع ہے، البتہ اگر اس کو وعدے کے طریقے پر کیا جائے، تو صحیح ہو سکتا ہے، یعنی فریقین آپس میں یہ وعدہ کر لیں کہ فلاں دن ہم یہ بیع کریں گے، اور پھر اس وقت یعنی لین دین کر لیا جائے، جس قیمت کا آج وعدہ کیا ہے، لین دین کے وقت اسی کا اعتبار ہوگا، اور باہمی رضامندی سے چاہیں، تو قیمت میں کمی بیشی بھی کر سکتے ہیں۔

۲۔ اس کے علاوہ مختلف طریقوں سے سودے کئے جاتے ہیں، مثلاً:-

الف:- یہ کہ سونے کا بھاء موجودہ بھاء سے دس پندرہ روپے فی تولہ سے کم یا زیادہ لیا جائے گا، لیکن مال اگلے روز ملے گا، اور ادائیگی مال ملنے پر کل ہی کی جائے گی۔

ب:- سونے کا بھاء موجودہ بھاء سے ۲۵ روپے تولہ کم یا زیادہ ہوگا، لیکن مال سات دن کے اندر اندر فروخت کرنے جب چاہے خریدار کے حوالے کرے گا، اور ادائیگی اسی وقت کرنا ہوگی۔

ج:- سونے کا بھاء موجودہ بھاء سے مزید کچھ کم یا زیادہ لیا جائے گا، مگر شرط یہ ہے کہ سودا ابھی طے کریں، لیکن مال سات دن کے اندر اندر خریدنے والا جب چاہے منگوا سکتا ہے، ادائیگی مال ملنے پر فوراً ہوگی۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ تمام سودے زبانی ہوتے ہیں، اور کوئی گواہ بھی نہیں ہوتا، مندرجہ بالا معاہدوں میں کسی ایک فریق کی طرف سے انکار کی صورت میں بھاء کا فرق مانگ لیا جاتا ہے، معاملے کے یہ تمام طریقے ناجائز ہیں، اور کسی ایک فریق کے انکار پر دوسرے کا اس سے بھاء کا فرق لینا کھلا سود ہے۔

ٹانکے کا مسئلہ

زیور بنانے کے لئے سونے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو جوڑ کر مختلف چیزیں تیار کی جاتی ہیں، جوڑنے کے لئے ٹانکا استعمال ہوتا ہے جو کہ ضروری ہے، ٹانکے کی تفصیل یہ ہے کہ وہ ایسا سونا یا ایسی دھات ہو جو زیور کے سونے سے پہلے پگھل جائے، اور دو ٹکڑوں کو آپس میں جوڑ دے۔

ٹانکے بنانے کے لئے سونے میں مزید ملاوٹ کرنی پڑتی ہے جو زیورات کو جوڑنے کے بعد ان میں موجود رہتی ہے، کاریگر حضرات سے جب زیورات لئے جاتے ہیں، تو مکمل وزن کر کے لئے جاتے ہیں، اور ان کے بدلے پورا سونا دیا جاتا ہے، نظریہ یہ ہوتا ہے کہ ٹانکے کے بدلے کا سونا زیور بنانے کی چھجوت کے طور پر دیا جاتا ہے۔

ٹانکے کی دوسری قسم بھی ہے، کاڈیم (Cadmium) ایک قسم کی دھات ہے جس کی تھوڑی سی مقدار سونے میں ملانے سے حسب ضرورت ٹانکے حاصل ہو جاتا ہے، زیور بنانے کے لئے بہت سے لوگ مذکورہ ٹانکے استعمال کرواتے ہیں، اور چھجوت کی مد میں مقررہ شرح سے کاریگر کو اضافی سونا دیتے ہیں۔

ٹانکے کے بدلے خالص سونا لینا جائز ہے، لیکن مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ کہ زیور اور ٹانکے کے بدلے خالص سونا اتنے ہی وزن کا لیا جاتا ہے، اور مزدوری اس کے علاوہ ہوتی ہے، چونکہ ڈکاندار کاریگر کو اپنا سونا دے کر زیور نہیں بنوا رہا ہے بلکہ کاریگر کو زیور کے بدلے سونا دے رہا ہے، لہذا یہ زیور کی سونے کے عوض میں بیع ہے، جس میں برابری اور نقد در نقد ہونا ضروری ہے، اور وزن جب دونوں طرف کا برابر ہو گیا، تو مزدوری بلا عوض ٹھہرے گی، اور سود بن جائے گی، لہذا یہ سوداروپوں میں ہونا چاہئے، ورنہ معاملہ سود کا ہو جائے گا اور سود کا گناہ ہوگا۔

اگر بغیر ٹانکے لگائے زیور تیار ہو سکتا ہے پھر بھی کوئی اپنے فائدے کے لئے

مناسب حد تک ٹانگہ لگائے، کیا یہ جائز ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سارا ٹانگے کے مقابلے میں خالص سونا لیتا ہے، لہذا جہاں ٹانگے کی ضرورت ہو، وہاں تک تو جائز ہے، اور اگر ضرورت نہ ہو، تو ٹانگہ لگا کر گاہک یا ذکا انداز کو جہاں ٹانگے کی ضرورت نہیں ہے وہاں ٹانگے کی ضرورت ظاہر کر کے دھوکا دیتا ہے جو مسلمان کی شان کے خلاف ہے، اس لئے مذکورہ صورت ناجائز ہے۔

چھپت (Wastage)

یہ ایک مسئلہ حقیقت ہے کہ زیور بنانے کے ہر مرحلے میں سونا گھٹتا ہے، یعنی ضائع ہوتا ہے یہ ضیاع سونے کے باریک باریک ذرات کی شکل میں ہوتا ہے، جن کو مکمل طور پر جمع نہیں کیا جاسکتا، اس حقیقت کو سمجھتے ہوئے بازار میں لوگوں نے اس گھٹت کی شرحیں مقرر کر دی ہیں مثلاً کارنگر اگر ایک تولے کا زیور بنا کر دیتا ہے، تو اس کو اس پر ایک ماشہ چھپت دی جاتی ہے، یعنی ایک ماشہ اضافی سونا دیا جاتا ہے۔

الف:- کارنگر کو زیور بنانے کے دوران جو سونا گھٹنے کی صورت میں نقصان ہوتا ہے، اس کی مقدار کبھی مندرجہ بالا شرح سے کچھ زیادہ ہوتی ہے، اور کبھی کچھ کم ہوتی ہے۔ اگر زیور بنانے میں اس کے پاس سونا کم گھٹتا ہے، تو اس کو کچھ سونا بچ جاتا ہے اور اگر گھٹت مقررہ شرح سے زیادہ ہوتی ہے، تو نقصان ہوتا ہے، مگر چھپت اس کو مقررہ شرح کے مطابق ہی دی جاتی ہے، واضح رہے کہ ایک زیور بنانے میں کل کتنا سونا گھٹتا ہے، اس کا پورا پورا حساب رکھنا مشکل ہے۔

ب:- چھپت کی مقررہ شرحوں میں ایک بات یہ بھی ہے کہ بہت سے زیورات ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں گھٹت بالکل نہیں ہوتی، مگر دی جاتی ہے۔

ج:- اور کچھ زیور ایسے بھی بنتے ہیں جن میں گھٹت ہوتی ہے مگر چھپت نہیں دی جاتی، اب ان صورتوں کا شرعاً کیا حکم ہے؟

ہم نے اس مسئلے پر خاصاً غور کیا، تو معلوم ہوا کہ چھجیت کا مسئلہ بذاتِ خود کوئی پیچیدہ مسئلہ نہیں ہے، اس مسئلے کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں:-

پہلی صورت

کار گیر نے اپنے سونے سے زیور بنایا اور دکاندار کے ہاتھ فروخت کیا، پھر یا تو کل روپوں کے عوض میں فروخت کیا، یا اس کے عوض سونا لیا۔
سونے کے عوض فروخت کرنا

کار گیر نے مثلاً تین تولے زیور بنایا، تقریباً تین ماشے چھجیت ہوئی، تو کار گیر کو یہ تین تولے تین ماشے کا پڑا، مزدوری کے دو سو روپے فی تولہ ہوئے، سونا پانچ ہزار روپے تولہ ہو تو کل لاگت ۱۶۸۵۰ روپے ہوئی، کار گیر ریٹ بتاتے ہوئے دکاندار کو چھجیت کی شرح بتا بھی دے، تو دیانت داری کو ملحوظ رکھتے ہوئے بتانے میں کچھ حرج نہیں ہے، البتہ زیور کا سودا کل ۱۶۸۵۰ روپے کے عوض ہو، یوں تفصیل کے ساتھ بل نہ بنائے کہ تین تولے سونے کے ۱۵۰۰۰ روپے اور چھجیت کے تین ماشے کے ۱۲۵۰ روپے اور مزدوری کے ۶۰۰ روپے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ چھجیت فی الواقع تین ماشے سے کم ہو اور یوں کار گیر غلط بیانی کا مرتکب ہو جائے۔

اگر ایسا زیور ہو جس میں گھٹ نہیں ہوتی مگر دی جاتی ہے تو اس صورت میں بھی تین تولے کے زیور کی قیمت ۱۶۸۵۰ روپے بتائی جائے، ریٹ بتاتے ہوئے تفصیل کو ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن جب دکاندار کار گیر کو کہتا ہے کہ یہ زیور مجھے دے دو، تو اس وقت سودا ۱۶۸۵۰ روپے میں ہونا طے پائے، بہتر ہے کہ دکاندار یوں کہہ دے کہ میں نے ۱۶۸۵۰ روپے میں خریدا یا کار گیر یوں کہے کہ یہ میں نے تمہارے ہاتھ ۱۶۸۵۰ روپے میں فروخت کیا، یا یہ میں نے تمہیں ۱۶۸۵۰ روپے میں دیا۔

اگر زیور میں گھٹ ہوتی ہے مگر چھجیت نہیں دی جاتی، تو اس صورت میں کل

روپوں میں جو قیمت طے پائے اس کے عوض فروخت کیا جائے۔

غرض کارگیر جب اپنے سونے سے زیور بنائے، تو وہ اس زیور کو جتنا ہے اور جیسا ہے کی بنیاد پر دکاندار کو فروخت کر سکتا ہے۔

سونے کے عوض فروخت کرنا

اگر زیور سادہ ہو اور مثلاً ۲۰ کیرٹ کا ہو، تو اس کو خالص سونے کے عوض فروخت کر سکتا ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ دونوں طرف کا سونا برابر وزن کا ہو، اور لین دین دونوں طرف ہاتھ در ہاتھ ہو، نہ تو ادھار ہو اور نہ ہی چھجیت وغیرہ کے نام پر زائد سونا یا رقم ہو۔

اور اگر زیور جڑاؤ ہو، تو زائد وزن پر بھی فروخت کیا جاسکتا ہے، لیکن زیور میں جتنا سونا ہے اس کے بقدر عوض کے سونے پر قبضہ کرنا آپس میں جدا ہونے سے پہلے ضروری ہے۔

دوسری صورت

کارگیر نے دکاندار کے سونے سے زیور بنا کر دکاندار کو دیا ہو، اس صورت میں چونکہ کارگیر اجیر ہے، اور اس کو اپنے کام کی اجرت ملتی ہے، لہذا چھجیت کا اعتبار کرتے ہوئے اجرت طے کی جاسکتی ہے، البتہ چھجیت کو اجرت کا جز نہیں بنایا جاسکتا، کیونکہ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا کہ چھجیت میں کمی بیشی ہوتی ہے، لہذا مجہول مقدار میں ہے، پھر دکاندار کارگیر کو چھجیت کا سونا بہہ کرے۔

تیسری صورت

یہ ہے کہ دکاندار نے کارگیر کو زیور بنانے کے لئے سونا دیا اور کارگیر نے اپنے سونے سے زیور بنایا، چونکہ اس طرح کا بھی رواج ہے، اس لئے رواج و عرف کو دلیل بنا کر سمجھا جائے گا کہ دکاندار نے اپنا سونا کارگیر کو قرض دیا ہے، اور بنے ہوئے زیور کو قرض میں سے وصول کیا ہے، یہ صورت بھی دوسری صورت کی طرح ہوگی اور دکاندار

جھپٹ کار گیر کو ہبہ کر دے۔

ذکدار جب آگے جا کہ کو زیور فروخت کرتا ہے، تو وہ بھی تفصیلی مل بناتے ہوئے پالش یا جھپٹ اور مزدوری ذکر کرتا ہے، اور ذکدار نے کار گیر کو ایک تولے پر ایک ماشہ جھپٹ دی ہوتی ہے، جبکہ وہ خود گاہک سے ڈیزہ ماشہ جھپٹ وصول کرتا ہے، چونکہ جھپٹ کا ایک خاص مطلب ہے یعنی زیور بناتے ہوئے سونے میں جو گھٹت ہوئی لہذا صحیح نہیں کہ ذکدار اپنے گاہک کو جھپٹ میں واقع سے زیادہ مقدار بتائے، وہ اپنی مزدوری یا نفع کے نام سے عوض لے سکتا ہے، مثلاً تین تولے سونا ہے اور تین ماشہ جھپٹ ہے، تو ایک صورت تو یہ ہے کہ ذکدار تین تولے سونا اور ساڑھے چار ماشہ جھپٹ لگائے اور مزدوری کے ڈیزہ ہزار روپے لگائے، اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ تین تولے سونا اور تین ماشہ جھپٹ اور ۲۱۲۵ روپے مزدوری کے لگائے، نتیجہ ایک ہی ہے، لیکن پہلی صورت میں غلط بیانی ہوگی کہ بجائے ایک ماشہ تولے کے ڈیزہ ماشہ تولے جھپٹ لگائی، متبادل جائز طریقے کو اختیار کرنا کچھ مشکل نہیں۔

سونے چاندی کے کاروبار میں بعض مروج جدید طریقے

پہلا طریقہ

آج کل فاریکس (Forex) اور کامیکس (Comex) کے نام سے کاروبار کرنے والی نئی کمپنیاں وجود میں آئی ہیں، اس کاروبار کی جو تفصیلات سامنے آئی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کاروبار کی وہ تمام تر صورتیں جو عام طور سے اختیار کی جاتی ہیں ناجائز ہیں۔

کاروبار کا طریقہ کار

ایک شخص دس ہزار ڈالر کمپنی میں جمع کرا کے اس سکیم کا رکن بن سکتا ہے، کمپنی والے پھر اس کی رہنمائی کرتے ہیں کہ وہ کب اور کونسی کرنسی یا جنس خریدے لے کہ جس کو بعد میں فروخت کر کے نفع کی امید کی جاسکتی ہے، ہر کرنسی یا شی کی خرید کی کم سے کم مقدار مقرر

کی ہوئی ہے جس کو "لاٹ" (Lot) کہتے ہیں، مثلاً ہزار پانچ سو برطانوی پاؤنڈ کی یا ایک لاکھ پچیس ہزار جرمن مارک کی ایک لاٹ ہوتی ہے، اشیاء میں کپاس، چینی، اور گندم اور زر میں سونا اور چاندی شامل ہے۔ سونے کی لاٹ ایک سوانس اور چاندی کی لاٹ پانچ ہزار اونس پر مشتمل ہوتی ہے۔

جب آپ کسی کرنسی یا مذکورہ اشیاء میں سے کسی ایک کی کوئی ایک لاٹ خریدنا چاہیں، اور کمپنی کو اپنا آرڈر دیں، تو کمپنی ان جمع وہ دس ہزار ڈالر میں سے دو ہزار ڈالر بطور بیعانہ یا تحفظ کے مختص کر لیتی ہے، اور آرڈر مرکزی دفتر کو پہنچا دیتی ہے جو آرڈر کی تکمیل کر کے لاٹ کی خرید کی اطلاع دیتا ہے۔

یہ خرید بھی دو طرح کی ہوتی ہے، ایک نقد جس کو "Cash Trading" یا "Spot Trading" کہتے ہیں، اور دوسری مستقبلیات کی بیج ہوتی ہے، جس کو "Future Trading" کہا جاتا ہے، نقد میں تو بیج خریدی ہوئی شے پر فوری قبضہ مل سکتا ہے، جبکہ مستقبلیات میں یہ طے پاتا ہے کہ کد بائع ایک مقررہ مدت بعد طے شدہ مہینے میں فلاں تاریخ کو وہ لاٹ مہیا کرے گا، قیمت بھی طے کر لی جاتی ہے۔

اس کاروبار میں کمپنی کا کردار

اس کردار کی وضاحت ایک کمپنی (Empire Resources) نے اس طرح کی

ہے:-

The objects for which the Company is established are as follows:

To install equipment operate and provide facilities of communication through monitors and appropriate link up to as a commission house between the clients and brokerage house in the various finance trading centres of the world.

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ کمپنی اپنے موکلین اور دنیا کے مختلف تجارتی مراکز

میں موجود دلالوں کے درمیان کمیشن ایجنٹ کے طور پر کام کرتی ہے۔
 ہر سودا جو کمپنی کراتی ہے اس پر وہ پچاس یا ساٹھ ڈالر کمیشن لیتی ہے، خواہ سودے
 میں موکل کو نفع ہو یا نقصان ہو یا نہ نفع ہو یا نہ نقصان۔

پھر جولائت خریدی، اگر خریداری کے دن ہی فروخت کر دی گئی، تو کمپنی صرف
 کمیشن وصول کرے گی، اور اگر فروخت میں کچھ دن لگ گئے، تو کمپنی کمیشن کے علاوہ پانچ یا
 چھ ڈالر ریویہ کے حساب سے سود بھی وصول کرے گی، بعض صورتوں میں موکل کو سود ملتا ہے،
 Empire Resources کی وضاحت یوں ہے:-

Interest / Premium are paid of charged basing on
 the number of days for a position trade.

کاروبار کی اقسام

قسم اول Spot/Cash Trading

کمپنی کی اپنی وضاحت کے مطابق وہ اپنے موکلین اور دلالوں کے درمیان رابطہ
 کراتی ہے، اور کمیشن پر سودے کرواتی ہے، اس صورت میں سودا موکل اور تجارتی مرکز میں
 موجود دلال کے مابین ہوتا ہے، لیکن چونکہ موکل پوری رقم کی ادائیگی تو کرتا ہے نہیں، لہذا
 کرنسی اور سونے چاندی کی خرید کی صورت میں سودا دو وجہ سے ناجائز ہے:-

الف: یہ بیع الدین بالدين ہے، بائع اور خریدار دونوں کی طرف سے قرض ہے،
 کیونکہ نہ تو بائع نے خریدار کو خرید کردہ پر قبضہ دیا، اور نہ ہی خریدار نے قیمت کی ادائیگی کی،
 اور بیع الدین بالدين ناجائز ہے۔ چنانچہ الدر المختار میں ہے:-

فی الدر المختار: باع فلوسا بمثلها او بدداهم او بدنانیر فان

نقد احدہما جاز وان تفرقا بلا قبض احدہما لم یجوز۔

فلوس فلوس کے بدلے میں فروخت کئے، یا فلوس کو ذرا ہم کے بدلے
 فروخت کئے، یا ذنا نیر کے عوض فروخت کئے، اگر فریقین میں سے

کسی ایک فریق نے ادائیگی کی، تو سودا درست ہے، اور اگر ادائیگی کے بغیر دونوں الگ الگ ہو گئے، تو یہ سودا جائز نہیں۔^(۱) اس کی وجہ علامہ شامیؒ نے یہ بیان فرمائی:-

لانه یکون افتراقا عن دین بدین وهو غیر صحیح

کیونکہ یہ دین کے بدلے میں دین ہے، جو درست نہیں۔^(۲)

ب:- خرید پر جتنے دن گزریں گے، خریدار یعنی موکل یومیہ کے حساب سے سود ادا کرے گا، یہ بھی حرام ہے۔

اور اگر اس کے برعکس ہم یہ فرض کر لیں کہ کمپنی خود لاٹ خرید لیتی ہو، یا اس کے پاس موجود ہو، تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں:-

الف:- کمپنی اپنے لئے خریدتی ہو اور پھر خود موکل کے ہاتھ فروخت کرتی ہو تو اس میں مذکورہ دونوں خرابیاں تو ہیں ہی، ان کے علاوہ یہاں کمپنی کمیشن بلا وجہ لے رہی ہے۔
ب:- کمپنی موکل کے لئے خریدتی ہو اور اپنے پاس سے مکمل ادائیگی کر کے بیع پر قبضہ کر لیتی ہو، اس صورت میں اگرچہ یہ بیع الدین بالبدین تو نہیں بنتی، لیکن سود سے بچاؤ تو اس میں بھی نہیں۔

قسم ثانی Future Trading

یہ اگرچہ بیع سلم کی شکل ہے، لیکن اس میں بیع سلم کی بعض شرائط نہیں پائی جاتیں، یعنی یہ کہ سود اسٹے پانے کی مجلس میں رأس المال کی ادائیگی نہیں ہوتی۔

علاوہ ازیں بیع سلم میں یہ ضروری ہے کہ جب تک مسلم فیہ (خرید کردہ سامان) پر قبضہ نہ ہو جائے، اس میں کسی قسم کا تصرف نہ کیا جائے، لیکن زیر بحث کاروبار میں اصل یہی ہے کہ مسلم فیہ پر قبضہ کئے بغیر مہیا کئے جانے کی تاریخ سے قبل ہی اس کو آگے فروخت کر دیا

(۱) الدال المختار (۵/۱۷۹)

(۲) رد المحتار (۵/۱۷۹)

جاتا ہے، الدر المختار میں ہے:-

ولا يجوز التصرف للمسلم اليه في راس المال ولا لرب
السلم في المسلم فيه قبل قبضه بنحو بيع الخ

مسلم اليه کے لئے راس المال میں اور رب السلم کے لئے مسلم فيه
میں قبضے سے قبل خرید و فروخت جیسے تصرفات جائز نہیں۔^(۱)

یہ خرابیاں اس صورت میں ہیں جب خرید کردہ کرنسی یا اجناس و اشیاء ہوں، اور
اگر خرید کردہ چیز سونا یا چاندی ہو، تو اس میں بیع سلم جائز ہی نہیں، کیونکہ بیع سلم مشن میں ہوتی
ہے، مشن میں نہیں ہوتی۔ بدائع میں ہے:-

واما السلم في الفلوس عددا فجائز عند ابي حنيفة وابي
يوسف وعند محمد لا يجوز بناء على ان الفلوس اثمان
عنده فلا يجوز السلم فيها كما لا يجوز السلم في الدراهم
والدينانير۔

جہاں تک فلوس میں عدد کے اعتبار سے سلم کا تعلق ہے، تو یہ حضرات
امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک جائز ہے، اور امام محمد
کے نزدیک جائز نہیں، کیونکہ فلوس اثمان ہیں، تو ان میں بیع سلم جائز
نہیں ہوگی، جیسا کہ ذرا ہم اور دنانیر میں بیع سلم جائز نہیں۔^(۲)

Future contracts are firm commitments to make
or accept delivery of a specified quantity and
quality of a commodity during as specific month
in the future at a price agreed upon at the time the
commitments was made . The unique attraction of
future contracts is that they offer an efficient and
affordable way of participating in the commodities

(۱) البدائع المختار (۳/۵۸۱)

(۲) بدائع الصنائع (۵/۲۰۸)

markets without all the complications associated with owning the physical matererial -such as arranging for delivery . Storage and insurance. Less than three percent of all future contracts traded each year result in delivery of the underlying commodity. Instead traders generally offset their future positions before their contract mature realizing the profit of loss which is the difference between the initial purchase or sale price and the price of the offsetting transaction.

دوسرا طریقہ: ایک اور مروّجہ صورت

کاروبار کی ایک شکل جو آج کل رائج ہے کہ مثلاً ایک مہینے کے ادھار پر سونے کی ایک مخصوص مقدار مثلاً دس تولے کا سودا کر لیا جاتا ہے، خریدار سونے پر قبضہ نہیں کرتا جب ادائیگی کی تاریخ آتی ہے، تو سونے کے اس دن کے نرخ کو دیکھ لیا جاتا ہے، خرید کے دن اور ادائیگی کے دن کے سونے کے نرخوں میں جو فرق ہوتا ہے، اس کی ادائیگی کر دی جاتی ہے، مثلاً خرید کے دن سونے کا نرخ پانچ ہزار روپے تولہ تھا، ادائیگی کے دن پانچ ہزار ایک سو روپے تولہ ہو گیا تو خریدار بائع سے ایک سو روپے فی تولہ کے حساب سے ایک ہزار روپے وصول کر لے گا، اور اگر نرخ گر کر چار ہزار نو سو رہ گیا تو خریدار بائع کو ایک ہزار روپے دے گا نہ تو مشتری سونے پر قبضہ کرتا ہے نہ بائع قیمت پر قبضہ کرتا ہے بس نرخ میں کمی بیشی سے جو فرق آتا ہے اس کا لین دین کر لیتے ہیں، کاروبار کی یہ شکل بالکل ناجائز اور حرام ہے جیسا کہ مقدمہ ۲۷ میں اس کی وجہ گزری۔^(۱)



(۱) سونے چاندی کے یہ مسائل زیادہ تر رسالہ ”سونا چاندی اور ان کے زیورات کے اسلامی احکام“ مؤلفہ ڈاکٹر مفتی عبدالواحدؒ سے لئے گئے ہیں، دارالافتاء جامعہ مدنیہ، کریم پارک، راولی روڈ لاہور پاکستان۔

باب پنجم

کرنسی اور فلوس کا تبادلہ

بیج صرف اور فلوس

باب چہارم کے شروع میں یہ بات تفصیل سے گزر چکی ہے کہ ”بیج صرف“ کے لئے حنفیہ، شافعیہ اور حنبلیہ کے ہاں عوضین کا ثمن خلقی ہونا ضروری ہے، چند عبارات بمع ترجمہ یہاں بھی ملاحظہ ہوں:-

علامہ صکفیؒ فرماتے ہیں:-

”وشرعاً بمع الثمن بالثمن ای ما خلق للثمنیة، ومنه

المصوغ جنساً بجنس او بغير جنس۔“

”اور شریعت میں بیج صرف عبارت ہے ثمن کی ثمن کے ساتھ خرید و فروخت سے، یعنی جو خلقی طور پر ثمن ہو، اور اسی سے بنا ہوا برتن بھی ہے، خواہ جنس کا مقابلہ جنس کے ساتھ ہو، یا خلاف جنس کے ساتھ ہو۔“ (۱)

علامہ مرغینانیؒ فرماتے ہیں:-

”سواء كانا يتعينان كالمصوغ اولا يتعينان كالمضروب،

او يتعين احدهما ولا يتعين الاخر، لا طلاق ماروينا، ولا نه

(۱) الدر المختار للحصکفی شرح تنویر الابصار للتمر تاشی و متن رد المحتار لابن عابدین

ان کان یتعین ففیہ شبہۃ التعین لكونہ ثمننا خلقۃ
فیشرط قبضہ اعتبارا للشیبۃ فی الربا۔“
”چاہے عوضین متعین کرنے سے متعین ہوتے ہوں، مثلاً دونوں
طرف برتن ہوں، یا متعین نہ ہوتے ہوں، مثلاً دونوں طرف سکے
ہوں، یا ایک عوض متعین ہوتا ہو، اور دوسرا نہ ہوتا ہو، (یہ سب
صورتیں بیع صرف میں داخل ہیں)، ایک تو حدیث مطلق ہے، اور
دوسری بات یہ کہ یہ چونکہ خلقی ثمن ہے، تو اس میں تعین کے باوجود
شبہ پایا جاتا ہے، اس لئے شبہ ربا کی وجہ سے اس میں تقابض کو
ضروری قرار دیا۔“^(۱)

جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک طرف سونے یا چاندی کا برتن یا زیور ہو، اور
دوسری طرف بھی سونے یا چاندی کا برتن یا زیور ہو، یا دونوں طرف ذرا ہم یا ذنا نیر ہوں، یا
ایک طرف و رہم یا دینار ہو، اور دوسری طرف سونے یا چاندی کا برتن یا زیور ہو، تو یہ تمام
صورتیں بیع صرف کی ہیں، کیونکہ یہ تمام ثمن خلقی ہیں، لہذا ان تمام صورتوں میں تقابض
ضروری ہوگا۔

علامہ نسفیؒ فرماتے ہیں:-

”وغالب الفش لیس فی حکم الدہام والدنانیر فیصح
بمعہابجنسہا متفاضلا والتبايع والاستقراض بما یروج
عددا او وزنا او بہما ولا یتعین بالتعین لكونہا اثمانا۔“
”کھوٹ اگر غالب ہو، تو اس صورت میں یہ ذرا ہم یا ذنا نیر کے حکم
نہیں ہوں گے، لہذا ان کی ہم جنس کی بیع زیادتی کے ساتھ جائز

(۱) الہدایۃ مع الفتوح، المرغینانی (شیخ الاسلام برہان الدین ابو الحسن ابوبکر
المرغینانی المتوفی ۵۹۳ھ) کوئٹہ، پاکستان، مکتبہ رشیدیہ (۲۶/۲۶)۔

ہوگی، اور رواج کے مطابق ان کی خرید و فروخت اور قرض کا معاملہ وزن یا عدد کے اعتبار سے درست ہوگا، البتہ یہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوں گے، کیونکہ یہ اثمان ہیں۔“^(۱) اس پر علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں:-

”قوله: ”ولا يتعين بالتعيين لكونها اثمانا“ یعنی مادامت تروج لانها بالاصطلاح صارت اثمانا، فمادام ذلك الاصطلاح موجودا، لا تبطل الثمنية لقيام المقتضى۔“
 ”صاحب ہدایہ کی یہ بات کہ ”یہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے، کیونکہ یہ اثمان ہیں“ یعنی جب تک مروج ہوں، کیونکہ یہ لوگوں کی اصطلاح سے اثمان بنے ہیں، سو جب تک یہ اصطلاح باقی رہے گی، اس کی شہیت بھی باقی رہے گی، اس لئے کہ مقتضى موجود ہے۔“^(۲)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر سونے یا چاندی میں کھوٹ غالب ہو، اور سونا یا چاندی کم ہو، اور وہ مروج بھی ہو، تو ان کی بیع کی بیشی کے ساتھ جائز ہے، اگرچہ عوضین ہم جنس کیوں نہ ہوں، لیکن اس کے باوجود یہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوں گے، کیونکہ یہ اثمان ہیں لیکن اثمان عرفیہ ہیں۔

اس سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوئی کہ اس میں ثمن کا مقابلہ ثمن کے ساتھ ہے، لیکن چونکہ یہ ثمن خلقی نہیں، اس لئے اس کو بیع صرف سے نکالا اور اس میں وحدت جنس

(۱) كنز الدقائق مع البحر، النسفی (الامام ابو البركات عبد الله بن احمد بن محمود المعروف بحافظ الدين النسفی المتوفى ۷۱۰ھ) بيروت، دار الكتب العلمية، طبع اول ۱۴۱۸ھ (۲۳۵۶)۔

(۲) ایضاً۔

کے باوجود تفاضل (زیادتی) کو جائز قرار دیا۔

فقہائے حنفیہ کی ان عبارات سے یہ بات صاف طور پر سامنے آتی ہے کہ بیع صرف کے لئے صرف ثمن کا ہونا کافی نہیں، بلکہ ضروری ہے کہ وہ ثمن خلقي ہو، البتہ ثمن خلقي کسی بھی شکل میں ہو سکتا ہے۔

البتہ عدم تعیین کے لئے کسی شی کا صرف ثمن ہونا کافی ہے۔

حنابلہ کی مشہور کتاب ”کشاف القناع“ میں ہے:-

”فصل فی المصدقة، وہی بمع نقد بنقد، اتحد الجنس او

اختلف۔“

”مصارفہ ذکر کے مقابلے میں ذکر کی خرید و فروخت کو کہتے ہیں، خواہ

جنس ایک ہو، یا مختلف ہو۔“^(۱)

یہ حضرات چونکہ تفصیل میں نقدین ثمنیہ ذکر کرتے ہیں، اسی طرح درہم و دینار یا

سونا چاندی ذکر کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں بھی بیع صرف میں ”نقد“ سے مراد ثمن خلقي ہے۔

فقہ شافعی کی مشہور کتاب ”مغنی المحتاج“ میں ہے:-

”(النقد بالنقد) والمراد به الذهب والفضة مضر وبأكلان او

غير مضر وبہ۔“

”(بیع صرف نقد کے مقابلے میں نقد کی خرید و فروخت کو کہتے ہیں)

اور اس سے مراد سونا چاندی ہے، خواہ سکے کی شکل میں ہو، یا نہ

ہو۔“^(۲)

(۱) (۲۵۳/۴)

(۲) مغنی المحتاج، الشربینی (الشیخ محمد الشربینی الخطیب) بیروت، دار احیاء التراث

العربی (۲۴/۲)

اور اسی کتاب میں ہے:-

”تنبيه: بيع النقد بالنقد من جنسه وغيره يسمى صرفاً۔“
”نقد کے مقابلے میں نقد کی بیع کو صرف کہتے ہیں، خواہ جنس ایک ہو،
یا جنس مختلف ہو۔“^(۱)

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:-

”والثانية لا يشترط الحلول والتقابض، فان ذلك معتبر في
جنس الذهب والفضة سواء كان ثمتا او كان صرفا او كان
مكسورا بخلاف الفلوس ولان الفلوس هي في الاصل من
باب لا عراض والشمئيه عارضة لها“

”اور دوسری روایت یہ ہے کہ حلول (Cash Payment) اور
تقابض ضروری نہیں، کیونکہ یہ چیزیں جنس سونا اور چاندی میں معتبر
ہیں، خواہ وہ کسی قسم اور کسی شکل میں ہو، بخلاف فلوس کے (کہ وہ جنس
سونا اور چاندی میں سے ہیں نہیں) اور اس لئے بھی کہ فلوس حقیقت
میں سامان کے قبیل میں ہیں اور شئیت تو ان کو عارضی طور پر لاحق
ہوئی ہے۔“^(۲)

یہ امام احمدؒ کی دوسری روایت ہے، اس کا حاصل بھی وہی ہے کہ ”صرف“ کے
لئے شمن خلقی کا ہونا ضروری ہے۔

علامہ زحیلی فرماتے ہیں:-

”وشرعاً هو بيع النقد بالنقد جنسا بجنس او بغير جنس:
ای بیع الذهب بالذهب او الفضة بالفضة او الذهب

(۱) حوالہ بالا

(۲) (مجموعۃ الفتاویٰ ۳۵۹/۲۹)

بالفضة مصوغا او نقدا۔“

”اور شریعت صرف نقد کے مقابلے میں نقد کی خرید و فروخت کو کہتے ہیں، خواہ جنس کا جنس کے ساتھ مقابلہ ہو، یا غیر جنس کے ساتھ ہو، یعنی سونا بمقابلہ سونا کے، یا چاندی بمقابلہ چاندی کے یا سونا بمقابلہ چاندی کے، خواہ سکہ کی شکل میں ہو، یا کسی برتن وغیرہ کی شکل میں ہو۔“^(۱)

کتاب ”تطور النقود“ میں ہے:-

”عرف الحنفية الصرف بانه بيع الاثمان بعضها ببعض وارادوا من الاثمان ما كان ثمتا مخلقة اى من القدم وهو الذهب والفضة سواء كانا مسكوكين دنائير ودرهم وهي المعروفة بالنقدين او كانا مصوغين كالاقراط والاساور او كانا تبرا وعبر الشافعية والحنابلة عن الثمن بالنقد فقالوا: الصرف بيع النقد بالنقد من جنسه او غيره، ارادوا بالنقد كذلك الذهب والفضة مسكوكين او مصوغين او تبرا والحكم في المذاهب الثلاثة هو ان الذهب والفضة اذا بيعا بجنسها كذهب بذهب او فضة بفضة وجب الحلول والتمائل والتقابض (الى قوله:) والتعريف السابق للصرف عند الانمة الثلاثة يفيد انه محصور في الذهب والفضة اللذين لا يغلب عليهما الغش، فاذا كانت الدراهم مغشوشة ورائجة او كان النقد من الجائين فلوسا رائجة لايجرى فيهما حكم الصرف الخ۔

(۱) الفقه الاسلامي وادلته للعلامة الزحيلي (۳/۶۳۶)

”حضراتِ حنفیہ نے بیعِ صرف کی تعریف یہ کی ہے کہ ثمن کو ثمن کے مقابلے میں فروخت کیا جائے۔ اور ان کے نزدیک اثمان سے مراد وہ ہیں جو خلقِ ثمن ہوں، یعنی زمانہ قدیم سے، اور وہ سونا اور چاندی ہیں، خواہ سکہ کی شکل میں ہوں دنانیر اور ذراہم، جو ”نقدین“ کے ساتھ مشہور ہیں، اور یا زیور کی شکل میں ہوں، جیسا کہ بالیاں اور چوڑیاں ہیں، اور یا ڈلی کی شکل میں ہوں، اور شافعیہ اور حنابلہ نے ثمن سے ”نقد“ کے ساتھ تعبیر کی ہے، سوانہوں نے کہا کہ ”صرف“ ”نقد“ کے مقابلے میں نقد کی بیع کو کہتے ہیں، عوضین خواہ ہم جنس ہوں یا نہ ہوں، اور ان کے نزدیک بھی ”نقد“ سے مراد سونا چاندی ہی ہے، خواہ کسی بھی شکل میں ہوں، اور تینوں مذاہب کا حکم ایک ہے، اور یہ کہ سونا اور چاندی کی خرید و فروخت جب جنس کے ساتھ ہو، مثلاً سونے کو سونے کے ساتھ یا چاندی کو چاندی کے ساتھ تو اس صورت میں حلول (ادھار نہ ہونا) تماثل (برابر ہونا) اور تقابض ضروری ہیں..... ائمہ ثلاثہ کی صرف کی مذکورہ تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف اس سونے اور چاندی میں منحصر ہے، جس میں کھوٹ غالب نہ ہو، لہذا اگر سونا یا چاندی جس میں کھوٹ غالب ہو، یا جائین سے نقدِ فلوس رائج ہوں، تو اس عقد کو عقدِ صرف نہیں کہا جائے گا۔“^(۱)

ان تمام عبارات کا حاصل یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے ہاں عقدِ صرف کے لئے ثمن کا ظقی ہونا ضروری ہے، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ کھوٹ کی صورت میں سونا چاندی غالب ہوں۔ اس لئے ”فلوس“ کی بیع صرف میں داخل نہیں، بلکہ سونے یا چاندی میں اگر ”غش“

(کھوٹ) غالب ہو، اور بحیثیت سکہ کے یہ سونا یا چاندی رائج ہو، تب بھی اس کی بیع صرف نہیں، جیسا کہ کنز الدقائق کی عبارت سے واضح ہے:-

”وغالب الغش لمس فی حکم الداهم والدنانیر فیصح

بیعہا بجنسہا متفاضلاً والتبايع والاستقراض بما یروج

عددا او وزنا او یهما ولا یتعین بالتعین لکونها اثماناً۔“

”کھوٹ اگر غالب ہو، تو اس صورت میں یہ ذرا ہم یا ذرا نیر کے حکم

نہیں ہوں گے، لہذا ان کی ہم جنس کی بیع زیادتی کے ساتھ جائز

ہوگی، اور یروج کے مطابق ان کی خرید و فروخت اور قرض کا معاملہ

وزن یا عدد کے اعتبار سے درست ہوگا، البتہ یہ متعین کرنے سے

متعین نہیں ہوں گے، کیونکہ یہ اثمان ہیں۔“ (۱)

یاد رکھنا چاہئے کہ ”ربا“ ”صرف“ سے مختلف ہے، یہ ہو سکتا ہے کہ بوا کسی

صورت میں ہو، اور وہ صرف نہ ہو، مثلاً اگر خط (گندم) خط کے مقابلے میں تفاضلاً بیچا

جائے، تو یہ ربا ہے، اور ناجائز ہے، لیکن صرف نہیں، اسی طرح اگر ایک فلس دو فلسوں کے

مقابلے میں فروخت کیا جائے، اور غیر متعین ہو، تو حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں بالاتفاق یہ ربا ہے،

اور حرام ہے، لیکن حنفیہ کے ہاں یہ ”صرف“ نہیں، اور صرف نہ ہونے کا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر

جنس کا غیر جنس کے ساتھ مبادلہ ہو، تو تفاضل جائز ہوگا، خیاب شرط قبول کرے گا، اجل قبول

کرے گا، اور تفاضل ضروری نہیں ہوگا، بلکہ ایک جانب سے قبضہ کافی ہوگا، تاکہ بیع الکالئی

بالکالئی نہ ہو، فتح القدیر میں مذکور ہے:-

”ان یبیم فلسا بغیر عینہ بفلسین بغیر اعیانہما لا یجوز لان

(۱) کنز الدقائق مع البحر، النسخی (الامام ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود

المعروف بحافظ الدین النسخی المتوفی ۷۱۰ھ) بیروت، دار الکتب العلمیہ، طبع اول

۱۳۱۸ھ (۲۳۵/۶)

الفلوس الرائجة امثال متساوية قطعاً اصطلاح الناس علی

سقوط قيمة الجودة منها فيكون احدهما فضلاً خالياً

مشروطاً فی العقد وهو الربا۔“

”غیر معین فلس کو اگر دو غیر معین فلسوں کے ساتھ بیچا، تو یہ جائز نہیں،

کیونکہ فلسوں رائج امثال متساویہ ہیں کیونکہ لوگوں نے ان میں جودت

کی قیمت کو ساقط کر دیا ہے، تو ایک فلس مشروط طور پر خالی عن العوض

ہو جائے گا، اور یہی ربا ہے۔“^(۱)

اس عبارت سے یہ بات واضح ہے کہ اگر غیر معین فلس کا غیر معین فلسین کے

ساتھ تبادلہ ہو، تو اس صورت میں یہ معاملہ بالاتفاق حرام ہے، کیونکہ فلس امثال متساویہ ہیں

(یعنی ایک فلس دوسرے فلس کا ہم مثل ہے۔) تو جب ایک فلس دو کے مقابلے میں ہو، تو

ایک جانب میں ایک فلس خالی عن العوض ہوا، اور یہی ربا ہے، تو ربا کی تعریف اس پر صادق

ہے، لہذا یہ صورت حرام ہے، البتہ اگر فلس کو معاملے کے وقت معین کیا جائے، مثلاً یہ کہا

جائے کہ یہ ایک فلس میں تم کو تمہارے ان دو فلسوں کے مقابلے میں فروخت کرتا ہوں، تو

اس صورت میں حضرات شیخین کے نزدیک یہ صورت جائز ہے، کیونکہ تعین سے فلس سامان

کے حکم میں آگئے، اور عروض میں تفاضل جائز ہے، تو فلس میں بھی جائز ہوگا، گویا کہ فلس

لوگوں کی اصطلاح سے ثمن بنا تھا، اور عائدین کی اصطلاح سے اس کی ثمنیت باطل ہوگئی،

لیکن حضرت امام محمد کے نزدیک یہ صورت بھی جائز نہیں، کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ جب

فلس اصطلاح سے ثمن بن گیا، تو اب صرف عائدین کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ اس کی

ثمنیت کو باطل کریں، البتہ سارے لوگ اس کی ثمنیت کے بطلان پر متفق ہو جائیں، تو وہ

الگ بات ہے۔

”ربا“ (Interest) کے مسئلے میں علامہ کا سائی فرماتے ہیں:-

”ویجوز بیع المعدودات المتقارۃ من غیر المطعومات
 بجنسها متفاضلاً عند ابی حنیفہ وابی یوسف بعد ان
 یکون یدأبید کبیم الفلوس بالفلسین باعتبارهما، وعند
 محمد لا یجوز۔ وجہ قولہ، ان الفلوس اثمان فلا یجوز بیعها
 بجنسها متفاضلاً کالدراہم والدنانیر، ودلالة الوصف عبارة
 عما تقدر به مالۃ الاعیان ومالۃ الاعیان كما تقدر
 بالدراہم والدنانیر تقدر بالفلوس فکانت اثماناً، ولهذا
 كانت اثماناً عند مقابلتها بخلاف جنسها، وعند مقابلتها
 بجنسها حالة المساواة، وان كانت ثمناً فالثمن لا یتعین
 وان عین کا الدراہم والدنانیر فالتحقق التبعین فیہما
 بالعدم فکان بیع الفلوس بالفلسین بغير اعیانہما، وذا
 لا یجوز، ولانہا اذا كانت اثماناً فالواحد یقابل الواحد فبقی
 الآخر فضل مال لا یقابله عوض فی عقد المعاوضة وهذا
 تفسیر الربا النہی“

”کھانے جانے والی اشیاء کے علاوہ جو اشیاء ”معدودات متقارۃ“
 میں سے ہوں، ان کی بیع بجنسہا زیادت کے ساتھ امام ابوحنیفہؒ اور
 امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے، لیکن اس میں یہ ضروری ہے کہ
 ہاتھ در ہاتھ ہو، جیسا کہ ایک فلس کے مقابلے میں دو فلسوں کی بیع
 جائز ہے، جبکہ یہ دونوں معین ہوں، اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ جائز
 ہیں۔ امام محمدؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ فلوس اثمان ہیں، لہذا دراہم
 اور دنانیر کی طرح ان کی بیع بجنسہا زیادتی کے ساتھ جائز نہیں، اور
 وصف (ثمنیت) کی دلیل یہ ہے کہ جس چیز سے اشیاء کی مالیت کا

اندازہ کیا جاتا ہے، اور اشیاء کی مالیت کا اندازہ جس طرح ذرا ہم اور
 دُنا نیر کے ساتھ کیا جاتا ہے، اس طرح فلوس کے ساتھ بھی کیا جاتا
 ہے، لہذا فلوس اٹمان ہوں گے، اور یہی وجہ ہے کہ فلوس کا مقابلہ
 جب غیر جنس کے ساتھ ہو، یا جنس کے ساتھ ہو، لیکن دونوں طرف
 مساوی ہوں، تو فلوس کو اٹمان قرار دیا جاتا ہے، اور جب جب فلوس
 اٹمان ہیں، تو ثمن تعین سے متعین نہیں ہوتے، جیسا کہ ذرا ہم اور
 دُنا نیر کا معاملہ ہے، لہذا ان میں ”تعین“ کا عدم ہوگئی، تو اب یہ سمجھا
 جائے گا، کہ یہاں غیر معین فلس کی غیر معین فلسین کے ساتھ بیچ ہوئی،
 اور یہ جائز نہیں، اور اسی لئے بھی کہ جب یہ اٹمان ہیں، تو ایک فلس
 ایک فلس کے مقابلے میں آجائے گا، اور ایک فلس عوض سے خالی رہ
 جائے گا، اور یہی ربا کی تفسیر ہے۔“ (۱)

اور ہدایہ میں ہے:-

ویجوز بیع الفلس بالفلسین اعیانہما عند ابی حنیفة وابی
 یوسف، قال محمد: لا یجوز، لان الثمنیة تثبت باصطلاح
 البکل فلا تبطل باصطلاحهما واذا بقیت اثمانا لا تتعین
 فصلر کما اذا کانا بغير اعیانہما، وکبیع الدھم بالدرھمین
 ولہما ان الثمنیة فی حقہما تثبت باصطلاحہما اذ لا ولایة
 تلغیر علیہما فتبطل باصطلاحہما واذا بطلت الثمنیة
 تتمین بالتعین۔۔۔ فصلر کالجوزة بالجزوتین بخلاف
 النقود لانہا للثمنیة خلقة۔ (۲)

(۱) بدائع الصنائع، الکسانی (الامام العلامة علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکسانی)

کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی، طبع اول ۱۳۲۸ھ

(۲) الہدایة مع الفتح (۱۶۲/۶)

اس عبارت کا حاصل وہی ہے، جو ہم نے اوپر ذکر کیا۔
 فلس بفلسین کی فتح القدر وغیرہ میں چار صورتیں تحریر ہیں، ان میں سے تین
 صورتیں بالاتفاق حرام اور ناجائز ہیں، اور ایک صورت اختلافی ہے، جس کی تفصیل گزر
 گئی:-

۱-	فلس غیر معین	=	فلسین غیر معینین	حرام اتفاقاً
۲-	فلس معین	=	فلسین غیر معینین	
۳-	فلس غیر معین	=	فلسین معینین	اختلافی ^(۱)
۴-	فلس معین	=	فلسین معینین	

فلوس میں تاجیل جائز ہونے کی صورت علامہ سرخسیؒ نے یہ بیان فرمائی ہے:-

واذا اشترى الرجل فلوسا بدراهم ونقد الثمن ولم تكن
 الفلوس عند البائع فالباع جائز، لان الفلوس الرائجة ثمن
 كالنقود، وقد بينا ان حكم العقد في الثمن
 وجوبها ووجودها معا ولا يشترط قيامها في ملك بائعها
 لصحة العقد كما لا يشترط ذلك في الدراهم والدنانير۔

”جب ایک آدمی ذراہم کے بدلے میں فلوس خریدے، اور ثمن
 (ذراہم ادا کئے) ادا کیا، اور فلوس بائع کے پاس نہیں تھے، تو یہ جائز
 ہے، کیونکہ فلوس رائج نقد کی طرح ثمن ہیں، اور ہم یہ بیان کر چکے
 ہیں کہ ثمن میں عقد کا حکم صرف اس کا وجوب اور وجود ہے، اور ثمن کا
 بوقت عقد بائع کی ملکیت میں ہونا صحت عقد کے لئے ضروری نہیں،
 جیسا کہ یہ ذراہم اور دنانیر میں یہ شرط نہیں ہے۔“^(۲)

(۱) فتح القدر (۱/۱۶۲)

(۲) المبوط للسرخسی (شمس الدین السرخسی) بیروت، لبنان، دارالمعرفة، طبع

۱۴۱۲ھ (۲۳/۳)

نیز علامہ سرحدیؒ ایک مسئلے کے آخر میں فرماتے ہیں:-

وبیع الفلوس بالدداهم ليس بصرف الله

”اور فلوس کی بیع ذرا ہم کے ساتھ صرف ہے نہیں۔“^(۱)

اور جب ایک جانب درہم ہو اور ایک جانب فلس ہو، تو یہ صرف نہیں، تو جب دونوں طرف فلس ہو، تو وہ بطریق اولیٰ صرف نہیں ہوگا۔

یہاں تک یہ بات واضح طور پر سامنے آئی کہ ائمہ ثلاثہ کے ہاں فلوس کی بیع صرف نہیں ہے، اب آئیے مالکیہ کی نصوص دیکھتے ہیں:-

فلوس کی بیع کے صرف ہونے یا نہ ہونے سے متعلق مالکیہ کا نقطہ نظر

”قلت: ادایت ان اشتریت فلوسا بدداهم فافترقنا قبل ان

ان نتقابض، قال: لا یصلح هذا فی قول مالك، وهذا فاسد،

قال: لی مالك: لا خیر فیها نظرة بالذهب ولا بالورق، ولو

ان الناس اجازوا بمنهم الجلود حتی تكون لها سكة وعین

لکرتھا ان تباع بالذهب والورق نظرة قلت: ادایت ان

اشتریت خاتم فضة او خاتم ذهب او تبر ذهب بفلوس

فافترقنا قبل ان نتقابض ایجوز هذا فی قول مالك؟ قال:

لا یجوز فلس بفلسین۔۔۔ قال اللیث بن سعد عن یحی بن

سعيد وربیعة انهما کرھا الفلوس بالفلوس وبینهما فضل

اور نظرة وقال: انها صارت سكة مثل سكة الدنانیر

والدداهم۔“

”میں نے کہا: آپ یہ بتائیں کی میں اگر ذرا ہم کے بدلے فلوس

خریدوں اور پھر ہم قبضہ کئے بغیر الگ ہو جائیں، فرمایا: یہ امام مالک کے قول میں درست نہیں، اور یہ فاسد ہے، مجھے امام مالک نے فرمایا: فلوس اگر سونے یا چاندی کے مقابلے میں اُدھار ہوں، تو اس معاملے میں کوئی خیر نہیں، اور اگر لوگ کھالوں میں تعامل شروع کریں، یہاں تک کہ یہ سکہ اور ذات بن جائیں، تو میں ان کھالوں کا تبادلہ سونے چاندی کے ساتھ اُدھار مکروہ قرار دوں گا۔ میں نے کہا: آپ یہ بتائیں کہ میں اگر فلوس کے بدلے چاندی یا سونے کی انگلی خریدوں، اور پھر قبضہ کئے بغیر الگ ہو جائیں، تو یہ امام مالک کے نزدیک جائز ہے؟ فرمایا: یہ امام مالک کے نزدیک جائز نہیں، کیونکہ امام مالک نے فرمایا: فلس کا فلسین کے مقابلے میں معاملہ جائز نہیں..... لیف بن سعد یحییٰ بن سعید اور ربیعہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ دونوں فلوس کا فلوس کے مقابلے میں ایسا معاملہ کو مکروہ فرماتے ہیں جس میں زیادتی یا اُدھار ہو، اور یہ فرمایا: کیونکہ یہ ذنا نیر اور ذراہم کی طرح سکہ ہو گیا۔^(۱)

”وقال مالك : اكراه ذلك في الفلوس ولا اراه حراما كتحريم الدنانير والدرهم، قلت: ارایت ان اشتریت فلسا بفلسین ایجوز هذا عند مالك ؟ قال: لا یجوز فلس بفلسین۔“

”اور امام مالک نے فرمایا: میں اس کو فلوس میں مکروہ سمجھتا ہوں، اور میں اس معاملے کو ذنا نیر اور ذراہم کی حرمت کی طرح حرام نہیں سمجھتا

(۱) المدونة الكبرى، الاصحی (الامام مالك بن انس الاصحی المتوفى ۱۷۹، بيروت،

دار الكتب العلمية، طبع اول ۱۴۱۵ هـ (۲۰۵/۳)

ہوں، میں نے کہا: آپ یہ بتائیں کہ امام مالکؒ کے نزدیک ایک فلس کی بیع دو فلسوں کے ساتھ جائز ہے؟ فرمایا: ایک فلس کی بیع دو فلسوں کے ساتھ جائز نہیں۔“ (۱)

اللیث عن یزید بن ابی حبیب وعبد اللہ بن ابی جعفر
قالا: وشيوخنا کلهم انهم کانوا یکرهون صرف الفلوس
بالدنانیر والدراهم الا یدابید۔ وقال یحیی بن ایوب:
قال یحیی بن سعید: اذا صرفت درهما فلوسا فلا تفارقه حتی
تأخذ کلہ۔

”ہمارے سارے مشائخ فلس کا دنانیر اور دراهم کے ساتھ صرف کو
نا پسند فرماتے تھے، مگر یہ کہ ہاتھ ڈر ہاتھ ہو۔“ (۲)

حضرات مالکیہ کی ان عبارات سے صاف طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان
کے ہاں رائج یہی ہے کہ صرف کے لئے ثمن کا خلقی ہونا ضروری نہیں، بلکہ فلس کی بیع بھی
صرف میں داخل ہے، اور اس میں تقابض ضروری ہے، اور ادھار ان کا معاملہ جائز نہیں۔

کیا کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بیع صرف میں داخل ہے؟

باب سوم میں یہ بات گزر چکی ہے کہ ”نوٹ“ کی شرعی حیثیت میں چار مشہور

نظرے ہیں:-

۱- نوٹ دین (Debt) کی ”سند“ (Certificate) ہے۔

۲- نوٹ ”سامان“ (Goods) ہے۔

۳- نوٹ سونے اور چاندی کا ”بدل“ یا قائم مقام (Substitute) ہے۔

۴- نوٹ بذات خود ”ثمن عرفی“ ہے، اور فلس کے حکم میں ہے۔

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) حوالہ بالا (۳/۵۶)۔

یہ مسئلہ ان ہی نظریات پر متفرع ہوتا ہے، اور نظریات میں اختلاف کی وجہ سے یہ مسئلہ بھی اختلافی بن جاتا ہے۔

چنانچہ جو حضرات پہلے نظریے کے قائل ہیں، ان کے نزدیک نوٹوں میں بیع صرف کا تصور نہیں، کیونکہ بیع صرف میں تقابض ضروری ہے، اور نوٹ پر قبضہ اصل پر قبضہ ہے نہیں، بلکہ اس کی سند پر قبضہ ہے، تو تبادلے میں تقابض نہ ہوگا، تو بیع صرف متصور بھی نہیں۔

امداد الفتاویٰ میں مذکور ہے:-

سوال:- اگر سود پے کے کوئی شخص پیدا یا کسی کے ہاتھ سے کم یا زیادہ کو بدلے یا فروخت کرے تو کیسا ہے؟ مینو تو جردا۔

الجواب:- معاملہ نوٹ حوالہ ہے، بیع نہیں، اس لئے یہ دونوں صورتیں^(۱) حرام اور سود ہیں، کی بیشی جائز نہیں، اور یہ بہت ہی ظاہر ہے۔

ایک دوسرے مفصل سوال کے جواب میں فرمایا:-

الجواب:- نوٹ کی حقیقت حوالہ ہے، اور حوالے میں کئی بیشی جب معروف یا مشروط ہو رہا ہے الخ^(۲)۔

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند معروف بزرگ الفتاویٰ میں ایک سوال کے جواب میں مذکور ہے:-

الجواب:- بیع اس کی زائد و کم کو اس مقدار سے جو اس کے اندر تحریر ہے درست نہیں، اور درحقیقت اس کی (نوٹ) بیع نہیں ہو سکتی بلکہ

(۱) امداد الفتاویٰ، تھانوی (مولانا محمد اشرف علی تھانوی) کراچی، مکتبہ دارالعلوم کراچی (۷۶/۳)۔

(۲) حوالہ بالا (۷۸/۳)۔

بطریق حوالہ اس کا انتقال ہوتا رہتا ہے الخ۔^(۱)

فتاویٰ رشیدیہ میں تحریر ہے:-

سوال:- نوٹ کی خرید و فروخت کی یا زیادتی پر جائز ہے یا نہیں؟
بالفصیل ارقام فرمائیں۔

جواب:- نوٹ کی خرید و فروخت برابر قیمت پر بھی درست نہیں، مگر
اس میں حیلہ حوالہ ہو سکتا ہے، اور بحیلہ عقد حوالہ کے جائز ہے، مگر کم
زیادہ پر بیع کرنا برا اور ناجائز ہے فقط۔^(۲)

ہندوستانی علماء میں سے ان حضرات کے نزدیک چونکہ نوٹ سندِ دین ہے، جیسا
کہ باب سوم میں اس کا تذکرہ گزر چکا ہے، اس لئے ان کے نزدیک نوٹوں میں بیع جائز ہی
نہیں، معاملہ بھی جائز نہیں، اور قاعدہ بھی جائز نہیں۔

البتہ اگر کسی نے بیع کی، تو اس کو عقدِ حوالہ کہا جائے گا، اور اسی تاویل سے اس
معاملے کو درست قرار دیا جائے گا، بشرطیکہ تساوی کے ساتھ تبادلہ ہو، اور حوالے کا مطلب یہ
ہے کہ زید عمر و کدوس روپے کا نوٹ دے رہا ہے، گویا زید اپنا دین اس کے حوالے کر رہا ہے،
اور عمر و اس کو دس روپے کا نوٹ دے رہا ہے، گویا وہ اپنا دین اس کے حوالے کر رہا ہے، البتہ
کی بیشی جس طرح بیع میں ناجائز ہے، اسی طرح عقدِ حوالہ میں بھی ناجائز ہے۔

جو حضرات کہتے ہیں کہ ”نوٹ“ عروض اور سامان کے حکم میں ہے، ان کے
ز نزدیک بھی نوٹوں کا تبادلہ بیع صرف نہیں، کیونکہ صرف کے لئے عوضین کا ذر (نقد) ہونا
ضروری ہے، ان کے ہاں صرف صرف سونے اور چاندی میں منحصر ہے۔

علمائے ہند میں سے علمائے رام پور اور احمد رضا خان بریلوی صاحب اسی کے
قائل ہیں، چنانچہ وہ اپنے رسالے میں فرماتے ہیں:-

(۱) عزیز الفتاویٰ، مفتی عزیز الرحمن صاحب، کراچی، دارالاشاعت کراچی، طبع اول (ص ۶۳۶)۔

(۲) فتاویٰ رشیدیہ، مولانا مفتی رشید احمد گنگوہی (۳۰۰)۔

سوال: هل يجوز بيع النوط بازيد من رقبه او انقص؟
 فاقول: نعم، يجوز بيعه بازيد من رقبه وبانقص منه كيفما
 تراضيا (الى قوله) نص علماء ناقاطبة ان علة حرمة الربا
 القدر المعهود بكيل او وزن مع الجنس فان وجد احرم
 الفضل والنساء، وان عدما، حلا، وان وجد احدهما حل
 الفضل وحرم النساء، وهذه قاعدة غير منخرمة وعليها
 تدور جميع فروع الباب، ومعلوم ان لا اشتراك في النوط
 والداهم في جنس ولا قدر، اما الجنس فلان هذا
 قرطاس، وتلك فضة، واما القدر فلان الدهم موزونة
 ولا قدر للنوط اصلا لا مكيل ولا موزون، فيجب ان يحل
 الفضل، والنساء جميعا، فاذن ليس النوط من الاموال
 الربوية الخ

”سوال:- کیا نوٹ کی بیچ اس میں لکھی ہوئی قیمت سے کمی بیشی کے
 ساتھ فروخت کرنا درست ہے؟ میں کہتا ہوں کہ ہاں اس کی بیچ اس
 میں لکھی ہوئی قیمت سے کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے، جس طرح
 عاقدین راضی ہو جائیں..... ہمارے سارے علماء نے اس بات کی
 تصریح کی ہے کہ حرمتِ ربا کی علت قدر (کیل، وزن) اور جنس
 ہے، دونوں باتیں اگر موجود ہوں، تو زیادتی اور نساء دونوں ناجائز
 ہیں، اور اگر دونوں باتیں معدوم ہوں، تو زیادتی اور نساء دونوں جائز
 ہیں، اور اگر ایک بات موجود ہو، تو زیادتی جائز اور نساء ناجائز ہے، یہ
 ٹوٹنے والا قاعدہ نہیں، اس پر باپ ربا کے تمام جزوی مسائل کا مدار
 ہے، اور یہ بات بالکل معلوم ہے کہ نوٹ اور درہم میں کوئی جنسی

اشتراک نہیں، کیونکہ نوٹ ایک کاغذ ہے، اور درہم چاندی ہے، اسی طرح قدر کی بھی بات ہے، کہ درہم موزونات میں سے ہے، اور نوٹ کا کوئی وزن نہیں، کیونکہ یہ نہ موزونات میں سے ہے، اور نہ ملکیات میں سے ہے، لہذا واجب ہے کہ اس میں زیادتی اور نقص دونوں جائز ہوں، لہذا نوٹ اموال ربویہ میں سے نہیں۔^(۱)

فتاویٰ رضویہ میں ایک سوال کے جواب کے آخر میں لکھتے ہیں:-
”پس حسب ضابطہ مقررہ یہاں فضل و نسیئہ دونوں حلال ہونا چاہئے۔“^(۲)

اور فتاویٰ سعیدیہ میں مذکور ہے:-

”قتعین انہا سلم یثبت لہا مایثیت لسانہ السلم من زیادۃ و نقصان و جواز بیع بعضها ببعض متماثلاً او متفاضلاً من جنس او اجناس الخ“

”تو یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ نوٹ سامان ہے، دوسرے سامان کی طرح اس میں بھی کمی بیشی جائز ہوگی خواہ دونوں نوٹ ہم جنس ہوں یا مختلف الجنس ہوں۔“

اور شیخ سلیمان الحمدانی اپنے ایک فتویٰ میں فرماتے ہیں:-

”اذا علم هذا فلا مانع من بیع الورق علی اختلاف انواعه و مسایاتہ من الریالات او الدنانیر او الجنیہات باحد النقدین باحد النقدین الذہب و الفضة متفاضلاً او نساء

(۱) کفیل الفقہ الفہام فی احکام القرضات والدہام (ص ۲۳)۔

(۲) فتاویٰ رضویہ، بریلوی (مولوی احمد رضا خان بریلوی) کراچی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، ایم اے جناح روڈ کراچی (۷/۲۳۵ باب الصرف)۔

ولا تدخل للربا في شئ من ذلك لان الورق ليس من
الاموال الربوية ولان الربا مختص بالمكيلات
والموزونات والورق ليس بمكيل ولا موزون۔“
”..... نوٹوں کے تبادلے میں ربا کا کوئی دخل نہیں، کیونکہ نوٹ
اموال ربویہ میں سے نہیں، اور اس لئے بھی کہ ربا خاص ہے مکيلات
اور موزونات کے ساتھ اور نوٹ نہ مکيل ہے، اور نہ موزون۔“^(۱)

اور جن حضرات کے نزدیک ”نوٹ“ سونے چاندی کا قائم مقام اور سونے
چاندی کا بدیل ہے، ان کے نزدیک نوٹوں کے احکام وہی ہوں گے، جو سونے چاندی کے
ہیں، لہذا ان کے نزدیک نوٹوں کا تبادلہ بیع صرف میں داخل ہے۔

مولانا محمد عبدالحی صاحب لکھنوی کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اس
نظریے کے قائل ہیں، اور ان کے نزدیک نوٹ شمن تو ہے، لیکن اس پر احکام سونے چاندی
کے لاگو ہوں گے، نہ کہ فلوس کے، نوٹ کے بارے میں ایک جگہ وہ فرماتے ہیں:-

”پس پیسے (فلوس) اگرچہ عرفاً شمن ہیں، مگر عین شمن خلقی نہیں سمجھے
گئے ہیں، بخلاف نوٹ کے کہ یہ عین شمن خلقی ہے، گو شمنیت خلقیہ
نہیں، بلکہ شمنیت عرفیہ ہو، پس تفاضل بیع فلوس میں جائز ہونے سے
یہ لازم نہیں آتا کہ نوٹ میں بھی جائز ہو، کیونکہ پیسے غیر جنس شمن ہیں،
حقیقۃً بھی اور عرفاً بھی، گو بوجہ اصطلاح اور عرف کے اس میں بھی
شمنیت کی صفت آگئی ہو، پس جبکہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں عین شمن
خلقی سمجھا گیا، باب تفاضل میں اسی بناء پر حکم دیا گیا جائے گا، اور
تفاضل اس میں حرام ہوگا۔“^(۲)

(۱) جريدة البلاد السعودية العدد ۲۹۱۷ (۲۲/۶/۱۳۸۷ھ)۔

(۲) مجموعۃ الفتاویٰ لکھنوی (مولانا عبدالحی) کراچی، ایچ ایم سعید، پاکستان چوک (۱۳/۷/۱۳۷۷)۔

شیخ عبدالرزاق عقیلی فرماتے ہیں:-

"لما كان الامر كذلك كانت الاوراق النقدية بدلا عما حلت محلها من عملات الذهب او الفضة التي سبقتها في التعامل --وعلى هذا تجب فيها الزكاة كاصلها ويقدر فيها النصاب بما قدد بها في اصلها وتجري فيها ربا الفضل والنسيئة (۱)"

اس عبارت کا حاصل یہی ہے کہ کرنسی نوٹ جب سونے چاندی کی کرنسی کے قائم مقام ہو گئے، تو اب اس پر اس کے سارے احکام جاری ہوں گے، اور کرنسی نوٹوں میں دیگر احکام کی طرح ربا الفضل اور ربا النسيئة دونوں قسمیں جاری ہوں گی۔ ان عبارات سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بیع صرف ہو سکتا ہے۔

اور جن حضرات کے نزدیک کرنسی نوٹ مستقل زر ہے، اور احکام میں فلوس کی طرح ہے، ان کے نزدیک کرنسی نوٹوں کا تبادلہ "بیع صرف" نہیں۔

حاصل یہ کہ مذکورہ چار موقفوں میں سے صرف تیسرے موقف کے مطابق کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بیع صرف ہے، باقی تین موقفوں کے مطابق نوٹوں کا تبادلہ بیع صرف نہیں، اور بیع صرف نہ ہونے کی وجہ الگ الگ ہے، یعنی:-

موقف اول کے مطابق نوٹ پر قبضہ سند پر قبضہ ہے، تو قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے بیع صرف کیا سرے سے یہ بیع ہی نہیں، بلکہ حوالہ ہے۔

دوسرے موقف کے مطابق نوٹ سامان کے حکم میں ہے، اس لئے صرف کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی، چوتھے موقف کے مطابق نوٹ اگرچہ زر ہے، لیکن چونکہ بیع صرف کے لئے ثمن کا خلقی ہونا ضروری ہے، اور یہ ثمن خلقی نہیں، اس لئے ان کا تبادلہ بیع صرف نہیں، تیسرے موقف کے مطابق چونکہ کرنسی نوٹ سونے یا چاندی کے قائم مقام ہے،

اور بدل کا حکم وہی ہوتا ہے، جو مبدل کا ہوتا ہے، اس لئے اس کا مبادلہ بیع صرف ہے۔
بہر حال چوتھے موقف کے مطابق بھی کرنسی نوٹوں کا تبادلہ صرف نہیں۔ جسٹس
مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:-

ثم ان هذه الاوراق النقدية وان كان لا يجوز فيها
التفاضل، ولكن بيعها ليس بصرف، لان الاوراق النقدية
ليست اثمانا خلقية وانما هي اثمان عرفية او اصطلاحية
ولا يجري الصرف الا في الاثمان الخلقية من الذهب
والفضة۔

”پھر یہ نوٹ اگرچہ ان میں تفاضل جائز نہیں، لیکن ان کی خرید و
فروخت صرف نہیں، کیونکہ نوٹ خلقی اثمان نہیں، بلکہ یہ تو عرفی یا
اصطلاحی اثمان ہیں، اور بیع صرف اثمان خلقیہ یعنی سونے چاندی
میں جاری ہوتی ہے۔“ (۱)

سید محمد باقر اپنی کتاب میں کرنسیوں کے تبادلے کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:-
”وعملیات البيع والشراء هذه جائزة شرعا سواء كانت
حاضرة او لاجل۔“

”اور ان کی خرید و فروخت کا عمل شرعاً جائز ہے، خواہ نقد ہو، یا ادھار
ہو۔“ (۲)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کرنسی نوٹوں کی ادھار بیع کو جائز قرار
دیا، لہذا یہ صرف نہیں، جیسا کہ ظاہر ہے۔

(۱) احکام الاوراق النقدية للعثماني (ص ۲۷)۔

(۲) البنك اللادوي في الاسلام، السيد محمد باقر الصدر، بيروت، دار المعارف، طبع

شعبہ ۱۴۰۰ھ (ص ۱۳۸)

شیخ عبداللہ بن سلمان جو دارالافتاء ریاض کے رکن ہیں، فرماتے ہیں:-

”هذه النظرية ترى ان الاوراق النقدية كالفلوس في طروا الثمنية عليها فما ثبت للفلوس من احكام الربا والزكاة والسلم تثبت للاوراق النقدية مثلها وقد قال بهذه النظرية مجموعة كبيرة من افاضل العلماء ويعتبر القائل بها في الجملة وسطا بين القائلين بالنظرية السندية والقائلين بالنظرية العرضية، ولا شك انه اقرب الاقوال الى الاصابة في نظرنا (النقد الورقي ص ۸۳)

”اس نظریے کا حاصل یہ ہے کہ نوٹ ٹمن طاری ہونے میں فلوس کی طرح ہیں، سو ربا، زکوٰۃ اور سلم کے جو احکام فلوس میں جاری ہوتے ہیں، وہ احکام نوٹوں میں بھی جاری ہوں گے، اس نظریے کا قائل فاضل علماء کی ایک بڑی جماعت ہے، اور اس نظریے کا قائل دو نظریوں یعنی یہ نظریہ کہ نوٹ سند ہے، اور یہ نظریہ کہ نوٹ عرض ہے، کے درمیان فیصل اور ثالث ہے، (یا اس نظریے کا قائل مذکورہ دو نظریوں کے قائلین کے درمیان میں ہے، یعنی یہ نظریہ اعتدال پر مبنی ہے۔) اور بلاشبہ یہ نظریہ ہماری نظر میں حق اور درستگی کے زیادہ قریب ہے۔“^(۱)

شیخ احمد خطیب اس سلسلے میں فرماتے ہیں:-

”فتیین بجمیع ذلك ان النوت كالفلوس النحاسية في جميع احكامها ظاهراً وباطناً (اقناء النفوس بالحق النوت بالفلوس ص ۳۸)

”ان تمام (دلائل) سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نوٹ ظاہر و باطناً تمام احکام میں تانبے سے بنے ہوئے فلوس کی طرح ہے۔“^(۱)

ترجیح

باب سوم میں ہم نے کرنسی نوٹوں کی شرعی حیثیت کے بارے میں چوتھے موقف کو ترجیح دی تھی، لہذا اسی بناء پر یہاں بھی رائج یہی ہے کہ کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بیع صرف نہیں۔

فلوس کے تبادلے کا تحقیقی جائزہ

فلوس کے تبادلے کا تحقیقی جائزہ اسی باب کے شروع میں ”بیع صرف اور فلوس“ کے عنوان کے تحت بڑی تفصیل سے لیا گیا ہے، اس لئے یہاں دوبارہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

ایک ملک کی کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بصورت بیع

جاننا چاہئے کہ ایک ملک کی کرنسی جنس واحد ہے، اور مختلف ممالک کی کرنسیاں اجناس مختلفہ ہیں، اور کرنسی کے بارے میں رائج قول یہی ہے کہ فلوس کے حکم میں ہے، اور فلوس میں اختلاف مشہور ہے، جو تفصیل کے ساتھ گزشتہ صفحات میں گزر چکا، امام محمدؒ اور امام مالکؒ فلوس میں تفاضل کو حرام قرار دیتے ہیں، بلکہ غیر معین ہونے کی صورت میں حضرات شیخینؒ کا بھی یہی موقف ہے، لہذا کرنسی نوٹوں سے متعلق اس قول کے مطابق ملکی کرنسی کا تبادلہ کی بیشی کے ساتھ جائز نہ ہوگا، اور تفاضل جائز نہ ہونے کی علت وہی ہے، جو ”فلوس“ میں گزر چکی، یعنی یہ کہ یہ امثال متساویہ ہیں، تو بیع کی صورت میں اگر ایک طرف زیادتی ہوگی، تو وہ زیادتی مشروط خالی عن العوض ہوگی، اور یہی رہا ہے، جو حرام ہے، اس کی مفصل عربی عبارات گزشتہ صفحات میں ذکر ہو چکی ہیں۔

واضح رہے کہ جن حضرات کے نزدیک کرنسی نوٹ سند دین ہے، ان کے نزدیک

ملکی کرنسی کا تبادلہ بطور بیع دُرست نہیں، بلکہ بطور عقدِ حوالہ دُرست ہوگا، تفصیلات گزر چکی ہیں، اور جو حضرات کرنسی نوٹ کو سامان کا درجہ دیتے ہیں، ان کے نزدیک نہ صرف ملکی کرنسی کی بیع دُرست ہے، بلکہ تقاضل بھی جائز ہے، اور جن حضرات کے نزدیک کرنسی نوٹ سونے چاندی کا قائم مقام اور اس کا بدیل ہے، ان کے نزدیک ملکی کرنسی کی بیع بشرط تماثل جائز ہے، اور یہ بیع صرف ہے۔

حاصل یہ کہ ملکی کرنسی کے تبادلے میں چار قول ہو گئے:-

۱۔ ملکی کرنسی کا تبادلہ بطور بیع دُرست نہیں، البتہ بطور حوالہ بشرط تماثل منجائش ہے۔ علمائے ہند میں اُسے مولانا رشید احمد گنگوہی صاحبؒ، مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحبؒ، مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ وغیرہ اسی کے قائل ہیں۔

۲۔ ملکی کرنسی کا تبادلہ بطور بیع تقاضلاً بھی دُرست ہے۔ علمائے راجپور اور مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی اس کے قائل ہیں۔

۳۔ ملکی کرنسی کا تبادلہ بطور بیع صرف بشرط تماثل دُرست ہے۔ علامہ عبدالحی لکھنوی صاحبؒ اور علامہ سعدی صاحب فتاویٰ سعدیہ اسی کی طرف مائل ہیں۔

۴۔ ملکی کرنسی کی بطور عام بیع بشرط تساوی بیع جائز ہے۔ بعد کے اکثر علمائے ہند اور علمائے عرب اسی کے قائل ہیں، اور زیادہ تر دارالافتاؤں میں اسی پر فتویٰ اور عمل جاری ہے۔

کرنسی نوٹ کے بارے میں ایک قول جدید

مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب مرحوم کی تحقیق کے مطابق ایک روپیہ کا نوٹ بحکمِ فلوس ہے، اور بڑے نوٹ ایک روپے کے نوٹوں اور دھاتی سکوں کی رسید ہے، اور اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اسٹیٹ بینک آف پاکستان سے تحقیق پر معلوم ہوا کہ ملکی درآمد

برآمد کے حساب سے کل پیداوار کے برابر دھاتی سکے اور ایک روپے کے نوٹ جاری کئے جاتے ہیں، پھر ان دھاتی سکوں اور ایک روپے کے نوٹوں کے مجموعے کی تعداد کے مطابق بطور دستاویز بڑے نوٹ جاری کئے جاتے ہیں، لہذا اسٹیٹ بینک کے اس بیان کے مطابق

$$\begin{aligned} \text{دھاتی سکے} &= \text{فلوس} \\ \text{ایک روپے کا نوٹ} &= \text{فلوس کے حکم میں ہے} \\ \text{بڑے نوٹ} &= \text{فلوس کی دستاویز} \end{aligned}$$

اس لئے دس روپے کا نوٹ مثلاً ایک ایک روپے کے دس دس نوٹوں یا اس کے برابر دھاتی سکوں کی دستاویز ہے، خود ذرا اور مال نہیں۔

اسی نظریے کی بناء پر مفتی صاحب ”ملکی کرنسی کے تبادلے کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:-

”ایک روپے کے نوٹ بحکم فلوس ہیں، اس لئے ان کا باہم مبادلہ جائز ہے، البتہ تفاضل اور نسا حرام ہے، اگر کہیں نساء کی ضرورت پیش آئے، تو مبادلے کی بجائے استقراض کا معاملہ کیا جاسکتا ہے۔ بڑے نوٹوں کے عوض ایک روپے کے نوٹ لینا اس معاملے کو استقراض میں داخل کیا جاسکتا ہے، بڑے نوٹوں کا باہم مبادلہ یہ درحقیقت مال کا مال کا مبادلہ نہیں، بلکہ رسید کا رسید سے ہے، اس لئے جائز ہے۔“^(۱)

اس میں ملکی کرنسی سے متعلق درج ذیل چار صورتیں آئیں:-

۱- ایک روپے کے نوٹوں کے بطور بیع یا ہی مبادلہ، یہ متائل اور تفاضل کے ساتھ جائز ہے۔

(۱) احسن الفتاویٰ، لدھیانوی (مفتی رشید احمد صاحب) کراچی، ایچ ایم سعید،

پاکستان چوک، طبع اول ۱۴۱۵ھ (۱۹۹۷ء)۔

۲- ان کی بیع نساءً جائز نہیں، البتہ قرضاً درست ہے، جس کی صورت یہ ہوگی کہ زید عمرو کو آج ایک ایک روپے کے سو نوٹ بطور قرض دیدے، اور ماہ بعد عمرو پھر واپس کرے۔

۳- ۱۰۰ کا نوٹ مثلاً ایک ایک روپے کے ۱۰۰ نوٹ، اس کی بیع درست نہیں، لہذا اس میں قرض کا حیلہ کیا جائے گا، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔

۴- ۱۰۰ روپے کا نوٹ = ۱۰۰ روپے کے نوٹ کے ساتھ تبادلہ بطور بیع درست ہے۔

مناقشہ

حضرت مفتی صاحب مرحوم کا کرنسی نوٹوں سے متعلق مذکورہ موقف اس بات پر مبنی ہے کہ ملک میں ایک روپے کے جتنے نوٹ ہوتے ہیں اس کی بقدر بڑے نوٹ بطور دستاویز جاری ہوتے ہیں، حالانکہ یہ بالکل غلط ہے، کیونکہ تحقیق کرنے سے نیز مشاہدے سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ ملک میں بڑے نوٹ ایک روپے کے نوٹوں کے مقابلہ کئی گنا زیادہ گردش میں ہوتے ہیں، لہذا اس موقف کی اصل بنیاد ہی درست نہ رہی۔

نیز شروع باب سوم میں ہم نے چوتھے موقف کو رائج قرار دینے کے جو دلائل اور قرائن ذکر کئے ہیں، ان سے بھی اس موقف کا کمزور ہونا ثابت ہو رہا ہے، اور جب کرنسی نوٹ سے متعلق اصل نظریہ ہی باطل ہو گیا، تو اس پر جو تقریرات مبنی ہیں، وہ درست نہ ہوں گی۔

نیز بڑے نوٹ کو بڑے نوٹ کے بدلے میں فروخت کرنے جائز قرار دینا جیسا کہ اوپر ذکر کردہ چوتھی صورت میں ہے، یہ بالکل درست نہیں، کیونکہ یہ بیع الکالنی بالکالنی ہے، وجہ بالکل ظاہر ہے، اس لئے کہ بڑا نوٹ جب مال نہیں، بلکہ مال کی رسید ہے، اور رسید پر قبضہ مال پر قبضہ نہیں، تو یہاں اس معاملے میں ایک جانب سے بھی قبضہ نہیں پایا گیا،

تو اس صورت کو بیچ کی بنیاد پر کس طرح جائز کہیں گے؟ حالانکہ علمائے ہند نے جب کرنسی نوٹوں کو سند دین کہا، تو بیچ کے طور پر ان کے مبادلے کو ناجائز کہا، البتہ حوالے کی تاویل کی، جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی، اسی طرح یہاں بھی ہونا چاہئے تھا، بہر حال یہ موقف اور اس پر مبنی تفریعات قوی نہیں۔

ملکی کرنسی کے بطور بیچ تبادلے میں ”تقابض“ کا مسئلہ

یہ مسئلہ نہایت اہم ہے، جو مفتی صاحب مرحومؒ نے بیان فرمایا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ گزشتہ صفحات میں ہم نے بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بات ذکر کی ہے کہ فلوس یا کرنسی نوٹ کا تبادلہ بطور بیچ، بیچ صرف نہیں، بیچ صرف نہ ہونے کا تقاضا یہ تھا کہ اس میں تقابض شرط نہ ہو، کیونکہ تقابض صرف کی خصوصیات میں سے ہے، لیکن اس کے باوجود صحیح اور قوی کے مطابق اس میں تقابض شرط ہے، جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب بھی ملکی کرنسیوں میں تبادلے میں پہلے تقابض کے عدم اشتراط کے قائل تھے، کہ ایک جانب سے قبضہ کافی ہے، دونوں طرف سے تقابض ضروری نہیں، لیکن انہوں نے مفتی رشید احمد صاحب مرحومؒ کا مضمون پڑھ کر اپنے سابقہ موقف سے رجوع فرمایا، اور صرف ملکی کرنسی کے تبادلے میں ان کے ہاں بھی تقابض ضروری ہے، چنانچہ دونوں حضرات کی عبارات ذیل میں ملاحظہ ہوں:-

مفتی رشید احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

”بیچ الغلوس بالغلوس بالتساوی: اس میں بالاتفاق تقابض فی المجلس شرط ہے، مذہب شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ میں ایک قول یہ بھی ہے کہ صرف تعیین البدلین بالاتفاق بیض بھی کافی ہے، یعنی تعیین وتقابض میں کسی کا وجود شرط ہے۔“

قال الامام الکاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ: تبایع اقلسا بیعہ
بغلس بیعہ فالفسان لا یتعینان وان عینا الا ان القبض

فی المجلس شرط حتى يبطل بترك التقابض في المجلس
لكونه افتراقا عن دين بدین ولو قبض احد البدلين في
المجلس فافتراقا قبل قبض الآخر وذكر الكرخي انه
لا يبطل العقد لان اشتراط القبض من الجانبين من
خصائص الصرف وهذا ليس بصرف فيكتفي في القبض
من احد الجانبين لان به يخرج به عن كونه افتراقا عن
دين بدین، وذكر في بعض شروح مختصر الطحاوی
رحمه الله تعالى : انه يبطل لا لكونه صرف بل لتمكن ربا
النساء في فيه لوجود أحد وصفی علة ربا الفضل وهو
الجنس وهو الصحيح (بدائع ص ۵/۲۳۷)

وقال الامام الطحاوی رحمه الله تعالى : ولا بد من التعيين
في بيع القلوس بمثلها لا اتحاد الجنس كما مر في بيع القلنس
بالقلسين (حاشية الطحطاوی علی الدد ۱۱۰۳)

مذکورہ نصوص مذہب دیگر بے شمار تصریحات ائمہ فقہ رحمہم اللہ تعالیٰ
کے مطابق بیع بالجنس میں ایک جانب کا عدم تعین ہی نساء ہے جو
حرام ہے، حرمت تفاضل و جواز نساء کی کوئی نظیر نہیں ملتی، بلکہ یہ نصوص
فقہ کے سراسر خلاف ہے۔^(۱)

جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:-

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہم نے ”احسن الفتاویٰ“
جلد ۷: ص ۸۷ پر اس مسئلے پر جو بحث فرمائی ہے، اس کا خلاصہ یہ
ہے کہ اس صورت میں صحت عقد کے لئے احد البدلين پر قبضہ کافی

نہیں، بلکہ جائین سے تقابض ضروری ہے۔

حضرت مدظلہم کے دلائل پر غور کرنے کے بعد اب احقر بھی حضرت کی بات کو راجح سمجھتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ ”بیع الفلوس بالفلوس المتساوی“ کی صورت میں فقہائے حنفیہ کی تصریحات میں اختلاف ہے، میں پہلے جو حکم لکھا تھا، وہ تنویر الابصار، الدر المختار اور علامہ شامی کی تحقیق کے مطابق لکھا تھا، اور حضرت مفتی صاحب مدظلہم کے ارشاد کا مبنی ”بدائع الصنائع“ میں علامہ کاسانی کی عبارت ہے۔ (یہ عبارت اوپر ذکر ہوئی) اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ جائین سے قبضہ ضروری ہونے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ یہ بیع صرف ہے، بلکہ وجہ یہ ہے کہ جنس ایک ہونے کی بنا پر اس میں نسبیہ جائز نہیں، اگرچہ جن حضرات نے احد البدلین پر قبضہ کو کافی سمجھا ہے، انہوں نے غالباً ”اجل“ کی تعیین کے بغیر قبضہ کے صرف مؤخر ہونے کو نسبیہ میں داخل نہیں کیا، علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے ”فتح القدر“ ج: ۵ ص: ۲۸۸ میں اسی بناء پر اس کو نسبیہ ماننے سے انکار کیا ہے، اور چونکہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مذہب امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی نقل کیا ہے، اور اگر یہ نقل درست ہے، تو اس قول کو بھی باطل تو نہیں کہا جاسکتا، لیکن علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل بڑی وزنی ہے، اور وہ یہ کہ نسبیہ سے بچنے کے لئے دو ہی صورتیں ہیں یا تو عوضین پر مجلس ہی میں قبضہ ہو جائے، یا کم از کم عوض مؤخر کی تعیین کی جائے، چونکہ راجح قول کی بناء پر فلوس میں تعیین ممکن نہیں، اس لئے قبضہ ہی تعیین ہے۔ یہ دلیل چونکہ نہایت قوی ہے، اس لئے احقر ”بیع الفلوس بالفلوس المتساوی“ کے سلسلے میں اپنے سابقہ فتوے

سے رُجوع کرتا ہے۔ الخ،^(۱)

واضح رہے کہ مفتی رشید احمد صاحب مرحوم اور جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی ان عبارات کا تعلق فلوں میں تقابض سے ہے، لیکن چونکہ کرنسی نوٹ ان کے نزدیک فلوں ہی کے حکم میں ہے، اس لئے جو تفصیل فلوں میں ہوگی، وہی تفصیل کرنسی نوٹ کے تبادلے میں بھی ہوگی، لہذا ملکی کرنسی نوٹوں کا تبادلہ جب بطور بیع ہو، تو یہ اگرچہ بیع صرف نہیں، لیکن جنس متحد ہونے کی وجہ اس میں تقابض شرط ہوگا۔

ایک ملک کے کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بصورت قرض

پچھلی بحث میں یہ بات ذکر ہوئی کہ اگر ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ بطور بیع ہو، تو اس میں رائج قول کے مطابق نہ تفاضل جائز ہے، اور نہ نساء، لیکن کبھی کبھی نساء کی ضرورت پڑتی ہے، لہذا اس کے لئے استقراض کا طریقہ اختیار کیا گیا، استقراض کی صورت میں نساء حرام نہیں، کیونکہ استقراض بغیر نساء کے ممکن ہی نہیں، البتہ تفاضل یہاں بھی حرام ہوگا، کیونکہ تفاضل یہاں ربا النسیئہ میں داخل ہے، جو حدیث مشہور ”کمل قرض جرم منفعۃ فهو ربا“ کی رو سے ناجائز اور بالکل حرام ہے، اس حدیث کی تخریج اور تشریح باب دوم میں گزر چکی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جن حضرات کے نزدیک ملکی کرنسی نوٹوں کی بیع درست نہیں، ان کے نزدیک بھی ان نوٹوں میں استقراض کا طریقہ درست ہے، جیسا کہ گزر چکا۔

اور قرض یا استقراض کی شکل یہ ہوگی، کہ مثلاً زید کو آج اپنی کسی شخصی یا تجارتی ضرورت کے لئے ایک لاکھ روپے پاکستانی کی ضرورت ہے، تو وہ عمرو کے پاس جاتا ہے، اور اس سے بطور قرض یہ روپیہ حاصل کرتا ہے، اور ایک ماہ کی مدت مقرر ہوتی ہے، تو یہ معاملہ درست ہے، البتہ ایک ماہ بعد زید ایک لاکھ روپے ہی واپس کرے گا، اس میں ایک

روپیہ کا اضافہ بھی حرام ہے، اور سخت گناہ ہے، یہ تبادلہ ہے ایک لاکھ پاکستانی روپیہ کا ایک لاکھ پاکستانی روپیہ کے ساتھ جو نساء کے ساتھ ہے، اس میں نساء جائز ہے، کیونکہ یہ تبادلہ بطور بیع نہیں، بلکہ بطور قرض اور استقراض ہے۔

ایک ملک کی کرنسی میں ہنڈی کا حکم

اس تفصیل سے یہ مسئلہ معلوم ہو گیا کہ ایک ہی ملک کی کرنسی میں ہنڈی بطور بیع درست نہیں، کیونکہ بیع میں تقابض کا ہونا ضروری ہے، اور ہنڈی میں تقابض کا تصور نہیں، بلکہ اس میں ایک جانب سے قبضہ پایا جاتا ہے، البتہ بصورت قرض جائز ہے۔

مثلاً زید اور عمرو دونوں سعودی عرب میں ہیں، زید عمرو کو پانچ سو ریال دیتا ہے، اور اس سے کہتا ہے کہ یہ پانچ سو روپے میں آپ کو بطور قرض دیتا ہوں، لیکن اس کی ادائیگی پاکستان میں میرے والد صاحب کو کرنا، چنانچہ یہ پانچ سو ریال عمرو کے ذمہ زید کا قرضہ ہو گیا، اب عمرو ان کو اپنی ضرورت میں استعمال کر سکتا ہے، اور ان کی جگہ دوسرے پانچ سو ریال پاکستان میں زید کے والد کو ادا کر سکتا ہے، اور اگر عمرو کا اس پر کچھ خرچ آتا ہے، تو معروف طریقے سے وہ زید سے لے سکتا ہے، یہ صورت جائز ہے، بشرطیکہ قانون اس کی ممانعت نہ ہو۔

منی آرڈر کا حکم

جب کوئی شخص دوسری جگہ پیسہ بھیجتا ہے، تو ایک طریقہ یہ ہے کہ وہ ڈاک خانے جاتا ہے، ڈاک خانے سے ایک روپیہ منی آرڈر فارم حاصل کرتا ہے، اس کی خانہ پری کرتا ہے، اور پھر مطلوبہ رقم کے ساتھ ڈاک خانے والوں کے حوالے کرتا ہے، ڈاک خانے والے یہ فارم اور رقم وصول کر کے مقدار رقم کے تناسب سے رقم بھیجنے والے سے کچھ فیس وصول کرتا ہے، اور اس کو توثیق کے لئے ایک رسید کاٹ کر دیتے ہیں، پھر ڈاک خانے والے اپنے مخصوص طریقے سے یہ رقم مطلوبہ شخص تک پہنچاتے ہیں، اور پہنچانے کے بعد اس

کا ایک چٹ مزرسل کے پاس آ جاتا ہے، جو اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ رقم بھیریت منزل تک پہنچ گئی، اور اگر یہ رقم راستے میں تلف ہوگئی، تو اہل ڈاک خانہ اس کے ضامن ہوتے ہیں، جو رسید ڈاک خانے نے آپ کو رقم جمع کراتے وقت دی تھی، وہ رسید درحقیقت ضمانت نامہ ہے، یہ منی آرڈر کے طریقہ کار کا خلاصہ ہے۔

اب فقہی لحاظ سے جو رقم آپ نے ڈاک خانے والے کے ہاتھ میں دی ہے یہ قرض ہے یا امانت ہے؟ قرض کی صورت میں بعینہ یہی رقم پہنچانا ضروری نہیں، بلکہ اس کے برابر دوسری رقم پہنچانا بھی جائز ہے، اس صورت میں مرسل مقرض ہوگا، اور ڈاک خانہ مستقرض ہوگا، اور اگر یہ امانت ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مرسل مستاجر ہے اور ڈاک خانہ اجیر، اور اجیر کے ہاتھ میں رقم بحکم امانت ہوتی ہے، اور امانات میں نقد متعین کرنے سے متعین ہو جاتی ہے، لہذا اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ رقم بعینہ مزرسل الیہ تک پہنچ جائے، حالانکہ یہ بات معلوم ہے کہ یہ رقم بعینہ مرسل الیہ کو نہیں دی جاتی، اجارہ کی صورت میں دوسرا اشکال یہ ہے کہ اجیر امین ہوتا ہے، اور جو رقم اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے وہ امانت ہے، لہذا اگر امین کی طرف سے کسی غفلت (Negligence) کے بغیر وہ رقم تلف ہو جائے یا ضائع ہو جائے، تو امام ابوحنیفہؒ کے ہاں اس کا ضمان اجیر پر نہیں ہوگا، حالانکہ یہاں ڈاک خانہ ضامن ہے، ان وجوہات کی بناء پر منی آرڈر کے معاملے کو ”اجارہ“ کہنا مشکل ہے، گو دوسرا اشکال زیادہ وزنی نہیں، کیونکہ حضرات صاحبینؒ کے نزدیک اجیر ضامن ہوتا ہے، لیکن چونکہ پہلا اشکال زیادہ قوی ہے، اس لئے اس معاملے کو اجارہ نہیں کہا جائے گا، بلکہ یہ معاملہ قرض ہی ہے، لیکن قرض کی صورت میں بھی اس پر دو اشکال وارد ہوتے ہیں:

۱- ڈاک خانے والے جو فیس لیتے ہیں، وہ بھی بظاہر جزو قرض ہے، اور مرسل الیہ کو دیتے وقت اس فیس کے بغیر رقم دی جاتی ہے، تو گویا کہ قرض دیا زیادہ تھا، اور وصول کم ہوا، تو قرض میں کمی بیشی لازم آئی، جو ناجائز اور حرام ہے۔

۲- یہ معاملہ ”سُفْتَجِه“ میں داخل ہے، کیونکہ اس میں ”سقوطِ خطر طریق“ ہے،

اور سفتجہ ”کل قرض جر منفعة فهو ربا“ کے بموجب جائز نہیں۔

چنانچہ اہل اوائفتاویٰ میں اس اشکال کو اس طرح بیان فرمایا ہے:-
الجواب:- قاعدہ کلیہ ہے الا قراض تقضی بامثالها، اور منصوص
ہے کہ قرض میں کمی بیشی کی شرط رہا ہے، اب سمجھنا چاہئے کہ منی
آرڈر کا روپیہ جو ڈاک خانے میں جمع کیا جاتا ہے، آیا وہ امانت
ہے، اور اہل ڈاک آجیر، یا قرض ہے، اور اہل ڈاک مستقرض، سو
چونکہ یقیناً معلوم ہے کہ وہ روپیہ بعینہ نہیں بھیجا جاتا، اور نیز قانون
ہے کہ اگر ڈاک خانے سے وہ روپیہ اتفاقاً ضائع ہو جائے، تو اہل
ڈاک اس کا ضمان دیتے ہیں، ان دونوں امر سے معلوم ہوا کہ وہ
امانت نہیں، بلکہ قرض ہے، جو دوسری جگہ ادا کیا جاتا ہے، پس فیس
بھی جزو قرض ہوا، اور مقام وصول پر چونکہ بوضع فیس ادا کیا جاتا
ہے، اس لئے قرض میں کمی بیشی لازم آئی، یہ وجہ اس کے ممنوع
ہونے کی ہے، بلکہ اگر یہ فیس نہ بھی ہو، تب بھی حسب قاعدہ کلیہ کل
قرض جر نفعاً فهو ربا، بوجہ منفعت سقوط خطر طریق کے داخل
سفتجہ ہو کر، مکروہ ہے الخ^(۱)۔

ان اشکالات کا حل یہ ہے کہ:-

۱- ڈاک خانے والے جو فیس لیتے ہیں، وہ جزو قرض نہیں، بلکہ حق الخدمت
(Service Charges) کے طور پر ہے، یعنی رجسٹر میں لکھنے، رسید کاٹنے، اور فارم بھیجنے
وغیرہ کی اجرت ہے۔

۲- اس اشکال کے دو جواب دیئے جاسکتے ہیں:-

الف:- یہ معاملہ سفتجہ نہیں، سفتجہ کی حقیقت ”سقوط خطر طریق“ ہے، جس کی

تفصیل آگے آرہی ہے، اور منی آرڈر سے مقصود سقوط خطر طریق نہیں، بلکہ اصل مقصود پیسہ پہنچانا ہوتا ہے، جسے ”ایصال“ کہتے ہیں، اور ایصال پر رقم لینا جائز ہے۔

احسن الفتاویٰ میں اس کو اس طرح سمجھایا ہے:-

بندہ کے خیال میں جب قرض سے اسقاط خطر طریق مقصود نہ ہو، بلکہ صرف دوسرے مقام تک ایصال مقصود ہو، تو یہ سفتیہ مکروہہ میں داخل نہیں، اگرچہ یہ سقوط خطر طریق کو مستلزم ہے، مگر مقصود اور لازم میں فرق ہے، چنانچہ مقامی قرض میں بھی حفظ مال کا نفع لازم ہے، مع هذا اس کو مکمل قرض جر نفعاً فهو دبا میں داخل کر کے حرام نہیں قرار دیا جاتا، (الی قولہ) بندہ کے خیال مذکور کی تائید شرح وقایہ کے حاشیہ تکملۃ عمدۃ الرعایۃ، کتاب الحوالہ میں مولانا فتح محمد صاحب تائب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق سے بھی ہوتی ہے، بخشی موصوف نے اس مقام پر منی آرڈر اور ہنڈی کی دیگر اقسام کی تفصیل اور ان کے احکام بیان فرمائے ہیں، ونصہ:-

ووجب ان يعلم ان التی فی زماننا المسماة فی لساننا (بھندی منی آرڈر) ليس من هذا ولا له حکم حکم السفاتج، لان السفاتج كانت لسقوط خطر الطريق وذا للوصول، فان قلت: علة الكراهة هي النفع سواء كان لسقوط الخطر او للوصول، قلت: بلى ولكن الخطر مما لا يجوز الكفالة به ولا اجر عليه، لانه ليس في وسع الانسان الا دفع اللصوص والحفظ انما بفضل الله تعالى واما الايصال تحل الاجرة عليه ويمكن العهدة عليه فلا يلزم

من النهی عن نفع سقوط الخطر كراهة اجرة الايصال
(۱)
الخ۔

اس عربی عبارت کا حاصل وہی ہے، جو مفتی صاحب مرحوم نے بیان فرمایا، البتہ اس میں ایک اشکال کیا ہے، اور پھر اس کا جواب دیا ہے، اور اشکال اور جواب کا حاصل یہ ہے کہ مقصود سقوط خطر طریق ہو، یا ایصال، دونوں صورتوں میں قرض دہندہ کو نفع حاصل ہو رہا ہے، جو مذکورہ حدیث کی بناء پر ممنوع ہے، اس کا جواب یہ دیا گیا کہ سقوط خطر طریق کفالت کے معنی میں ہے، اور اس کی کفالت جائز نہیں، کیونکہ یہ اختیاری چیز نہیں ہے، اور نہ کفالت پر شرعاً اجرت لینا جائز ہے، بخلاف ایصال کے کہ اس کی کفالت بھی درست ہے، کیونکہ یہ اختیاری چیز ہے، اور اس پر اجرت بھی درست ہے، لہذا سقوط خطر طریق کی ممانعت سے ایصال کی ممانعت لازم نہیں آتی۔

ب:- اور اگر اس کو سفیجہ میں داخل بھی کیا جائے، تو عموم بلوی اور ضرور شدیدہ کی بناء پر یہاں بعض دوسرے اقوال کے مطابق فتویٰ دیا جاسکتا ہے، کیونکہ بعض حضرات سفیجہ کے جواز کے قائل ہیں، جیسے کہ اگلی بحث سے اس کی پوری تفصیل معلوم ہو جائے گی۔

امداد الفتاویٰ میں ہے:-

”حتیٰ کہ اگر یہ بھی نقل صحیح سے معلوم ہو جائے کہ سفیجہ کے جواز کی طرف ائمہ اربعہ میں سے کوئی امام گئے ہیں، تب بھی بضرورت اس پر عمل کرنے کو جائز کہا جاوے گا“ (۲)

اور احسن الفتاویٰ میں مذکور ہے:-

”بالفرض اس کا سفیجہ ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے، تو امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے یہاں سفیجہ جائز ہے، ابتداء عام و حوائج شدیدہ کے پیش نظر

(۱) احسن الفتاویٰ (۱۰۷/۷، ۱۰۸)

(۲) امداد الفتاویٰ (۱۳۵/۳)

عمل بمذہب غیر کی گنجائش ہے۔“ (۱)

خلاصہ یہ کہ منی آرڈر کا معاملہ جائز ہے، اور اس کے ذریعے پیسہ پہنچانا درست ہے، اور ڈاک خانے والوں کا اس پرفیس وصول کرنا صحیح ہے، اور یہی حکم بنک ڈرافٹ کا بھی ہے۔

سُفْتَجَہ کی حقیقت

منی آرڈر کی بحث میں چونکہ سَفْتَجَہ کا ذکر آیا، نیز آگے بھی کئی مباحث میں اس کا دخل ہے، اس لئے ضروری ہے کہ سَفْتَجَہ کی پوری حقیقت اور اس کے شرعی حکم کو ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے، لہذا ہم یہاں سَفْتَجَہ سے متعلق چار مباحث ذکر کرتے ہیں:-

- ۱- سَفْتَجَہ کے لغوی معنی۔
- ۲- سَفْتَجَہ کے اصطلاحی معنی۔
- ۳- سَفْتَجَہ کی فقہی حیثیت۔
- ۴- سَفْتَجَہ کا شرعی حکم اور اقوال فقہاء۔

سَفْتَجَہ کے لغوی معنی

سُفْتَجَہ فارسی لفظ ہے، سین پر ضمہ ہے، اور فاء ساکن، یہ سُفْتَہ سے عربی بنایا گیا ہے، نیز سین کے زیر کے ساتھ پڑھنا بھی جائز ہے، یعنی سُفْتَجَہ، اس صورت میں یہ ”سُفْتَہ“ سے ہوگا۔

سَفْتَہ یا سَفْتَجَہ کے معنی ”احکام“ کے ہیں، یعنی مضبوط کرنا، لہذا سَفْتَجَہ کے لغوی معنی مضبوط کرنے ہوں گے۔ (۲)

(۱) احسن الفتاویٰ (۱۰۹/۷)

(۲) رد المحتل (۸/۸) کتاب الحوالہ

”واحدة السفاتج، فارسی معرب، اصله سفته وهو الشئ المحکم، سمی هذا القرض به لاحکام امره كما فی الفتح وغیره۔“

سفتجہ کے اصطلاحی معنی

سفتجہ کے اصطلاحی معنی کا حاصل ہے کہ یہ ایک مالی معاملہ ہے، جس میں مثلاً زید عمرو کو کسی شہر میں قرضہ دیتا ہے، اور یہ شرط لگائی جاتی ہے کہ عمرو یا اس کا نائب یہ قرضہ زید یا اس کے نائب کو فلاں شہر یا فلاں جگہ میں واپس کرے گا، اس کی جمع ”سفتج“ ہے۔^(۱)

سفتجہ کی شرعی حیثیت اور فقہی تکلیف

فقہائے کرام مسئلہ ”سفتجہ“ کو دو جگہ بیان فرماتے ہیں، بعض حضرات فقہائے کرام اس کو باب القرض میں ذکر کرتے ہیں، اور بعض حضرات نے باب الحوالہ میں اس کو ذکر کیا ہے:

۱۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ قرض کا معاملہ ہے۔

۲۔ بعض نے اس کو حوالہ قرار دیا ہے۔

۳۔ بعض نے اس کو اجارہ قرار دیا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ قرض ہی کا معاملہ ہے جیسا کہ ظاہر ہے، اور جمہور علماء نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

(۱) حوالہ سابقہ (۱۸/۸)

”و صورتها ان يدفع الى تاجر مالا قرضا ليدفعه الى صديقه وانما يدفعه قرضا لا امانة ليستفيد به سقوط خطر الطريق، وقيل: هي ان يقرض انسانا ليقضيه المستقرض في بلد يريده المقرض، ليستفيد به سقوط خطر الطريق كفايه“

تہذیب الاسماء واللغات، للنووی (امام ابو زکریا محی الدین بن شرف النووی المتوفی ۶۷۲ھ، دمشق، ادارة الطباعة المنيرية ۱۳۹/۲)

تحریر التنبیہ، النووی، بیروت، دار القلم، طبع اول ۱۳۰۸ھ (ص ۱۹۳)

”بفتح السين المهملة والتاء المشددة فوق بينهما فاء ساكنة والجيم، هي كتاب لصاحب المال الى وكيله في بلد آخر ليدفع اليه بدله وفائدته السلامة من خطر الطريق ومنونة العمل۔“

سفتجہ کا شرعی حکم

”سفتجہ“ کے شرعی حکم میں علمائے کرام اور فقہائے اُمت کا اختلاف ہے، ایک فریق اس کو مکروہ یا ناجائز کہتا ہے، اس فریق میں تابعین میں سے امام ابن سیرین، امام قتادہ، امام شعبی، امام ابراہیم نخعی، اور ائمہ اربعہ میں سے حضرت امام ابو حنیفہ، حضرت امام شافعی اور بعض تفصیلات کے ساتھ حضرت امام مالک رحمہم اللہ تعالیٰ شامل ہیں۔^(۱)

دوسرا فریق اس کو جائز کہتا ہے، اس فریق میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے ابن عباس، ابن الزبیر، حضرت علی، حضرت حسن بن علی، تابعین میں سے عبدالرحمن بن اسود، ایوب، امام ثوری اور امام اسحاق اور ائمہ اربعہ میں سے امام احمد بن حنبل، اسی طرح دیگر علماء میں سے علامہ ابن قدامہ، ابویعلیٰ، امام ابن تیمیہ اور علامہ ابن القیم رحمہم اللہ تعالیٰ شامل ہیں۔

فریقِ اوّل کے دلائل کا خلاصہ

جو حضرات سفتجہ کو مکروہ یا ناجائز کہتے ہیں، ان کے دلائل کا خلاصہ درج ذیل ہے:-

(۱) مصنف عبد الرزاق، الصنعانی (حافظ ابوبکر عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی

المتوفی ۲۱۱ھ، جنوبی افریقہ، المجلس العلمی، طبع اول ۱۳۹۲ھ (۸/۱۴۰)

_____ الفتاویٰ الہندیۃ (العالمگیریۃ) (۲۹۳/۳)

”وکرہ السفاتیہ وهو قرض استفاد بہ المقرض سقوط خطر الطريق وقد نہی رسول ﷺ عن قرض جر نفعاً“

_____ الہدایۃ مع الفتع (۳۵۵/۲)

”وکرہ السفاتیہ وہی قرض استفاد بہ المقرض سقوط خطر الطريق الخ“

_____ الخرش (۲۴۱/۵)

_____ الشرح الصغیر للرددیر (۲۹۵/۳)

_____ المہذب، الشیرازی (امام ابو اسحاق شیرازی) مصر، (۳۰۴/۱)

_____ مفتی المحتاج، الخطیب، (شیخ محمد الشربینی الخطیب) بیروت، دار احیاء

_____ التراث العربی (۱۱۹/۲)

۱۔ سفتجہ سے مقصود سقوطِ خطر طریق ہوتا ہے، یہ ایک منفعت ہے، جو قرض و ہندہ کو اپنے دیے قرض کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے، جس کی احادیثِ مبارکہ میں صریح ممانعت آئی ہے، مشہور حدیث ہے:-

”کل قرض جر منفعة فهو ربا“

یہ حدیث اس مقالے میں متعدد مقامات پر گزری ہے، اور باب دوم میں اس کی مکمل تشریح اور تخریج ذکر چکی ہے۔

۲۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر ایسے قرض کو ناپسند کرتے تھے، جس کی وجہ سے کوئی منفعت حاصل ہو، چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:-

عن عطاء قال: كانوا يكرهون كل قرض جر منفعة۔

”حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام ہر اس قرض کو مکروہ سمجھتے تھے، جو کوئی منفعت لے کر آئے۔“^(۱)

۳۔ عقدِ قرضِ احسان اور تمترع پر مبنی ہوتا ہے، لہذا جب اس میں سفتجہ کی شرط لگائی جائے، تو عقدِ قرض اپنے اصل موضوع سے ہٹ جائے گا، جو درست نہیں۔

سفتجہ کی ممانعت کی علت

اس سلسلے میں تین باتیں بیان کی جاتی ہیں:-

۱۔ جرِ منفعت، جو مشہور علت ہے۔

۲۔ کلفت (مشقت) قرض سے بچاؤ: بعض حضرات نے سفتجہ کی کراہت کا مدار اس بات پر رکھا ہے کہ قرض کے طور پر دینے والی چیز اگر کلفت والی ہو، اور اس کو ایک شہر سے دوسرے شہر یا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے میں مشقت ہو، اور یہ چیز سفتجہ کی

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ، العباسی، حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ المتوفی

۳۳۵ھ، کراچی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، طبع اول ۱۴۰۲ھ (۱۸۰/۲)

شرط کے ساتھ کسی کو قرض کے طور پر دیا جائے، تو یہ ناجائز ہے، ورنہ جائز ہے۔^(۱)

۳- حضرت امام مالکؒ سے یہ بھی منقول ہے کہ اس کی علت ”تغیر ثمن“ ہے، یعنی عام طور پر جس شہر میں ادائیگی قرض کی شرط لگائی جاتی ہے، وہاں قیمت دوسری ہوتی ہے، جس سے قرض میں کمی بیشی لازم آجائے گی، جو ناجائز ہے۔^(۲)

استثناءات (Exceptions)

جو حضرات سفاح کونا جائز یا مکروہ کہتے ہیں، ان کے ہاں اس حکم سے دو صورتیں مستثنیٰ ہیں:-

۱- قرض کا معاملہ پہلے ہو، اور سفتجہ بعد میں لکھا جائے، یہ جائز ہے، کیونکہ یہاں منفعت مشروط نہیں، بلکہ یہ محض احسان و تبرع ہے، اور مذکورہ حدیث کی تشریح میں یہ بات گزر چکی ہے کہ یہاں منفعت سے وہ منفعت مراد ہے جو مشروط یا معروف ہو، مشروط یا معروف نہ ہونے کی صورت میں یہ محض تبرع اور احسان سمجھا جائے گا، یہ حضرات ابن عباس اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے سفتجہ کا جو جواز منقول ہے، اس کی یہی تاویل کرتے ہیں۔^(۳)

(۱) الکافی، ابن قدامہ المقدسی، بیروت، المکتب الاسلامی، طبع سوم ۱۴۰۲ھ (۱۲۵/۲) وان شرط ان یوفیہ فی بلد آخر ویکتب فیہ سفتجة الی بلد فی حملہ الیہ نفع لم یجز لذلك، فان لم یکن لحملہ مؤنة فعنه الجواز۔

_____ وقال ابن عبد البر : ولا یجوز ان یقترض الرجل شیئاً له حمل ومؤنة فی بلد علی ان یعطیه ذلك فی بلد آخر فاما السفاتج بالمدنانیر والدراهم فقد کره مالک العمل بها ولم یحرمها واجاز ذلك طائفة من اصحابہ الخ (احکام الاوراق النقدیة للجعید ص ۳۳۱ بحوالہ الکافی ۴/۲۸۸، ۴۲۹)

(۲) احکام الاوراق النقدیة والتجاریة للجعید (ص ۳۳۱)

(۳) الفتاوی العالمگیریہ (۳/۲۹۳)

فان لم تکن المنفعة مشروطة ولا کان فیہ عرف ظاهر فلا بأس به کذا فی الکافی، فی کتاب الحوالہ

_____ بدائم الصنائع (۴/۳۹۵)

_____ الکافی لابن قدامہ (۴/۱۲۵)

۲۔ جہاں کہیں خوف عام ہو جائے، تو وہاں سفیجہ کی گنجائش ہے۔^(۱)
 آج کل ہمارے یہاں یہی صورت حال ہے، اس لئے ضرورت کے مقام پر مالکیہ اور حنابلہ مذہب کے مطابق عمل کی گنجائش ہے، جیسا کہ مٹی آرڈر کی بحث میں تفصیل گزر گئی۔

فریق دوم کے دلائل

۱۔ بعض صحابہ کرامؓ مثلاً حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ وغیرہ اس کو یا اس سے ملتی جلتی صورتوں کو جائز کہتے تھے۔^(۲)
 ۲۔ بعض تابعین مثلاً: ابن سیرینؒ وغیرہ اس کے یا اس سے ملتی جلتی صورتوں کے جواز کے قائل تھے۔^(۳)

۳۔ سفیجہ کے جائز ہونے کی سب سے اہم دلیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس میں نفع جائعین سے ہے، یعنی صرف مقروض کے ساتھ نفع خاص نہیں، بلکہ جس طرح مقروض کو نفع حاصل ہوتا ہے، اسی طرح مستقرض کو بھی نفع حاصل ہوتا ہے، مثلاً مستقرض اپنے شہر میں جہاں اس کا مال رکھا ہوا ہے، ادائیگی کرتا ہے، تو اس کو بھی خطر طریق کے سقوط کا فائدہ حاصل ہوا، جب نفع جائعین سے ہے، تو اس کو شریعت منع نہیں کرے گی۔
 چنانچہ علامہ ابن قدامہؒ فرماتے ہیں:-

”والصحيح جواز لانہ مصلحة لهمامن غير ضرر بواحد

منهما والشرع لا يرد بتحريم المصالح التي لا مضرة فيها

(۱) الغرشي للعلامة الغرشي المالكي، بيروت، دارصادر (۱۳۱/۵)

”الا ان يعم الخوف اى الا ان يغلب الخوف فى جميع طرق المحل الذى يذهب اليه المقرض الخ“

(۲) مصنف عبد الرزاق (۱۳۰/۸)

(۳) المغنى لابن قدامه (بحواله احكام الاوراق النقدية والتجارية للجعيد (ص ۳۴۳)

بل بمشرو وعیتھا ولان هذا ليس بمنصوص علی تحریمہ

ولافی معنی المنصوص فوجب ابقاءه علی الاباحۃ۔“

”سفحہ کا جواز ہی صحیح قول ہے، کیونکہ اس میں دونوں کی مصلحت ہے،

اور کسی جانب بھی کوئی نقصان نہیں، اور شریعت ان مصالح کو حرام

نہیں کرتی، جن میں کوئی نقصان نہ ہو، بلکہ ان کو مشروع قرار دیتی

ہے، اور اس لئے بھی کہ اس کی حرمت نہ مخصوص ہے، اور نہ مخصوص

کے معنی میں ہے، لہذا اس کو اباحت پر باقی رکھنا واجب ہے۔“ (۱)

یہی بات علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی کی ہے:-

”ولکن قد یكون فی القرض منفعة للمقرض كما فی مسئلة

السفحة ولهذا كرهها من كرهها، والصحيح انها لا تکره

لان المقرض ينتفع بها ايضا ففيها منفعة لهما جميعا۔“

”اور کبھی قرض میں مقرض کو منفعت حاصل ہوتی ہے، جیسا کہ سفحہ

ہے، اس وجہ مکر وہ قرار دینے والوں نے اس کو مکر وہ قرار دیا ہے، اور

صحیح یہی ہے کہ یہ مکر وہ نہیں، کیونکہ اس میں مستقرض کا بھی نفع ہے،

اس میں منفعت دونوں کو حاصل ہے۔“ (۲)

اور علامہ ابن القیمؒ فرماتے ہیں:-

”وروی عنه (احمد) الجواز، نقله ابن المنذر لانه مصلحة

لهما فلم ینفرد المقرض۔۔۔ والمنفعة التي تجر الى الربا

فی القرض هي التي تخص المقرض كسكنی دار المقرض

وركوب دوابه واستعماله وقبول هديته فانه لا مصلحة له

(۱) المغنی لابن قدامه (بحوالہ احکام الاوراق التقديمية (۳۳۴)

(۲) مجموعة الفتاوى (۵۱۵/۲۰)

فی ذلك بخلاف هذه المسائل فان المنفعة مشتركة بينهما وهما متعاونان عليهما فهي من جنس التعاون والمشاركة“
 ”اور امام احمدؒ سے اس کا جواز منقول ہے، جس کو ابن المندرنے نقل کیا ہے، کیونکہ اس میں دونوں کی مصلحت ہے، صرف مقرض خاص نہیں،..... اور قرض میں جو منفعت پر با کا سبب بنتی ہے، وہ منفعت ہے، جو صرف مقرض کے ساتھ خاص ہو، مثلاً مستقرض کے گھر میں رہنا، اس کی سواری پر سوار ہونا، اس کو استعمال کرنا، اس کا ہدیہ قبول کرنا، ان چیزوں میں مستقرض کا کوئی فائدہ نہیں، بلکہ صرف مستقرض کو منفعت حاصل ہے، لیکن ان مسائل میں، تو ان میں تو منفعت مشترک ہے، لہذا یہ تعاون اور مشارکت کے قبیل میں سے ہے۔“ (۱)

فقہائے کرام کی ان تمام نصوص کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک ”کحل قرض جہر منفعۃ فهو ربا“ میں منفعت سے مراد وہ منفعت ہے، جو صرف مقرض کے ساتھ خاص ہو، لیکن اگر منفعت مشترک ہو، تو اس صورت میں وہ اس حدیث کے تحت داخل نہیں۔

مناقشہ

لیکن یہ بات اس حدیث کے ظاہر کے بالکل خلاف ہے، اور اگر اس مطلب کو صحیح قرار دیا جائے، تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر ایک تاجر کسی سے قرضہ لے اور اس پر کچھ اضافے کی شرط بھی ہو، تو یہ صورت جائز ہونی چاہئے، کیونکہ اس میں دونوں کی منفعت ہے، مال والے کا فائدہ یہ ہے کہ اس کو اپنے مال پر کچھ اضافہ مل جائے گا، اور تاجر کا فائدہ یہ ہے کہ وہ اس کو تجارت میں لگا کر اس سے نفع حاصل کر لے گا، اور یہ بہت ہی خطرناک بات

(۱) شرح الحافظ ابن القیم علی سنن ابی داود مع عون المعبود، بیروت، دار الکتب

ہے، اس لئے کہ اس سے آج کل سارے پیداواری قرضوں پر سود لینا جائز ہو جائے گا، جیسا کہ بعض متجددین کا یہی خیال ہے، اس لئے یہ تشریح نہایت کمزور ہے، اور اس پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے۔

نیز صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ سے اس سلسلے میں جو کچھ منقول ہے، اوّل تو یہ ضروری نہیں کہ اس سے مراد یہی سفتجہ ہو، اور اگر یہی سفتجہ بھی مراد ہو، تو ہو سکتا ہے کہ وہ غیر مشروط ہو، یا عموم خوف کی وجہ سے ہو، اس لئے اس سے مروجہ سفتجہ کے جواز پر استدلال کرنا زیادہ قوی نہیں۔

خلاصہ یہ کہ اس سلسلے میں رائج یہی ہے کہ عام حالات میں سفتجہ مکروہ اور ناجائز ہے، البتہ اگر سفتجہ مشروط یا معروف نہ ہو، یا سخت ضرورت ہو، تو اس کی گنجائش ہو سکتی ہے۔

مختلف ممالک کے کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بصورت بیع

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں یہ بات ہم عرض کر چکے ہیں کہ ایک ملک کے مختلف سکے اور کرنسی نوٹ ایک ہی جنس ہیں، اور مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف اجناس ہیں، کیونکہ موجودہ دور میں کرنسی نوٹوں سے ان کی ذات اور مادہ (Material) مقصود نہیں ہوتا، بلکہ کرنسی نوٹ آج کل قوت خرید کے ایک مخصوص معیار (Standard) سے عبارت ہے، اور ہر ملک نے اس سلسلے میں الگ الگ معیار مقرر کئے ہیں، مثلاً پاکستان میں روپیہ، سعودی عرب میں ریال، امریکا میں ڈالر وغیرہ کا معیار الگ الگ ہے، جو ملکوں کے مختلف ہونے سے بدلتا رہتا ہے، ہر ملک کی کرنسی کی حیثیت کا تعین اس ملک کی قیمتوں کا اشاریہ (Index) اور اس کی درآمدات و برآمدات وغیرہ پر ہوتا ہے، اور درمیان میں ایسی کوئی مادی شے موجود نہیں، جو ان معیارات کو جوڑ دے، اور ان میں کوئی پائیدار ”تناسب“ (Proportion) قائم رکھے، بلکہ ہر ملک کے اقتصادی حالات کے تغیر سے اس ”تناسب“ میں ہر روز بلکہ ہر گھنٹی تغیر واقع ہوتا رہتا ہے، کرنسیوں کے اس اختلاف کی وجہ سے ہم ان کو ایک جنس نہیں

کہہ سکتے، بلکہ مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف اجناس ہی ہیں، جہاں تک ایک ملک کی کرنسی کا تعلق ہے، تو اس میں یہ بات نہیں، ایک ملک کی کرنسیاں مقدار کے اعتبار سے اگرچہ مختلف ہوتی ہیں، مثلاً دس روپے کا نوٹ اور سو روپے کا نوٹ، سو روپے کا نوٹ اور پانچ سو روپے کا نوٹ، پانچ سو روپے کا نوٹ اور ایک ہزار روپے کا نوٹ، مقدار میں اور قیمت میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، لیکن اس کے باوجود ان میں ایک ایسا پائیدار ”تناسب“ موجود ہے، جو کسی حال تبدیل نہیں ہوتا، حالات خواہ کچھ بھی ہوں، یہ تناسب برقرار رہتا ہے، مثلاً دس روپے پاکستانی سو روپے پاکستانی کا بہر حال دسواں ہے، (۱/۱۰) اور سو روپے پاکستانی پانچ سو روپے پاکستانی کا بہر حال پانچواں (۱/۵) ہے، اور پانچ سو روپے پاکستانی ایک ہزار روپے پاکستانی کا بہر حال آدھا (۱/۲) ہے، وغیرہ، اس لئے اس ”وحدت نسبت“ کی وجہ سے پاکستانی سکے اور کرنسی نوٹ جنس واحد ہیں، یہ ”وحدت نسبت“ پاکستانی روپے اور سعودی ریال یا سعودی ریال اور امریکی ڈالر میں نہیں پائی جاتی، یعنی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ پاکستانی روپے اور سعودی ریال میں بہر حال یہ قلاں نسبت ہے، اس لئے یہ دونوں مختلف جنس ہو گئے۔

جب مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف اجناس ہو گئیں، اور امثال متساویہ نہ رہیں، تو ان کی بیع بالاتفاق (ائمہ اربعہ) تفاضل کے ساتھ درست ہوگی، اور جنس مختلف ہونے اور بیع صرف نہ ہونے کی وجہ سے ان میں نساء بھی جائز ہوگا، اور ادھار بیچنا بھی جائز ہوگا۔

حضرت حنفیہ

حنفیہ کے ہاں ایک فلس کا دو فلسوں کے ساتھ تبادلہ اس لئے ناجائز تھا کہ وہ امثال متساویہ تھے، جس کی وجہ سے تبادلے کے وقت ایک سکے خالی عن العوض رہ جاتا، جو رہا ہے، لیکن مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف الاجناس ہونے کی وجہ سے امثال متساویہ نہیں، اس لئے ان کے درمیان کمی بیشی کے ساتھ تبادلے کے وقت کرنسی کے کسی حصے کو خالی عن العوض نہیں کہا جاسکتا۔

حضرات مالکیہ

ان کے نزدیک کرنسی اگر چہ اموال ربویہ میں سے ہے، لیکن جنس مختلف ہونے کی وجہ سے تفاضل جائز ہو جاتا ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

حضرات شافعیہ اور حنابلہ

ان کے نزدیک ایک ملک کی کرنسیوں کا تبادلہ بھی تفاضل کے ساتھ جائز ہے، تو مختلف ممالک کی کرنسیوں کا تبادلہ تفاضل کے ساتھ ان کے نزدیک بطریقِ اولیٰ صحیح ہوگا۔^(۱)

البتہ اس میں یہ ضروری ہے کہ:-

۱۔ مجلس عقد میں کم از کم ایک کرنسی پر قبضہ ہو جائے، تاکہ بیع الکالئی بالکالئی لازم نہ آئے، جو احادیث مبارکہ کی رو سے ناجائز ہے۔

۲۔ نیز بوقت بیع فروخت کئے جانے والی کرنسی قبضے میں ہو، تاکہ بیع قبل القبض لازم نہ آئے، جو احادیث مبارکہ کی رو سے ناجائز ہے۔ لہذا بعض کرنسی مارکیٹوں میں کرنسیوں کی جو محض رسید کی بنیاد پر بیع و ربیع ہوتی ہے، اور فرق برابر کیا جاتا ہے، یہ معاملہ درست نہیں۔

مختلف ممالک کی کرنسیوں میں ہنڈی کا حکم

مختلف ممالک کی کرنسیاں جب مختلف الاجناس قرار پائیں، اور ان میں نساء اور

(۱) احکام الادواق النقدیۃ للعثماني (ص ۲۲)

_____ کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم (ص ۳۸)

_____ احسن الفتاویٰ (فتویٰ بنوری قانن) (۹۸/۷)

_____ البنک اللارہوی فی الاسلام (ص ۱۳۸)

_____ جدید فقہی مباحث جلد چہارم

ادھار معاملہ کرنا درست ہوا، تو اب ہنڈی کے فی نسبہ جواز میں کوئی شبہ نہیں رہا، مثلاً زید کو عمرو کو سودی عرب میں ایک ہزار ریال بیچتا ہے، اور یہ کہتا ہے کہ تم اس کے بدلے میں مجھے یا میرے عزیز کو پاکستان میں سولہ ہزار روپے دے دینا، یہ معاملہ فی نسبہ جائز ہے، البتہ اس میں یہ ضروری ہے کہ ریال پر اسی مجلس میں قبضہ ہو جائے، لیکن اگر قانوئنا اس کی اجازت نہ ہو، جیسا کہ ظاہر یہی ہے، تو اس صورت میں قانون کی خلاف ورزی کا گناہ ہوگا۔

چند شبہات اور ان کا ازالہ

۱۔ بعض لوگوں نے دو کرنسیوں کے باہمی تقاضا اُدھار تباد لے کو سود کے دُسرے میں داخل کر کے ناجائز کہا ہے، جس کی صورت یہ ہوگی کہ مثلاً: آج ڈالر کا ریٹ ساٹھ روپے ہے، اور اس حساب سے زید نے عمرو کو پچاس ڈالر اُدھار پیچے، تو گویا کہ زید نے عمرو کو آج:۔
 $60 \times 50 = 3000$ روپے پاکستانی

دیئے، اور عمر و ایک ماہ بعد ۶۲ روپے فی ڈالر کے حساب سے روپے ادا کر رہا ہے، تو عمرو زید کو ایک ماہ بعد گویا کہ:۔

$$62 \times 50 = 3100 \text{ روپے پاکستانی}$$

دے رہا ہے، جس میں ایک سو روپے کا اضافہ ہے، جو سود ہے، اور ناجائز ہے۔^(۱)

لیکن یہ اشکال قوی نہیں ہے، کیونکہ یہ اشکال اُدھار کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ نقد کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ روپے اور ڈالر جب مختلف الاجناس قرار پائیں، تو اب اس میں تقاضل جائز ہے، خواہ نقد کی شکل میں ہو، یا اُدھار کی شکل میں ہو، اور اس کو سود نہیں کہا جائے گا۔

۲۔ بعض علماء نے دو مختلف کرنسیوں کے باہمی تبادلے کو بیع صرف قرار دے کر

(۱) رسالہ بحث و نظر ص ۱۱۵، شمارہ اپریل، مئی، جون، ۱۹۹۰ء، اشکال از ڈاکٹر نجات

نا جائز قرار دیا، اور کہا کہ یہ بیع صرف ہے، لہذا اس میں تقابض ضروری ہوگا، اور ادھار معاملہ ان کا درست نہ ہوگا، چنانچہ کتاب ”المعاییر الشرعیة“ میں مذکور ہے:-
 ”تجوز المتاجرة فی العملات شریطة مراعاة الاحکام والضوابط الشرعیة الآتیة:

۱- ان یتم التقابض قبل تفرق العاقدین سواء اکان القبض۔

حقیقیا ام حکمیا“

”کرنسیوں میں درج ذیل شرائط اور شرعی اصول کو ملحوظ رکھتے ہوئے

تجارت درست ہے:-

۱- عاقدین کے جدا ہونے سے پہلے تقابض کا مکمل ہونا ضروری ہے،

خواہ قبض حقیقی ہو، یا حکمی ہو۔“ (۱)

اور ”تطور النقود“ میں ہے:-

واذا اختلف الجنسان کان یبمع الذهب بالفضة او

بالعملات الورقية المختلفة وجب الحلول والتقابض وجاز

التفاضل“

”اور جب دونوں جنس مختلف ہوں، مثلاً سونے کی بیع چاندی کے

ساتھ ہو، یا مختلف کاغذی کرنسیوں کا معاملہ ہو، تو اس میں حلول (نقد

ہونا)، اور تقابض ضروری ہے، البتہ تفاضل جائز ہے۔“ (۲)

اس کا جواب گزشتہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے کہ بیع صرف کے

لئے ضروری ہے کہ دونوں جانب شمن خلطی ہو، اگر دونوں جانب شمن عرفی ہو، یا ایک جانب

خلطی ہو، اور ایک جانب عرفی ہو، تو اس کو بیع صرف نہیں کہا جائے گا، اور اس میں تقابض

(۱) المعاییر الشرعیة ص ۱۵، ۱۴۱ھ، هيئة المحاسبة والمراجعة، بحرین۔

(۲) تطور النقود فی ضوء الشریعة الاسلامیة (ص ۱۴۵)۔

ضروری نہ ہوگا، اور اس کا ادھار معاملہ بھی درست ہوگا، اگر ایک طرف ثمنِ خلقی ہو، اور دوسری طرف ثمنِ عرفی ہو، تو ایک جانب سے مجلس عقد میں قبضہ کافی ہے، تقابض ضروری نہیں، یہ بات کتب فقہ میں مصرح ہے، چنانچہ فتح القدیر میں ہے:-

”وفی شرح الطحاوی: لو اشتري مائة فلس بدرهم وقبض الفلوس او الدرهم ثم افترقا جاز البيع لانهما افترقا عن عين بدين۔“

”اور شرح طحاوی میں ہے کہ اگر کسی نے ایک درہم کے بدلے سو فلس خریدیں، اور فلوس یا درہم پر قبضہ کر لیا، اور پھر دونوں الگ الگ ہو گئے، تو یہ بیع جائز ہے، کیونکہ اس میں دین کے بدلے میں عین کا سودا کر کے جدا ہو گئے۔“^(۱)

اس میں فلوس جو ثمنِ عرفی ہے، اور درہم جو ثمنِ خلقی ہے، دونوں کے تبادلے کا معاملہ ہے، اور اس میں ایک جانب سے قبضہ کو کافی قرار دیا گیا ہے۔

علامہ شامیؒ نے اس سلسلے میں قین روایتیں ذکر کی ہیں، ان میں سے رائج اور صحیح قول یہی ہے کہ ایک اس صورت میں ایک طرف سے قبضہ کافی ہے، تقابض ضروری نہیں:

”فصل الحاصل ان ما في الاصل يفيد اشتراطه من احد الجانبين وما في الجامع اشتراطه منهما۔“

”حاصل یہ ہوا کہ کتاب الاصل کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک جانب سے قبضہ کافی ہے، اور الجامع سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں جانبوں سے قبضہ ضروری ہے۔“^(۲)

اور بزاز یہ سے نقل کرتے ہیں:-

(۱) فتح القدیر (۲/۲۷۸)۔

(۲) رد المحتار (۳/۳۱۷)۔

”سئل الحانوتی عن بیع الذہب بالفلوس تسنیة فاجاب بانہ
 یجوز اذا قبض احد البذلین لما فی البزازیة:
 ”علامہ حانوتیؒ سے فلوس کے بدلے سونے کو اُدھار فروخت کرنے
 کے بارے میں سوال کیا گیا، تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ جائز
 ہے، بشرطیکہ ایک بدل پر قبضہ ہو، کیونکہ بزازیہ میں مذکور ہے کہ اگر
 کوئی شخص سو فلس ایک درہم کے بدلے خریدے، تو ایک جانب
 سے قبضہ کافی ہے، فرمایا، اسی طرح اگر فلوس کے بدلے چاندی یا
 سونے کو بیچا۔“

علامہ سرخسیؒ کا ترجمان بھی اسی طرف ہے، چنانچہ فرمایا:-

واذا اشتری الرجل فلوسا بدرہام ونقد الثمن ولم تکن
 الفلوس عند البائع قابلیع جائز، لان الفلوس الرائجة ثمن
 كالنقد، وقد بینا ان حکم العقد فی الثمن
 وجوبها ووجودها معا ولا یشترط قیامها فی ملک بانعھا
 لصحة العقد کما لا یشترط ذلك فی الدرہام والدنانیر۔
 ”جب ایک آدمی درہم کے بدلے میں فلوس خریدے، اور ثمن
 (درہم ادا کئے) ادا کیا، اور فلوس بائع کے پاس نہیں تھے، تو یہ جائز
 ہے، کیونکہ فلوس رائجہ نقد کی طرح ثمن ہیں، اور ہم یہ بیان کر چکے
 ہیں کہ ثمن میں عقد کا حکم صرف اس کا وجوب اور وجود ہے، اور ثمن کا
 بوقت عقد بائع کی ملکیت میں ہونا صحت عقد کے لئے ضروری نہیں،
 جیسا کہ یہ درہم اور دنانیر میں یہ شرط نہیں ہے۔“ (۱)

(۱) المبسوط للسرخسی (شمس الدین السرخسی) بیروت، لبنان، دار المعرفۃ، طبع

اور جب ایک جانب میں شمن خلقی ہونے کے باوجود تھا، بعض شرط نہیں، تو اگر کسی جانب بھی شمن خلقی نہ ہو، بلکہ دونوں طرف کرنسی ہو، مثلاً پاکستانی روپیہ اور ڈالر، تو یہاں بطریقہ تقابض شرط نہ ہوگا۔

کرنسی کو سرکاری ریٹ سے کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا

آج کل روزانہ کرنسیوں کی قیمت مقرر کی جاتی ہے، اور باقاعدہ پرائس لسٹ جاری ہوتی ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت میں حکومت کی مقرر کردہ قیمت کی مخالفت کرتے ہوئے کمی بیشی کے ساتھ کرنسیوں کا تبادلہ جائز ہے؟ مثلاً ڈالر کا سرکاری ریٹ ۶۰ روپے ہو، اور کوئی ڈالر ۵۸ یا ۶۲ میں فروخت کرے، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے میں عرض یہ ہے کہ بذات خود اس کی گنجائش ہے، کیونکہ مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف الاجتاس قرار دے کر ان میں تفاضل جائز قرار دیا گیا ہے، اور تفاضل کی کوئی حد شریعت میں مقرر نہیں، اس لئے فی نفسہ اس معاملے کو جائز کہا جائے گا، اور یہ معاملہ سودی نہیں ہوگا، لیکن درج ذیل وجوہات کی بناء پر اس سے احتراز لازم ہے:-

۱- یہ طریقہ کہیں حیلہ بر باندہ بنایا جائے۔

۲- ”تسعیر“ (حکومت کا نرخ مقرر کرنا) کی وجہ سے، جس طرح دیگر اشیاء میں بعض حالات میں تسعیر جائز ہے، اسی طرح کرنسی میں بھی تسعیر جائز ہوگی، اور تسعیر کے بعد لوگوں کے لئے اس کی مخالفت درست نہ ہوگی، اور اس کی دو وجوہات ہیں:-

الف:- مشہور قاعدہ ہے کہ جو کام معصیت اور گناہ نہ ہوں، ان میں حکومت کی اطاعت واجب ہے۔

ب:- جو شخص جس ملک میں رہ رہا ہے، وہ تو لا یا عملاً اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ جب تک اس ملک کے قوانین کسی گناہ کرنے پر مجبور نہیں کریں گے، وہ ان قوانین کی ضرور پابندی کرے گا۔^(۱)

(۱) کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم (ص ۴۰)۔

مختلف ممالک کی کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بصورت قرض

جب ایک ہی ملک کی کرنسیوں کا تبادلہ بصورت قرض جائز ہے، جس کی تفصیل پیچھے گزر گئی، تو مختلف ممالک کی کرنسیوں کا تبادلہ بصورت قرض بطریق اذلیٰ درست ہوگا، مثلاً اگر زید آج عمرو سے ایک ماہ کے لئے سو ڈالر قرض لیتا ہے، اور ایک ماہ کے بعد زید عمرو کو ڈالر کی بجائے پاکستانی روپیہ دیتا ہے، تو یہ جائز ہے، اب ایک ماہ کے بعد زید جو عمرو کو ڈالر کی بجائے پاکستانی روپیہ دیتا ہے، تو اس کی دو صورتیں ہیں:-

الف:- ایک صورت یہ ہے کہ شروع میں یہ معاہدہ ہو جاتا ہے کہ زید عمرو کو ایک ماہ بعد ڈالر کی بجائے پاکستانی روپیہ دے گا۔

ب:- دوسری صورت یہ ہے کہ پہلے سے اس طرح کوئی معاہدہ نہیں، مقررہ تاریخ آنے پر دونوں کی باہمی رضامندی سے اس طرح کیا جاتا ہے۔

دوسری صورت کے درست ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے، اور پہلی صورت بھی درست ہے، البتہ شرط فاسد ہوگی، کیونکہ قرض ان معاملات میں سے ہے، جو شرط فاسد کی وجہ سے فاسد نہیں ہوتے، بلکہ شرط فاسد خود بخود فاسد ہو جاتی ہے، پہلی صورت میں جب شرط فاسد ہو گئی اور کالعدم ہو گئی، تو زید مقررہ تاریخ پر عمرو کو ڈالر بھی دے سکتا ہے، اور عمرو زید کو مقررہ تاریخ پر اس بات پر مجبور نہیں کر سکتا کہ وہ حسب معاہدہ پاکستانی روپیہ ہی ادا کرے گا۔

قرض کے اس معاملے میں یوم الاداء کی قیمت کا اعتبار ہوگا، (یعنی جس دن زید عمرو کو سو ڈالر کے بدلے پاکستانی روپیہ ادا کرے گا، اس دن کے ریٹ کا اعتبار ہوگا)، اور زید کے لئے جائز نہ ہوگا، کہ وہ عمرو کو یوم الاداء کی قیمت سے کم یا زیادہ دے، مثلاً جس دن عمرو نے زید کو سو ڈالر دیئے اس دن ڈالر کی قیمت ۶۰ روپے ہے، لیکن جس دن زید قرض ادا کرتا ہے، اس دن ڈالر کی قیمت ۶۲ روپے ہے، تو زید عمرو کو ۶۲ کے حساب سے پاکستانی

روپے کی ادائیگی کرے گا، وجہ اس کی ہے کہ قروض کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ:-

القروض تقضى بامثالها

یعنی ”قرض کی مثل ادا کرنا ضروری ہے۔“

جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اشاریہ (Indexation) کا مسئلہ بیان کرتے

ہوئے فرماتے ہیں:-

”لان القروض يجب فى الشريعة الاسلامية ان تقضى

بامثالها“

”شریعت اسلامیہ کی رو سے ضروری ہے کہ قرض کی مثل ادا کی

جائے۔“^(۱)

اس اصول کا تقاضا یہ ہے کہ ایک ماہ بعد عمرو کو ایک سو ڈالر دیدے، کیونکہ اصل مثل تو ڈالر ہی ہے، لیکن جب اس کو ڈالر نہیں دیتا، تو اس دن سو ڈالر کے برابر پاکستانی روپے واپس کرے، اگر ۶۰ روپے کے حساب سے زید ادائیگی کرتا ہے، تو اس نے سو ڈالر نہیں ادا کئے، بلکہ کم ادا کر دئے، جو کہ جائز نہیں۔

البتہ ۶۲ روپے فی ڈالر سے زیادہ لینا دینا جائز نہیں، ورنہ قرضے پر اضافہ ہو جائے گا، اور ”مثلیت“ باقی نہیں رہے گی۔

خلاصہ یہ کہ زید کے ذمہ ایک ماہ کے بعد سو ڈالر دینے ہیں، سو ڈالر سے کم یا زیادہ دینا جائز نہیں، ورنہ ”مثلیت“ باقی نہیں رہے گی، اگر ریٹ ۶۲ روپے ہے، اور زید ۶۰ کے حساب سے ادائیگی کرتا ہے، تو ۶۰ کے حساب سے جتنے پاکستانی روپے ہیں، ان میں سو ڈالر نہیں آسکتے، تو اس صورت میں کمی واقع ہوگئی، اور اگر ریٹ ۶۲ روپے ہے، اور زید ۶۲ کے حساب سے ادائیگی کرتا ہے، تو اس حساب سے سو ڈالر سے زیادہ آئیں گے، دونوں صورتوں

میں ”مثلیت“ جو مطلوب ہے، باقی نہیں رہتی۔

اس سلسلے میں قرض اور بیع میں فرق ہے، بیع میں کسی بیشی فی نفعہ جائز ہے، وہ الگ بات ہے کہ دوسرے عوامل کی وجہ سے یہ بھی ناجائز ہے، لیکن اس کو بہر حال سودی معاملہ نہیں کہا جائے گا، لیکن قرض میں یہ صورت جائز نہیں کیونکہ قرض میں کسی بیشی ناجائز ہے۔

اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر زید مثلاً عمرو کو سعودی عرب میں ایک ہزار ریال قرض دیدے، اور عمرو اس کے بدلے پاکستان میں ایک ہزار ریال کے برابر پاکستانی روپیہ زید یا اس کے کسی ایجنٹ یا کسی عزیز کو ادا کرے، تو فی نفعہ اس کی اجازت ہے، البتہ اگر قانون میں ممنوع ہو، تو قانون کی خلاف ورزی کا گناہ ہوگا۔

نیز اس پر سفتہ والا اشکال ہوگا، اس کا جواب پیچھے گزر چکا ہے۔

فائدہ:- اوپر جو تفصیل گزری کہ یوم الاداء کی قیمت کا اعتبار ہے، اس سے کسی بیشی ناجائز ہے، اس کی بیشی سے مراد وہ کی بیشی ہے جو قیمتِ مثل سے کے مقابلے میں ہو، اور قیمتِ مثل کی تین صورتیں ہیں:-

۱- بنک ریٹ کے مطابق۔

۲- اوپن مارکیٹ ریٹ کے مطابق۔

۳- ان دونوں کے درمیان والا ریٹ۔

مثلاً بنک ریٹ ۶۰ روپے ہے، مارکیٹ ریٹ ۶۲ روپے ہے، تو اس میں اختیار ہے کہ ۶۰ کے حساب سے ادا کریں، یا ۶۲ کے حساب سے ادا کریں، یا ۶۱ کے حساب سے ادا کریں، لیکن ۵۹ کے حساب سے یا ۶۳ کے حساب سے ادائیگی جائز نہیں۔

کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بصورتِ معاہدہ / موعده

جو مالیاتی ادارے اسلامی اور شرعی اصولوں کے مطابق کاروبار کرتے ہیں، وہ یہ

طریقہ درآمدات اور برآمدات میں بطور ”اسلامی متبادل“ (Islamic Alternative) استعمال کرتے ہیں، تفصیل ذیل میں ملاحظہ ہو:-

درآمد/برآمد کنندگان کے لئے ایل سی (LC) اور اپورٹ/ایکسپورٹ کنٹریکٹ کے تحت فارن ایکسچینج کوریج سہولت فراہم کی جاتی ہے، یہ سہولت فراہم کرنے کی بہت اہمیت ہے، کیونکہ موجودہ دور میں کرنسیوں کی قیمتوں کے وقتاً فوقتاً اتار چڑھاؤ کی وجہ سے درآمد کنندگان اور برآمد کنندگان کو نفع و نقصان کا تخمینہ لگانا اور اپنے آپ کو ممکنہ نقصان سے بچانا اور تجارت جاری رکھنا بہت مشکل ہو جاتا ہے، اس وجہ سے بینک فارن ایکسچینج کوریج سہولت فراہم کرتے ہیں، تاکہ مستقبل میں ڈالر خریدنے اور بیچنے میں نقصان نہ ہو، یہ بات واضح رہے کہ درآمد کنندگان کو درآمد کردہ اشیاء کی قیمت ڈالر یا ڈر مبادلہ میں درآمد شدہ سامان کے کاغذات کے وصول ہونے کے بعد برآمد کنندہ کو کرنے ہوتے ہیں، جس کے لئے ڈالر یا ڈر مبادلہ خریدنا ہوتا ہے، اس کے برخلاف برآمد کنندگان کو اپنے درآمد کردہ سامان کی قیمت وصول ہوتی ہے، جس کی فروخت کر کے وہ پاکستانی روپے حاصل کرتے ہیں۔

فارورڈ کور کنٹریکٹ

موجودہ سودی نظام میں درآمد/برآمد کنندگان ایل سی (LC) کھولنے کے بعد غیر ملکی کرنسیوں کی خرید و فروخت کے لئے ”فارورڈ کور کنٹریکٹ“ کسی بینک کے ساتھ مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ کر سکتا ہے:-

۱- اس کنٹریکٹ کی مدت کم از کم ایک ماہ ہو۔

۲- اگر ایک ماہ سے پہلے ادائیگی کرنی ہو، تو جس دن ادائیگی کرنی ہو، اس دن کے اسپاٹ (Spot) یعنی نقد (انٹر بینک) ریٹ کے حساب سے ادائیگی کی جائے گی، فارورڈ کور کنٹریکٹ مقررہ تاریخ پر مروجہ طریقہ کار کے مطابق ختم کی جائے گا۔

فارورڈ کور کنٹریکٹ کا مروجہ طریقہ کار درج ذیل ہے:-

- ۱- درآمد کنندہ (ایمپورٹر) کو ایک ملین ڈالر آج سے ۹۰ دن بعد برآمد کنندہ (ایکسپورٹر) کو ادا کرنے ہیں، وہ چونکہ یہ نہیں جانتا کہ ۹۰ دن کے بعد ایک ڈالر کے کتنے روپے بنیں گے کہ جس کے حساب سے وہ اپنی بجٹ پلان کرے، اس وجہ سے وہ کمرشل بینک سے فارورڈ کور کنٹریکٹ کرنے کے لئے رابطہ کرتا ہے، جس کا طریقہ کار درج ذیل ہے:-
- ۲- فرض کریں کہ ڈالر کی اسپاٹ (Spot) یعنی نقد (انٹر بینک) قیمت ۶۰ روپے ہے۔

- ۳- کمرشل بینک مثلاً نیشنل بینک ایک ملین امریکی ڈالر آج ۶۰ روپے کے حساب سے مارکیٹ سے خرید لیتا ہے، موقع پر ہی ان کو حبیب بینک کو ۶۰ روپے کے حساب سے ہی فروخت کرتا ہے، اور ساتھ ایک معاہدہ ہوتا ہے کہ ایک ماہ بعد ڈالر کی قیمت کچھ بھی ہو، نیشنل بینک حبیب بینک سے ڈالر ۶۱ روپے کے حساب سے خریدے گا۔
- ۴- نیشنل بینک دس پیسے فی ڈالر اپنی فیس اس قیمت میں شامل کر کے درآمد کنندہ سے ۶۱ء ۱۰ روپے فی ڈالر کے حساب سے آج سے ۹۰ دن کے بعد ایک ملین امریکی ڈالر فروخت کرنے کا معاہدہ کر لیتا ہے۔

۵- اب دو صورتیں پیش آسکتی ہیں:-

الف:- درآمد کنندہ نیشنل بینک کو ۶۱ء ۱ ملین روپے ادا کرتا ہے، نیشنل بینک ۱۰ روپے اپنی فیس رکھتا ہے، اور ۶۱ ملین روپے حبیب بینک کو ادا کر کے ایک ملین ڈالر حاصل کرتا ہے، جس کے ذریعہ وہ (نیشنل بینک) درآمد کنندہ کو ادائیگی کرتا ہے، اس صورت میں یہ عقد سابقہ ذکر کردہ شرائط کے ساتھ مکمل ہو گیا۔

ب:- ۹۰ دن سے پہلے درآمد کنندہ نیشنل بینک کو مطلع کرتا ہے کہ کنٹریکٹ کے کینسل ہونے کی بناء پر وہ ڈالر نہیں خرید سکے گا، لہذا اب وہ اس عقد کو ختم کرنا چاہتا ہے،

(اگر وہ ڈالر رکھنا بھی چاہے، تو اسے سٹیٹ بینک کے قوانین کے مطابق کنٹریکٹ کے بغیر ڈالر وصول کرنے کی اجازت نہیں) اسٹیٹ بینک کے قوانین کی رو سے درآمد کنندہ وہ ڈالر بکنگ ریٹ یعنی ۱۶۱ روپے فی ڈالر کے حساب سے خرید کر فوراً نیشنل بینک کو بھیجے گا۔ اس کی بازاری قیمت یا معاہدے کے دن کی بازاری قیمت میں سے جو بھی کم ہو، اس قیمت پر واپس نیشنل بینک کو فروخت کرنے کا پابند ہوگا، مثلاً:-

زیر بحث مثال میں معاہدے کے دن کی قیمت فی ڈالر ۲۰ روپے تھی، اب فرض کیجئے کہ تین دن بعد کنٹریکٹ کنسل ہو رہا ہے، اس دن اس کی قیمت ۲۱ تک بڑھ جاتی ہے، اس صورت میں نیشنل بینک امپورٹرز سے ۲۰ روپے کے حساب سے ڈالر واپس خریدے گا، اس میں امپورٹر کو ایک ملین روپے گویا کہ جرمانے کے طور پر ادا کئے۔

یہ فارن ایکسچینج کورکار دیتی اور سودی طریقہ ہے، جو شرعاً جائز نہیں۔ اس کا شرعی متبادل طریقہ یہ تجویز کیا جاتا ہے کہ:-

امپورٹر کو ایک ملین امریکی ڈالر آج سے ۹۰ دن کے بعد ادا کرنے ہیں، وہ اس کے لئے مثلاً میزان بینک سے فارورڈ کور کنٹریکٹ کرنے کے لئے رابطہ کرتا ہے۔

۱- فرض کریں کہ ڈالر کی اسپاٹ قیمت ۲۰ روپے ہے۔

۲- میزان بینک، حبیب بینک سے ایک معاہدہ کرتا/دو طرفہ وعدہ ہے کہ تین ماہ بعد میزان بینک حبیب بینک سے ڈالر ۲۱ روپے کے حساب سے خریدے گا، (اس دو طرفہ وعدے کے تحت خرید و فروخت کا عقد تین ماہ مقررہ مدت پر ہی انجام پائے گا۔) معاہدے کے تحت میزان بینک تین ماہ کے بعد حبیب بینک سے خریدنے کا عقد کرے گا، اور ۲۱ ملین روپے کے عوض ایک ملین ڈالر لے گا، حبیب بینک ایک ملین ڈالر آج کی تاریخ میں بازار سے خرید کر اپنے پاس محفوظ کر لے گا، تاکہ وہ تین ماہ بعد میزان بینک کو فروخت کر سکے۔

۳- میزان بینک دس پیسے فی ڈالر اپنا نفع اس قیمت میں شامل کر کے درآمد کنندہ

سے ۶۱ روپے کے حساب سے آج سے ۹۰ دن کے بعد فروخت کرنے کا دو طرفہ وعدہ کر لیتا ہے۔ معاہدے کے تحت میزان بنک تین ماہ کے بعد امپورٹر سے فروخت کرنے کا عقد کرے گا، اور ۶۱ ملین روپے کے عوض ایک ملین ڈالر دیدے گا۔

اب یہاں پر وہی دو صورتیں پیش آ سکتی ہیں جو طریقہ اول میں ”الف“ اور ”ب“ کے عنوان سے گزر گئیں۔

”الف“ تو واضح ہے، اور ”ب“ کی صورت میں میزان بنک وہ معاہدہ جو امپورٹر کے ساتھ کیا گیا تھا، مندرجہ ذیل طریقے سے ختم کیا جائے گا:-

۱- میزان بنک، مسلم کمرشل بنک کے ساتھ قاردرڈ کور کنٹریکٹ کرے گا کہ میزان بنک کو وہ ڈالر جو اسے حبیب بنک سے ۹۰ دن پر خریدنے ہیں، اور جن کی اب امپورٹر کو ضرورت نہیں رہی، وہ ڈالر مسلم کمرشل بنک کو فروخت کرے گا، فرض کریں یہ کنٹریکٹ ۵۹ روپے فی ڈالر پر طے ہوتا ہے۔

۲- معاہدے کی خلاف ورزی کی وجہ سے میزان بنک امپورٹر سے اپنا نقصان پورا کرنے کی حد تک وصول کرے گا، اس مثال میں میزان بنک درآمد کنندہ سے ۲ روپے فی ڈالر (۶۱-۵۹=۲) چارج کرے گا۔

۳- ۹۰ دن بعد میزان بنک حبیب بنک سے ڈالر ۶۱ روپے کے حساب سے حاصل کرے گا، اور ۵۹ روپے کے حساب سے مسلم کمرشل بنک کو فروخت کرے گا۔

پہلے طریقے میں جو مروجہ ہے، اس میں مستقبل کی طرف بیع کی نسبت ہوتی ہے، جو شرعاً ناجائز ہے، نیز اس میں بیع عینہ کی خرابی بھی ہے، اس سے بچنے کے لئے دوسرا طریقہ اختیار کیا گیا ہے، جس میں بیع عینہ کی خرابی بھی نہیں، اور مستقبل کی طرف بیع کی نسبت نہیں، بلکہ محض دو طرفہ وعدہ ہے۔

مستقبل کی بیع تو بالاقاق ناجائز ہے، کیا مستقبل میں دوطرفہ وعدہ جائز ہے؟ اس میں بھی علماء کے درمیان اختلاف ہے:-

دوطرفہ وعدے کا ایفاء فریقین پر قضاء لازم ہوتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں دو مختلف اقوال سامنے آئے ہیں، جو درج ذیل ہیں:-

قول اول:- دوطرفہ وعدہ قضاء لازم نہیں ہوتا، مجمع الفقہ الاسلامی جدہ نے اپنے پانچویں اجلاس میں اسی کو اختیار کیا ہے، اس قول کی بنیاد امام مالکؒ کے ایک قول پر ہے جس میں امام مالکؒ نے ایسے عقود اور معاملات جن کو فی الحال سرانجام نہیں دیا جاسکتا، ان پر دوطرفہ وعدہ کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے۔ مثلاً قبضے سے قبل کھانے کی بیع فی الحال سرانجام نہیں دی جاسکتی، لہذا اس عقد پر دوطرفہ وعدہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ امام مالکؒ سے منسوب اس سلسلے میں دو قول اور بھی ہیں، جن میں سے ایک قول کے مطابق یہ مواعدہ مکروہ اور دوسرے قول کے مطابق یہ مواعدہ جائز ہے۔ چنانچہ ایضاح المسالک کی عبارت میں یہ بات مذکور ہے:-

"القاعدة الخامسة والستون: الاصل منع المواعدة بما لا

يصح وقوعه في الحال حماية-

ومن ثم منع مالك المواعدة في العدة وعلى بيع الطعام

قبل قبضه ووقت نداء الجمعة وعلى ما ليس عندك- وفي

الصرف مشهورها المنع، وثالثها الكراهة وشهرت ايضا

لجواز في الحال وشبهت بعقد فيه تأخير وفسرت به

المدونة^(۱)

(۱) ایضاح المسالک، الونشریسی (ابو العباس احمد بن یحییٰ) متحدہ عرب امارات،

رباط، التراث الاسلامی، طبع اول ۱۹۸۰ء (ص ۲۷۸)

وفی القوانين الفقہیہ :

الفرع الخامس يكره الوعد في الصرف على المشهور
وقيل يجوز وقيل يمنع-^(۱)

مجمع الفقہ الاسلامی کی قرارداد کا متن بھی ذیل میں مذکور ہے:-

قرارات مجمع الفقہ الاسلامی:

ثالثاً: المواءمة وهي التي تصدر من الطرفين تجوز في
بيع المراجعة بشرط الخيار المتواعد بين كليهما او
احدهما فاذا لم يكن هناك خيار فانها لا تجوز، لان المواءمة
الملزمة في بيع المراجعة تشبه البيع بنفسه، حيث يشترط
عندئذ ان يكون المائع مالكا للمبيع حتى لا تكون هناك
مخالفة نهى النبي ﷺ عن بيع الانسان ما ليس عنده-^(۲)

ہیئۃ المراجعة والمحاسبۃ للمؤسسات المالية الاسلامیۃ بحرین کی
مجلس شرعی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے:-

لا يجوز ان تشتمل وثيقة الوعد او ما في حكمها على
مواعدة ملزمة للطرفين (المؤسسة والعميل) لانها تشبه
حينئذ عقود البيع نفسه قبل التملك- (۲/۳) يجوز
اصدار المواءمة من المؤسسة والعميل الأمر بالشراء اذا
كانت بشرط الخيار للمتواعدين كليهما او احدهما-^(۳)

(۱) القوانين الفقہیۃ، الجزی (ابو القاسم محمد بن محمد احمد الجزی المالکی متوفی

۱۴۱۱ھ، بیروت، دار القلم، طبع اول ۱۹۷۷ء (ص ۱۶۶)

(۲) قرارات، قرار ۳۱/۴، ج ۵، السعودیہ العربیہ-

(۳) المتطلبات الشرعیۃ لصیغة المراجعة للأمر بالشراء، بحرین (۱۶)

اور ”المعايير الشرعية“ میں ہے:-

تحريم المواعدة في المتاجر قفي العملات اذا كانت ملزمة
للطرفين ولو كان ذلك لمعالجة مخاطر هبوط العملة، اما
الوعد من طرف واحد فيجوز ولو كان ملزماً۔^(۱)

اور اسی میں ایک اور جگہ ہے:-

تحريم المواعدة الملزمة في مبادلة العملات هو ماعليه
جمهور الفقهاء۔ لان المواعدة الملزمة من طرفي المبادلة
تشبه العقد النحر^(۲)

مذکورہ عبارات خلاصہ

ان حضرات کی مذکورہ بالا عبارات کا حاصل یہی ہے کہ دو طرفہ وعدہ اس عقد کے
مشابہ ہے جو فی الحال ناجائز ہوتا ہے، مثلاً دو طرفہ وعدہ بیع جس میں بیع مستقبل میں واقع
پذیر ہوگی، اس لئے ناجائز ہے کہ یہ اس بیع کے مشابہ ہے جس میں بیع ابھی بائع کی ملکیت
میں نہ آئی ہو، جس کی وجہ سے بیع مستقبل کی طرف مضاف ہو، لہذا یہ بیع فی الحال ناجائز
ہوگی، کیونکہ اس میں بیع مالمیس عندک (یعنی ایسی چیز کی فروختگی جو بائع کی ملکیت میں نہ
ہو) یا بیع قبل القبض لازم آتی ہے۔ جو ناجائز ہے۔ اور چونکہ مواعدہ بھی ایسے وقت میں
کیا جا رہا ہے جب بائع کے پاس بیع موجود نہیں ہے لہذا یہ اس بیع کی مانند ہو گیا جو قبضے سے
قبل کی جائے۔

دوسرا قول

دوسرا قول یہ ہے کہ دو طرفہ وعدے کو موافق حاجت میں فریقین پر قضاء لازم کیا

(۱) المعايير الشرعية، بحرین، (ص ۱۸)

(۲) المعايير الشرعية (ص ۲۵)

جاسکتا ہے یہ قول احناف، شافعیہ وغیرہ کا ہے، ان حضرات کی عبارات درج ذیل ہیں:-

فتاویٰ خانیمہ علی ہامش الہندیہ :

وان ذکرنا البیع من غیر شرط ثم ذکرنا الشرط علی وجه

المواعدة جائز البیع ویلزمه الوفاء بالوعد لان المواعدة

قد تكون لازمة فتجعل لازمة لحاجة الناس۔^(۱)

وفی شرح المجلة للاتاسی :

وان ذکر البیع من غیر شرط ثم الشرط علی وجه

المواعدة فالبیع جائز ویلزم الوفاء بالوعد لان المواعید

قد تكون لازمة فتجعل لازمة لحاجة الناس وقال

بعد اسطر : وان ذکر البیع بلا شرط ثم ذکر الشرط علی

وجه المواعدة جائز البیع ولزم الوفاء وقد یلزم الوعد

فیجعل هنا لازماً لحاجة الناس الیہ۔^(۲)

اور ”تطور النقود“ میں ہے:-

الصورة الخامسة : هی المواعدة علی الصرف وذلك بان

یتفق العمیل مع المصرف علی ان یشترى منه بعد شهر

مثلاً نقداً بالآخر کالدولار بالاسترلینی او بالریال، فلذا

حل الاجل المضروب للمصرف ابرماً عقد الصرف بینهما

وتقاضی بالسعر الحاضر۔ ویلجأ التجار عادة الی هذه الصورة

(۱) الفتاویٰ الخانیہ علی ہامش العالمگیریہ (۱۶۵/۲)

(۲) شرح المجلة، الاتاسی (العلامہ محمد خالد الاتاسی) پاکستان، کوئٹہ، مکتبہ اسلامیہ

لاستخدامها فی عملیات الاستيراد والتصدير حتى
يضمنوا تجهيز العملة الاجنبية اللازمة للوفاء بالتزاماتهم
المستقبلية۔ وحکم هذه الصورة : الصحة لوجود حقيقة
الصرف وشرطه والمواعدة السابقة جائزة لاشئ فيها عند
اکثر العلماء، وممن نص على هذا الشافعی رحمہ اللہ حیث
قال: وإذا تواعد الرجلان الصرف فلا بأس ان يشتري
الرجلان الفضة ثم يقرانها عند احدهما حتى يتبايعاها
ويصنعا بها ما شاءا، كما نص على ذلك ابن حزم فقال:
والتواعد فی بيع الذهب بالذهب او بالفضة وفي بيع
الفضة بالفضة وفي سائر الاصناف الاربعة بعضها ببعض
جائز تبایعا بعد ذلك اولم يتبايعا لانه لم یأت نهی عن
شئ من ذلك ولادلل لبعض المالکة علی
کراهة هذه البواعدة اوفسادها۔^(۱) -

مذکورہ عبارات کا خلاصہ

مذکورہ عبارات کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ ”مواعده“ (جائین سے وعدہ) بعض
اوقات صحیح ہو جاتا ہے، اور قضاء لازم بھی کیا جاتا ہے، اور اسی موقف کو ”صاحب عطر الہدایہ“
نے بھی اختیار کیا ہے۔^(۲)

یہی جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا بھی ہے، چنانچہ وہ اپنے ایک مقالے میں

(۱) تطور النقود (ص ۱۳۸)

(۲) عطر الہدایہ، لکھنوی (بحر العلوم مولانا فتح محمد صاحب لکھنوی) مکتبہ

نشر القرآن دیوبند، یوپی۔ ہندوستان۔ (ص ۲۳۳ تا ۲۳۵)

اس مسئلے پر بحث کے دوران فرماتے ہیں:-

وان عبارة قاضي خان رحمه الله بصفة خاصة صريحة في
ان المواعدة يمكن ان تجعل لازمة عند الحنفية لحاجة
الناس، والمواعدة انما تكون من الطرفين فتبين انه
لا بأس بجعلها لازمة عند الحنفية لحاجة الناس، ولا شك
ان الحاجة في الزام المواعدة ظاهرة الغم

”اور قاضی خان کی عبارت ایک خاص صفت کے ساتھ اس سلسلے میں
صریح ہے کہ مواعدہ کو لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے حضرات حنفیہ
کے نزدیک لازم قرار دیا جاسکتا ہے، اور مواعدہ طرفین سے ہوتا
ہے، تو یہ بات ظاہر ہوگئی کہ حنفیہ کے نزدیک مواعدہ کو لوگوں کی
ضرورت کی وجہ سے لازم قرار دے دیا جائے، اور اس میں شک نہیں
کہ مواعدہ کو لازم قرار دینے میں ضرورت بالکل واضح ہے۔“^(۱)

مناقشہ اور ترجیح

ان دونوں قولوں میں سے ہمارے نزدیک دوسرا قول رائج ہے، کیونکہ مسئلہ
متنصوص تو ہے نہیں، بلکہ اجتہادی ہے، لہذا حالات زمانہ کا تقاضا یہ ہے کہ مواعدہ کو قضاء لازم
قرار دے دیا جائے، لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ یہ مواعدہ کا لزوم صرف مواقع ضرورت میں
ہے، اور مواقع ضرورت سے مراد یہ ہے کہ وعدے کی خلاف ورزی کی صورت میں کسی ایک
فریق کا نقصان ہو رہا ہے۔

جو قول اولوں نے جو دلیل پیش کی ہے کہ اس صورت میں دو طرفہ وعدہ عقد
مستقبل کے مشابہ ہو جائے گا، اور ایک ایسی چیز کا مواعدہ لازم آجائے گا، جو بوقت وعدہ

(۱) عقود التورید والمنقصة، مخطوطہ، جامعہ دارالعلوم کراچی (ص ۴)

ہاتھ میں نہیں ہے، یہ دلیل کوئی وزنی دلیل نہیں ہے، کیونکہ وعدہ اور عقد میں احکام اور نتائج کے اعتبار سے فرق ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دو طرفہ وعدہ حقیقت میں کوئی قطعی عقد نہیں ہوتا ہے، بلکہ وہ تو صرف ایک وقت مقررہ پر عقد منعقد کرنے کا وعدہ ہوتا ہے، لہذا دونوں وعدہ کرنے والوں کو مقررہ تاریخ آنے پر باقاعدہ ایجاب و قبول کرنا ہوگا، عقد کے فوری منعقد ہونے یا صرف وعدہ عقد کرنے کے درمیان ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ جس شخص نے مثلاً خریداری کا عقد کیا، تو بیع فوری طور پر خریدار کی طرف منتقل ہو جاتی ہے، اور اگر بیع مسلم ہے، تو بیع اس کے ذمہ ذین بن جاتی ہے، لہذا ذمہ داری کا منتقل ہو جانا ایجاب و قبول کے فوراً بعد ہوگا، لہذا ایک اگر ایک شخص نے ایک مکان خرید اور اس نے ابھی نے اس کی قیمت بائع کو ادا نہیں کی، تو یہ شخص فوراً بائع کا مدیون بن گیا، چنانچہ اب اس پر مدیون کے سارے احکام لاگو ہوں گے، لہذا اب اس پر ذین کی حد تک زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی، اور مشتری مفلس ہو گیا، تو وہ بقیہ دوسرے قرض خواہوں کے مساوی سمجھا جائے گا، اسی طرح اگر کسی نے بیع کے تحت کوئی گندم فروخت کی، تو وہ شخص خریدار کا اس مقدار کی حد تک گندم کا مدیون ہو گیا، لہذا اس پر بھی اس مقدار تک زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی، وغیرہ۔

لیکن دو طرفہ وعدہ کسی پر بھی ذین نہیں بنتا، اور اس پر مذکورہ بالا نتائج مرتب نہیں ہوتے، جیسا کہ ظاہر ہے، بلکہ مذکورہ نتائج اس وقت مرتب ہوں گے، جب یہ دونوں وقت مقررہ پر باقاعدہ ایجاب و قبول کر کے بیع کو منعقد کریں گے، اس سے پہلے محض وعدے کی بنیاد پر کوئی حکم متوجہ نہیں ہوگا۔^(۱)

دو طرفہ وعدے کے قضاء لزوم پر کیا اثر مرتب ہوگا؟

دو طرفہ وعدے کے قضاء لازم ہونے کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ:-

۱- حاکم دونوں فریقین کو اس مقررہ تاریخ پر عقد کرنے اور نافذ کرنے پر مجبور کرے گا، اور کسی کو انکار جائز نہیں ہوگا۔

۲- اور اگر ان میں سے کسی ایک نے وعدہ پورا کرنے سے انکار کیا، جس کی وجہ سے دوسرا فریق حقیقتہً کسی مالی نقصان میں مبتلا ہو گیا، تو اس صورت میں حاکم یا قاضی اسے اس حقیقی نقصان کی تلافی پر مجبور کرے گا، اور اس سلسلے میں درج ذیل حدیث سے استدلال کیا گیا ہے:-

”لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام“
 ”اسلام میں نہ ضرر ہے، اور نہ کسی کو ضرر پہنچانا ہے۔“^(۱)

لہذا ثابت ہو گیا کہ کرنسیوں کا تبادلہ بصورتِ معاہدہ / معاہدہ رائج قول کے مطابق درست ہے۔

کرنسی کے کاروبار کی ایک نئی اور عالمگیر شکل

عالمی مارکیٹ میں کرنسی کا کاروبار کیا جاتا ہے، جس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ امریکا سے پوری دنیا میں مختلف ممالک کے کرنسی نوٹوں کی قیمتوں کا اجراء ہوتا ہے، ایک آدمی لاہور پاکستان میں بیٹھ کر سیٹلائٹ کے ذریعے کمپیوٹر سکرین پر وہ قیمتیں وصول کرتا ہے، قیمتیں ملکی حالات کی وجہ سے کم یا زیادہ ہوتی رہتی ہیں، یہ آدمی ان قیمتوں پر کرنسی کی خرید و فروخت کرتا ہے، لیکن یہ آدمی ضابطے کی رو سے براہِ راست یہ کاروبار نہیں کر سکتا، بلکہ کسی کمپنی کے ذریعے یہ کاروبار کرتا ہے، کمپنی نے ایک اصول وضع کیا ہوتا ہے، وہ یہ کہ دو لاکھ ڈالر کی ایک لاث ہوتی ہے، جو آدمی خرید کر پھر اس کو فروخت کر سکتا ہے، لیکن اس آدمی کو صرف اس کا ۵ فیصد کمپنی کو اپنے نام پر جمع کروانا ہوتا ہے، جو کہ صرف ۱۰۰۰ ڈالر بنتا ہے، ایک ہزار ڈالر سے اپنا اکاؤنٹ کھلو کر اب یہ آدمی اس قابل ہوتا ہے کہ دنیا کی مارکیٹ میں یہ آدمی ایک لاث خرید سکتا ہے، اس آدمی کی طرف سے بقیہ رقم بطور ضمانت کمپنی جمع کراتی ہے، تو اس طرح اس آدمی کا بظاہر ایک ہزار ڈالر کی سرمایہ کاری ہوئی، لیکن یہ آدمی کاروبار دو لاکھ ڈالر کا کر رہا ہوتا ہے، یعنی یہ آدمی دو لاکھ ڈالر کی کرنسی کی خرید و فروخت کر سکتا ہے۔

اب اس آدمی کو نفع یا نقصان کس طرح ہوتا ہے؟ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ یہ آدمی کمپیوٹر سکرین پر دنیا کے مختلف بینکوں کی طرف سے دی گئی قیمتوں کا جائزہ لیتا ہے، اور کرنسی کے ماہرین اپنی رائے دیتے رہتے ہیں کہ آیا اس کرنسی کی قیمت آئندہ بڑھ جائے گی، یا کم ہو جائے گی، اس کے علاوہ اس آدمی کو کرنسی کے متعلق مختلف ملکوں کی خبریں بھی موصول ہوتی رہتی ہیں، اور پھر کمپیوٹر پر ہی مخالف گراف کے ذریعے اس کرنسی کی صورت حال کا جائزہ لیتا ہے، کہ آئندہ لمحات میں اس کرنسی کی کیا صورت حال ہوگی، وہ ان تمام قرآن کے ذریعے یہ آدمی ایک رائے قائم کر کے اس کو خرید لیتا ہے، مثلاً سکرین پر اس کو پاؤنڈ سٹرلنگ کی قیمت ۱۷۰۰۰۰ نظر آ رہی ہے، یہ آدمی کمپنی کے ذریعے بذریعہ ٹیلی فون اس بینک سے اس قیمت کی تصدیق کرواتا ہے کہ آیا آپ کی قیمت فروخت یہی ہے، وہ اس کی تصدیق کر لیتا ہے، تصدیق کے بعد یہ شخص پہلے ان سے زبانی معاہدہ کرتا ہے کہ ایک لاکھ میں نے خرید لی، اور یہ سیری ہو گئی، اب اس کو ہر صورت اس کا نفع یا نقصان اٹھانا ہوگا، اس خریداری پر حسی قبضہ (Physical Possion) کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ وہ کرنسی اس سے ہزاروں میل دور ہے، لیکن حکمی قبضہ (Constructive Possion) ہو گیا، یعنی وہ کرنسی اس کے ہمان میں آ گئی، اب جب اس کرنسی کی قیمت بڑھ گئی تو اس طریقے پر بذریعہ ٹیلی فون اس نے اس کو فروخت کر دیا، مثلاً اگر ۱۷۰۰۰۰ پر خریدا اور ۱۷۱۰۰۰ پر اس کو فروخت کر دیا، اور قیمت فروخت کا بھی تحریری معاہدہ ہو گیا، جو دس اعشاریہ اس کو نفع میں بچے، اس کی قیمت ۱۲۵ ڈالر ہوئی، وہ اس طرح کہ انہوں نے ایک پوائنٹ کی قیمت ۱۲۵۰۰۰ ڈالر طے کی ہوئی ہے، اس طرح:-

$$۱۰ \text{ پوائنٹ کی قیمت } ۱۲۵ = ۱۰ \times ۱۲۵$$

یہ اس شخص کا نفع ہے، اگر کرنسی کی قیمت کم ہو جائے، تو اسی شرح سے اس کو

نقصان اٹھانا پڑے گا۔

بچ میں جو کمپنی ہے، وہ کاروبار کروانے کے لئے درج ذیل سہولتیں مہیا کرتی ہے:-

۱- ٹیلی فون کے ذریعے رابطہ۔

۲- مارکیٹ جہاں بیٹھ کر کاروبار کیا جاتا ہے۔

۳- انٹرنیٹ سسٹم۔

۴- دولاکھ ڈالر کا زرخانات، وغیرہ۔

ان تمام سہولتوں کے ساتھ یہ شخص ایک ”ٹریڈ“ مکمل کر لیتا ہے، یعنی ایک دفعہ کرنسی خرید کر پھر فروخت کرنے کو ایک ٹریڈ کہتے ہیں۔

اس ایک ٹریڈ پر کمپنی ۶۰ ڈالر کمیشن وصول کرتی ہے، اس ٹریڈ میں نفع ہو یا نقصان، کمپنی کا ۶۰ ڈالر کمیشن ملے ہے، یہ اس صورت میں ہے کہ اگر وہ ایک کرنسی کو اسی دن خرید کر فروخت کر دے، اگر آج اس نے کرنسی خریدی ہے، اور اس کی قیمت مناسب نہیں مل رہی ہے، پھر اس کو ایک دن یا چند دن بعد فروخت کرنا چاہتا ہے، تو کمپنی اس سے ۶۰ ڈالر کے علاوہ ہر دن کے حساب سے ۲۰ ڈالر مزید وصول کرے گی، اس لئے کہ کمپنی کا دولاکھ ڈالر کاروبار میں بطور زرخانات جمع ہو رہا ہے، اس پر کمپنی ۲۰ ڈالر یومیہ وصول کرتی ہے۔

اس وقت پوری دنیا میں کھربوں ڈالر کا یہ کاروبار روزانہ ہوتا ہے، ایک اندازہ کے مطابق دنیا میں سب سے بڑا کاروبار یہ ہو رہا ہے۔

اس شکل میں یہ کاروبار شرعی نقطہ نظر سے جائز نہیں، جس کی وجوہات درج ذیل ہیں:-

۱- جہاں تک ہمیں معلوم ہے اس طرح کاروبار میں جب کوئی لاٹ خریدی جاتی ہے، تو وہ خریدار کو متعین اور الگ کر کے حوالے نہیں کی جاتی، بلکہ اس کے اکاؤنٹ میں تحریر کر دی جاتی ہے، پھر جب وہ خریدار اسے آگے کسی شخص کو فروخت کرتا ہے، تو اس وقت اگر اسے نفع ہو، تو صرف نفع واپس کر دیا جاتا ہے، اور اگر نقصان ہو، تو اس سے وہ نقصان طلب کر لیا جاتا ہے، خلاصہ یہ کہ پوری خرید کردہ لاٹ تحویل میں نہیں دی جاتی، بلکہ کاغذی طور اس کے اکاؤنٹ میں منتقل کر دی جاتی ہے، اور آخر میں نفع اور نقصان کا فرق برابر کر لیا جاتا

ہے، جو ٹپے کی ایک قسم ہے۔

۲۔ یہ واضح رہے کہ کرنسی کے حکمی قبضے کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ کرنسی کی قیمت بڑھنے یا گھٹنے کا نقصان متعلقہ شخص کے ذمے ہو جائے، بلکہ قبضے کے لئے یہ ضروری ہے کہ خریدی ہوئی کرنسی غیر خریدی شدہ کرنسی سے بالکل ممتاز کر کے کر لی جائے، اور خریدار یا تو خود قبضہ کرے، یا اس کا کوئی وکیل اس کی طرف اسے اپنی تحویل میں اس طرح لے لے کہ وہ متعینہ کرنسی جل جائے یا چوری ہو جائے، تو نقصان اس خریدار کے ذمہ سمجھا جائے، ظاہر ہے کہ یہ صورت مذکورہ کاروبار میں نہیں کہ کرنسی کو الگ کر لیا گیا ہو، اور خریدار یا اس کے کسی نمائندے کی تحویل میں دیا گیا ہو۔

واضح رہے کہ شرعی اعتبار سے کرنسی اور دوسری اجناس کی تعیین میں یہ فرق ہے کہ دوسری اجناس اشارے یا علامتوں سے متعین ہو سکتی ہیں، لیکن کرنسی اس وقت تک متعین نہیں ہوتی، جب تک کہ اس پر کوئی کوئی شخص خود یا اپنے نمائندے کے ذریعے قبضہ نہ کرے۔

۳۔ اوپر ذکر کردہ طریقے میں خریدار صرف ایک ہزار ڈالر کی ادائیگی کرتا ہے، باقی کی ادائیگی نہیں کرتا، اگرچہ باقی رقم کمپنی بطور ذریعہ ضمانت جمع کراتی ہے، مگر یہ رقم درحقیقت خریدار کے ذمہ دین ہوتی ہے، دوسری طرف کرنسی بیچنے والا خریدار کو اس شرعی طریقے پر قبضہ نہیں دیتا جس کا ذکر اوپر ۲ میں کیا گیا، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ رقم دونوں طرف دین ہوتی ہے، لہذا ”بیع الکالی باکالی“ میں داخل ہونے کی وجہ سے جائز نہیں۔

۴۔ درمیانی کمپنی جو کمیشن وصول کرتی ہے، وہ یا تو ضمانت کی فیس ہے، یا تو اس رقم کا معاوضہ ہے جو وہ خریدار کی طرف سے فروخت کرنے والے کو ادا کرتی ہے، پہلی صورت میں یہ ”أجرت علی الکفالة“ ہے، اور دوسری صورت میں یہ قرض پر سود ہے، اور دونوں طریقے ناجائز ہیں۔



باب ششم

قدرِ زر (Value)

قدرِ زر

پُرانے زمانے میں کرنسی یا زر کا تعلق سونے چاندی کے ایک مخصوص معیار کے ساتھ ہوتا تھا، جب سونے چاندی کا یہ معیار بڑھتا، تو کرنسی یا زر کی قیمت بھی بڑھتی، اور جب سونے چاندی کا یہ معیار گھٹتا، تو کرنسی یا زر کی قیمت بھی گھٹتی، لیکن اب جبکہ کرنسی یا زر سونے چاندی سے بالکل لا تعلق ہو گیا، اور سونے چاندی کے ساتھ زر کا کوئی تعلق نہیں رہا، تو اب کرنسی یا زر کی قیمت (قدر) کے بڑھنے اور گھٹنے کا تعلق سونے چاندی کے ساتھ نہیں رہا، بلکہ اس کا معیار دوسرا مقرر ہوا، یعنی ”اشیاء“ (Goods Commodities) کی قیمتیں، لہذا اب قدرِ زر ”قوتِ خرید“ (Purchasing Power) سے عبارت ہے، یعنی وہ قوت جس کی بدولت زر اپنے عوض دوسری اشیاء و خدمات (Services) حاصل کر سکتا ہے۔

زر بذاتِ خود زیادہ اہمیت کا مالک نہیں ہوتا، اس کی طلب محض اس لئے کی جاتی ہے کہ اس کی مدد سے دوسری اشیاء اور خدمات حاصل کرنے میں مدد ملتی ہے، اگر زر ایک مخصوص مقدار کے عوض زیادہ اشیاء اور خدمات حاصل کرے، تو زر کی قدر زیادہ ہوگی، اور اگر اسی مخصوص مقدار کے عوض کم اشیاء اور خدمات حاصل کرے، تو زر کی قدر کم ہوگی۔ مثلاً اگر:-

۳۰ روپے = تین کلو آٹا (۲۰۰۱ء)

۳۰ روپے = دو کلو آٹا (۲۰۰۲ء)

پہلی مثال میں زر کی قدر دوسری مثال کے مقابل زیادہ ہے، اور دوسری مثال میں زر کی قدر پہلی کے مقابلے میں کم ہوگئی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ زر کی قدر اور اشیاء و خدمات کی قیمتوں میں متضاد رشتے ہیں، جب قیمتوں میں اضافہ ہوتا ہے، تو زر کی قدر گھٹ جاتی ہے، اور جب قیمتوں میں کمی ہوتی ہے تو زر کی قدر میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

قیمت شکنی ↑ قدر زر ↓ → قیمت شکنی ↓ قدر زر ↑

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جب سے زر سونے اور چاندی کے دائرے سے آزاد ہو گیا ہے، تو اس کی قدر اشیاء اور خدمات سے وابستہ ہوگئی ہے، اس لئے ہم خلاصہ کہہ سکتے ہیں کہ زر کی قدر زر کی قوت خرید سے عبارت ہے، جسے عربی میں "القوة الشرائية" اور انگریزی میں "Purchasing Power" کہا جاتا ہے۔^(۱)

قدر زر کے تغیرات

قدر زر میں مختلف قسم کے تغیرات واقع ہوتے رہتے ہیں، اور اس میں یہ تغیرات واقع ہونا کوئی نئی بات نہیں، اور نہ یہ اس زمانے کے خاص ہیں، بلکہ گزشتہ زمانوں میں بھی یہ

(۱) تعارف زر و بنکاری (ص ۳۷)

_____ کتاب معاشیات (۲/۳۷)

_____ احکام الاوراق النقدية (ص ۲۷)

_____ کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم (ص ۳۵)

_____ مقدمة في النقود والبنوك :

"قيمة النقود بانها عبارة عن سلطان النقود في المبادلة بسلع والخدمات۔ (ی القوة الشرائية للنقود" (ص ۶۷)

Introduction to Economic Principles.P:332

The Theory of Money and Credit.P:117

تغییرات وقوع پذیر ہوئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آثار اور کلام فقہائے کرام میں اس پر مفصل مباحث کتب فقہ میں موجود ہیں۔

ہم اپنے اس مقالے میں ان تغیرات کا قدر تفصیل کے ساتھ جائزہ لے رہے ہیں، کیونکہ بہت سارے احکام کا ان مباحث سے تعلق ہے، اور اس زمانے میں قدر ذکر کے تغیرات کو خاص طور پر اہمیت دی جا رہی ہے۔

ذکر کو چار قسم کے تغیرات لاحق ہوتے ہیں، جو درج ذیل ہیں:-

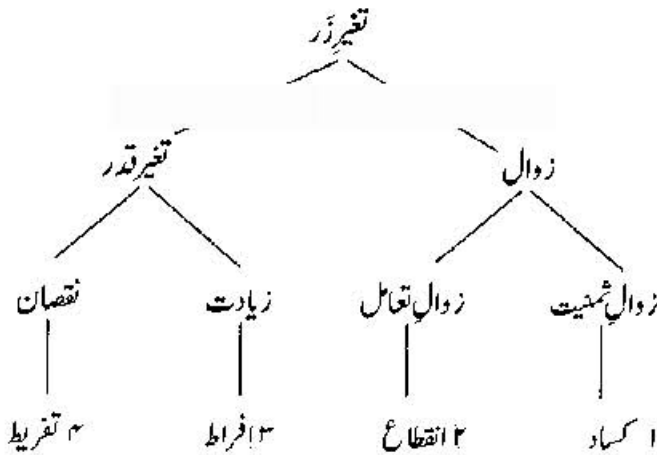
۱- انقطاع ذکر

۲- کساد ذکر

۳- افراط ذکر

۴- تفریط ذکر

ذیل میں نقشہ ملاحظہ ہو:-



اس کا مطلب یہ ہے کہ ذکر کو بعض اوقات ایسا تغیر لاحق ہو جاتا ہے کہ اگر وہ شمن اصطلاحی ہو، تو اس کی شمیت بالکل ختم ہو جاتی ہے، اور اگر وہ شمن خلقی ہو، تو اس کی شمیت تو

ختم نہیں ہوتی، البتہ اس کا تعامل ختم ہو جاتا ہے، یہ تغیر ”انقطاع“ اور ”کساد“ سے واقع ہوتا ہے، اور بعض اوقات ذکر کو ایسا تغیر لاحق ہو جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے یا تو ذکر کی قدر میں اضافہ ہو جاتا ہے، یا ذکر کی قدر میں کمی ہو جاتی ہے، یہ تغیر ”افراط“ اور ”تفریط“ سے واقع ہوتا ہے۔

انقطاع (Forfeiture)

انقطاع ”قطع“ سے مأخوذ ہے، جس کے معنی ختم ہونے کے ہیں، اور اصطلاح فقہ میں انقطاع کا مطلب یہ ہے کہ عام شہر میں کوئی زر دستیاب نہ ہو، اگرچہ صرافوں (Money Changers) اور گھروں میں موجود ہو۔

چنانچہ علامہ شامیؒ انقطاع کے معنی بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

ان لا يوجد النقد في السوق وان وجد في يد الصيارفة
والبيوت الخ

”ذہب بازار میں نہ ملے، اگرچہ صرافوں کے ہاں اور گھروں میں موجود ہو۔“ (۱)

اور علامہ زرقانیؒ اور بنانیؒ انقطاع کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”انه الانعدام جملة في بلد تعامل المتعاقدين وان
وجدت - الفلوس - حين القبض في غيرها۔“

”انقطاع یہ ہے کہ ایک ساتھ ذہب عاقدین کے شہر سے غائب ہو جائے، اگرچہ فلوس قبضے کے وقت دوسرے کسی شہر میں موجود ہوں۔“ (۲)

یاد رکھنا چاہئے کہ فقہائے کرام اس مفہوم کے لئے انقطاع کے علاوہ اور بھی

(۱) رد المحتار (۳/۷)

(۲) شرح الزرقانی علی خلیل بعاشیة البنانی (۲۰/۵)

مختلف الفاظ استعمال کرتے ہیں، صرف انقطاع کے لفظ پر اکتفاء نہیں کرتے، جیسا کہ عبارات فقہاء سے واضح ہو جائے گا۔

مذہب فقہاء

انقطاع کے بارے میں حضرت امام اعظمؒ کا ایک قول یہ ہے کہ اس صورت میں بیع فاسد ہو جائے گی، لیکن دوسرا قول جو مفتی بہ ہے، اور وہ صاحبینؒ، اور ائمہ ثلاثہؒ کا بھی مذہب ہے کہ انقطاع سے بیع فاسد نہیں ہوتی۔ چنانچہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:-

ان انقطعت بان لا توجد في السوق ولو وجدت في يد الصبارة أو في الميت، فقيل: يفسد البیع، وقيل: تجب في آخر يوم الانقطاع وهو المختار۔

”اگر زر منقطع ہوا، کہ بازار میں دستیاب نہ ہو، گو صرف انوں کے ہاں یا گھروں میں موجود ہو، تو کہا گیا ہے کہ بیع فاسد ہو جائے گی، اور کہا گیا ہے کہ جس دن انقطاع ہو رہا تھا، اس آخری دن میں اس کی جو قیمت تھی، وہ قیمت واجب ہوگی، اور یہی قول مختار ہے۔“^(۱)

علامہ شامیؒ مزید فرماتے ہیں:-

”فان انقطع ذلك فعليه من الذهب والفضة قيمته في آخر يوم انقطع وهو المختار۔“

اگر زر منقطع ہو گیا، تو اس کے ذمہ سونے یا چاندی کی قیمت واجب ہے، جس میں یوم الانقطاع کا اعتبار ہوگا، اور یہی رائج ہے۔“^(۲)

اور علامہ شامیؒ اپنے ایک رسالے میں فرماتے ہیں:-

(۱) العقود العدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية شامی (علامہ محمد امین المعروف بابن

عابدین^(۲) بیروت، دار المعرفۃ، طبع دوم (۲۸۰/۱)۔

(۲) رد المحتار (۴/۲۱)۔

”وان انقطع بحيث لا يقدر عليها فعليه قيمتها في آخر يوم

انقطع من الذهب والفضة هو المختار۔“

”اگر زر منقطع ہو گیا، یہاں تک کہ وہ عاجز ہو گیا، تو اس پر اس کی

قیمت سونے چاندی میں سے واجب ہے، جس میں یوم الانقطاع کا

اعتبار ہے، اور یہی رائج ہے۔“^(۱)

اسی رسالے میں ایک اور جگہ فرماتے ہیں:-

”وان انقطعت ثلث الدراهم اليوم كان عليه قيمة الدراهم

قبل الانقطاع عند محمد وعليه الفتوى۔“

”اور اگر وہ دراهم آج منقطع ہو گئے، تو اس کے ذمہ انقطاع سے قبل

دراہم کی جو قیمت تھی وہ واجب ہے، یہ امام محمد کا موقف ہے، اور

اسی پر فتویٰ ہے۔“^(۲)

امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک انقطاع کے وقت قیمت واجب

ہوتی ہے، اور عقد فاسد برقرار رہتا ہے، اتنی بات پر ان سب کا اتفاق ہے، البتہ اختلاف

اس میں ہے کہ اس سلسلے میں کس وقت کی قیمت کا اعتبار ہوگا؟

مالکیہ کے نزدیک صحیح قول کے مطابق فیصلے کے وقت جو زر منقطع کی جو قیمت

ہوگی، وہ واجب ہوگی۔

شافعیہ کے نزدیک جس وقت بائع مشتری سے ثمن کا مطالبہ کرے گا، اس وقت

زر منقطع کی جو قیمت ہوگی، اس کا اعتبار ہوگا، اور اگر بیع مؤجل ہے، تو جب ادائیگی کی مقررہ

تاریخ پہنچ جائے، تو اس وقت زر کی جو قیمت ہوگی، اس کا اعتبار ہوگا۔

(۱) تنبیہ الرقود علی مسائل النقود، ضمن رسائل ابن عابدین، لاہور، پاکستان، سہیل

اکیڈمی ۱۹۷۶ء (۵۸/۲)

(۲) تنبیہ الرقود علی مسائل النقود (۲۰۰۵/۲)

حنابلہ اور امام محمدؒ کے نزدیک یوم الانقطاع کی قیمت کا اعتبار ہوگا، یعنی جس دن زَرِّ منقطع ہو رہا ہے، اس سے ایک دن پہلے زَرِّ کی جو قیمت تھی، اس کا اعتبار ہوگا، البتہ حنابلہ کے ہاں اگر وہ مثلی ہے، اور مثل دستیاب ہے، تو مثل واجب ہوگی۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یوم المعاملہ کی قیمت کا اعتبار ہوگا، یعنی جس دن عقد ہوا تھا، اس دن اس زَرِّ کی جو قیمت تھی، اس کا اعتبار ہوگا۔

خلاصہ درج ذیل ہے:-

امام ابو حنیفہؒ	=	بیع فسخ / فاسد
مالکیہ	=	وقت فیصلہ کی قیمت
شافعیہ	=	وقت مطالبہ کی قیمت
حنابلہ + امام محمدؒ	=	وقت انقطاع
امام ابو یوسفؒ	=	وقت معاملہ / عقد

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:-

”واما الکساد والانقطاع فالذى يظهر ان البيع لا يفسد اجماعا اذا سميا نوعا منه وذلك لانهم ذكروا في الدرهم التي غلب غشها ثلثة اقوال: الاول: قول ابي حنيفة بالبطلان والثاني: قول الصاحبين بعدمه وهو قول الشافعي واحمد، لكن قال ابو يوسف عليه قيمتها وقت البيع وقال محمد: يوم الانقطاع، وفي الذخيرة: الفتوى على قول ابي يوسف وفي التتمة والمختار والحقائق بقول محمد يفتى رفقا بالناس۔“

”کساد اور انقطاع میں بظاہر بالاتفاق بیع فاسد نہیں ہوتی، جبکہ عاقدین زَرِّ کی ایک خاص قسم ذکر کریں، اور یہ اس وجہ سے کہ

فقہائے کرام نے ان ذراہم کے بارے میں جن میں کھوٹ غالب ہو جائے، تین قول ذکر کئے ہیں، ایک قول باطل ہونے کا ہے، جو امام اعظمؒ کا ہے، دوسرا قول صاحبینؒ کا ہے، اور وہ یہ کہ عقد باطل نہیں ہے، اور یہی قول امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا بھی ہے، لیکن امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس پر یوم العقد کی قیمت واجب ہے، اور امام محمدؒ فرماتے ہیں، کہ اس پر یوم الانقطاع کی قیمت واجب ہے، ذخیرہ میں ہے کہ فتویٰ امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے، اور تہہ، مختار اور حقائق میں ہے کہ فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے، لوگوں کی آسانی کے لئے۔^(۱)

امام صاحبؒ کے قول کی وجہ

امام صاحبؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ جب زر ختم ہو گیا، تو دشمن ختم ہو گیا، اور بیع دشمن کے بغیر نہیں ہوتی، اس لئے بیع فسخ ہو جائے گی۔

صاحبینؒ کے قول کی وجہ

امام ابو یوسفؒ وقتِ تعال اور وقتِ عقد کی قیمت کا اعتبار اس لئے کرتے ہیں کہ مشتری کے ذمہ جو دشمن واجب ہوا ہے، وہ عقد کی وجہ سے ہے، لہذا قیمت میں بھی اسی وقت کا اعتبار ہوگا۔

اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ یوم الانقطاع کی قیمت کا اعتبار ہوگا، کیونکہ انقطاع سے پہلے مشتری دشمن کی ادائیگی پر قادر تھا، دشمن کی ادائیگی سے بجز انقطاع سے آگیا، لہذا قیمت میں وقتِ بجز کا اعتبار ہوگا۔^(۲)

(۱) تنبیہ الرقود علی مسائل النقود (۱/۲)

(۲) مجلة مجمع الفقه الاسلامی، ج۱۰، الدورة الخامسة، العدد الخامس، الجزء الثالث

۱۳۰۹ھ، (ص ۱۶۵)

مذہب مالکیہ

مالکیہ کے ہاں معتد اور صحیح قول کے مطابق اس صورت میں وقت فیصلہ کی قیمت کا اعتبار ہوگا، اور دوسرا قول مالکیہ کا یہ ہے کہ جس دن مقررہ تاریخ ادائیگی ہو، اور جس دن زر منقطع ہو جائے، ان دونوں میں سے جو بعد میں ہو، اس کی قیمت کا اعتبار ہوگا، مثلاً: اگر یوم ادائیگی تیس دن بعد ہو، اور انقطاع اٹھارہ دن بعد ہو، تو یوم ادائیگی کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ مالکیہ کی عبارات ملاحظہ ہوں:-

فی الشرح الكبير وحاشية السوقي: ان عدمت الفلوس بالكلية في بلد المتعاقدين وان وجدت في غيرها، فالقيمة واجبة على من ترتبت عليه مما تجدد اى يدفعها مما تجدد وظهر من المعاملة، فيقال: ما قيمة العشرة من الدراهم التي عدمت بهذه الدراهم التي تجددت فيقال: ثمانية دراهم، مثلاً في دفع المدين ثمانية من تلك الدراهم التي تجددت واذا قيل: قيمتها: اثنا عشر، دفع اثني عشر منها وهكذا۔

وقال خليل: تعتبر القيمة وقت اجتماع الاستحقاق اى الحلول ويوم العدم، فالعبرة عنده بالمتاخر منهما، فان كان العدم والاستحقاق حصلا في وقت واحد، فالامر ظاهراً، وان تقدم احدهما على الآخر فالعبرة بالمتاخر منهما اذ لا يجتمعان الا في وقت المتاخر منهما، فان استحققت ثم عدمت اعتبرت القيمة يوم العدم، وان عدمت ثم استحققت اعتبرت القيمة يوم الاستحقاق، ولم يذكر خليل القول المعتمد۔

وقال الددیر: المعتمد ان القيمة تعتبر يوم
الحکم۔۔۔ وقال الخرشى: ان عدمت فالواجب على من
ترتبت عليه قيمتها مما تجدد وظهر، وتعتبر قيمتها وقت
ابعد الاجلین عند تخالف الوقتین من العدم والاستحقاق
۔۔۔ وفى شرح الزرقانى: وهذا كله على مختار المصنف
خلیل هنا تبعاً لابن الحاجب تبعاً للخمى وابن محرر،
والذى اختاره ابن یونس وابو حفص، ان القيمة تعتبر
يوم الحکم، قال ابو الحسن الشاذلى: وهو الصواب وقال
البرزلى: وهو ظاهر المدونة^(۱)

اس پوری عبارت کا خلاصہ یہی نکلتا ہے کہ مالک کے ہاں انقطاع کی صورت میں
دوقول ہیں، ایک یہ ہے کہ یوم الاستحقاق اور یوم العدم میں جو دور ہوگا، اس دن کی قیمت کا
اعتبار ہوگا، یوم الاستحقاق سے مراد یہ ہے کہ جس دن ادائیگی ضروری ہے، اور یوم العدم کا
مطلب یہ ہے کہ جس دن وہ زمر منقطع ہو گیا، اور دوسرا قول یہ ہے کہ یوم الحکم کا اعتبار کی قیمت
کا اعتبار ہے، اور یہی قول ان کے نزدیک راجح اور درست ہے، چہاں کہ شرح زرقانی کی
مذکورہ عبارت سے واضح ہے۔

شافعیہ

ان کے ہاں انقطاع کی صورت میں یوم العقد یا یوم المعاملہ کی قیمت واجب
ہوتی ہے، لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ زر مثلی نہ ہو، ورنہ مثلی ہونے کی صورت میں مثل
واجب ہے۔

علامہ ربیع فرماتے ہیں:-

(۱) حاشیۃ المدسوقی (۳/۴۵۵)۔ الخرشى على الخلیل (۵/۵۵)، شرح الزرقانی على

”قان فقد وله مثل وجب والاقیمته وقت المطالبة“
 ”اگر زر مفقود ہو گیا، اور اس کی مثل ہو، تو مثل واجب ہے، ورنہ زر کی
 مطالبے کے وقت جو قیمت بنتی ہے، وہ واجب ہے۔“^(۱)
 اور علامہ ابن حجر اصبحتیؒ فرماتے ہیں:-

”ویرد وجوبا حیث الاستبدال المثل فی المثل ولو نقدا
 ابطله السلطان لانه اقرب الی حقه“
 ”مثلی میں لازمی طور پر مثل واپس کرے گا، اگرچہ سلطان نے زر کو
 باطل کر دیا، کیونکہ یہ حقدار کے حق کے زیادہ قریب ہے۔“^(۲)
 اور علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں:-

ان عدمت الفلوس العتق فلم توجد اصلا رجع الی قدر
 قیمتها من الذهب والفضة، ويعتبر ذلك يوم المطالبة الخ“
 ”اگر پُرانے فلوس معدوم ہو گئے، اور بالکل دستیاب نہ ہوں، تو اس
 صورت میں سونے چاندی میں اس کی قیمت واجب ہوگی، اور قیمت
 میں یوم المطالبة کا اعتبار ہوگا۔“^(۳)

حنا بلہ

ان کا موقف وہی ہے جو امام محمدؒ کا ہے، یعنی یوم الاقطاع کی قیمت کا اعتبار ہے،

(۱) نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج، الرملی (شمس الدین محمد بن ابی العباس الرملی
 المتوفی ۱۰۰۳ھ) بیروت، احیاء التراث العربی (۳۹۹/۳)

(۲) تحفة المحتاج مع حاشیۃ الشروانی، الہیتمی (علامہ احمد بن حجر الہیتمی
 الشافعی) (۴۴/۵)

(۳) الحاوی للفتاویٰ، السیوطی (علامہ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی
 المتوفی ۹۱۱ھ) بیروت، المكتبة المعریة، طبع اول ۱۴۱۱ھ

چنانچہ علامہ بھوئی فرماتے ہیں :-

”فان اعوز المثل قال فی الحاشیة: عوز الشئ عوزا من تعب عز قلم یوجد، واعوزنی المطلوب مثل اعجزنی لفظا ومعنی، لزوم المقترض قیمته، ای المثل یوم اعوازه، لانها حینئذ ثبتت فی الذمة، ویجب علی المقترض رد قيمة ماسوی ذلك ای المکیل والموزون لانه لا مثل له فضمن بقیمته کالغصب۔“

”اگر مثل سے عاجز آگیا..... تو مقروض پر مثل کی قیمت واجب ہوگی، اور اس میں یوم العجز کی قیمت کا اعتبار ہوگا، کیونکہ یہی ذمہ میں واجب ہوگئی ہے، اور جو مثلی نہ ہو، مثلاً مکیلی اور موزونات میں سے نہ ہو، وہاں قیمت واجب ہے، اور یہ مسئلہ غصب کی طرح ہے۔“^(۱)

ان میں عبارات میں آپ نے دیکھا کہ انقطاع کے لئے انقطاع کے علاوہ لفظ ”عدم“ اور لفظ ”اعواز“ بھی استعمال ہوا۔

کساد (Depression)

”کساد“ کے لئے بھی فقہائے کرام نے مختلف الفاظ استعمال فرمائے ہیں، مثلاً: ”ابطال“، ”قطع التعامل“، ”ترک التعامل“۔

کساد کے معنی کھوٹے ہونے کے ہیں، اور اصطلاح میں کساد کی تعریف علامہ ابن عابدینؒ کی زبانی سنئے :-

”والکساد: ان تترك المعاملة بها في جميع البلاد“^(۲)

(۱) كشف القناع عن متن الاقناع، البهوتي (منصور بن یونس البهوتي المتوفى ۱۰۴۶ھ،

مكة المكرمة، مكتبة الحكومة ۱۳۹۳ھ (۳/۳۰۲)

(۲) رد المحتل (۴/۳۱)

”اور کساد یہ ہے کہ زر کے ساتھ تمام شہروں میں معاملہ ترک کیا جائے۔“

انقطاع اور کساد میں معنی یہ فرق ہوا کہ انقطاع میں زر غائب اور معدوم ہو جاتا ہے، اور کساد میں زر رہتا ہے، لیکن لوگ اس کے ساتھ تعامل ختم کر لیتے ہیں، چنانچہ کساد کی وجہ سے زر اصطلاحی کی شہیت بالکل ختم ہو جاتی ہے، اور وہ سامان کے حکم میں ہو جاتا ہے۔ حضرات حنفیہ کے ہاں انقطاع اور کساد میں کھلا کوئی فرق نہیں، چنانچہ:-

۱- امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر تمام شہروں میں تعامل ترک ہو جائے، تو معاملہ فسخ / فاسد ہو جائے گا، البتہ اگر بعض شہروں میں تعامل باقی ہو، تو اس صورت میں بعض عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ فسخ سمجھا جائے گا، اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں معاملہ فاسد نہیں ہوگا۔

بیع فاسد ہونے کی صورت میں اگر بیع موجود ہو، تو مشتری بائع کو بیع واپس کرے گا، اور بیع موجود نہ ہو، تو اگر مثلی ہے، یعنی بیع مکملات یا موزونات کے قبیل میں سے ہے، تو اس کی مثل واپس کرے گا، اور اگر مثلی نہیں ہو، تو اس کی قیمت واپس کرے گا۔ البتہ اگر معاملہ قرض کا ہو، یا بیوی کے مہر کا ہو، تو وہی زر واپس کرنا ہوگا، اگرچہ کھونا ہو۔

۲- حضرات صاحبینؒ کے نزدیک اس صورت میں بیع فسخ نہیں ہوگی، البتہ بائع کو بیع کا اختیار رہے گا، اور بیع فسخ نہ ہونے کی صورت میں مشتری کے ذمہ اس کی قیمت واجب ہوگی، اب قیمت کی تعیین میں دونوں حضرات میں اختلاف ہو گیا:-

الف:- امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وقت عقد کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔
ب:- امام محمدؒ کے نزدیک یوم الکساد کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ یہاں بھی صحیح اور رائج قول امام محمدؒ ہی کا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کے ہاں حکم کے اعتبار سے انقطاع اور کساد میں

کوئی فرق نہیں۔

چنانچہ اس سلسلے میں علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

”والا تقطاع عن ایدی الناس کالکساد“

اسی صفحہ پر آگے فرماتے ہیں:-

”والا تقطاع کالکساد“

دونوں عبارتوں کا مطلب یہ ہوا کہ انقطاع کساد کی طرح ہے۔^(۱)

مسئلہ کساد کے سلسلے میں ہم یہاں علامہ کاسانی کی عبارت بمع ترجمہ نقل کرتے

ہیں، جو نہایت ہی جامع ہے:-

”ولو اشتری بفلوس نافقة ثم کسدت قبل القبض انفسه

عند ابی حنیفة رحمہ اللہ، وعلی المشتري رد المبيع ان

کان قائما وقيمتہ او مثله ان هالکا، وعند ابی یوسف

ومحمد رحمهما اللہ : لا يبطل البيع، والبايع بالخيار ان

شاء فسخ البيع وان شاء اخذ قيمة الفلوس۔

وحجة ابی حنیفة: ان الفلوس بالكساد خرجت عن كونها

ثمنا لان ثمنيتها ثبتت باصطلاح الناس، فاذا ترك الناس

التعامل بها عددا فقد زال عنها صفة الثمنية، ولا بيع

بلا ثمن، فینفسخ ضرورة۔

وحجة ابی یوسف ومحمد : اولاً: ان الفلوس فی الذمة

ومافی الذمة لا یحتمل الهلاك، فلا یكون الكساد هلاکاً بل

یكون عیباً فیما یوجب الخيار، ان شاء فسخ البيع، وان شاء

اخذ قيمة الفلوس۔۔۔

وثانیا: ان الواجب بقبض القرض رد مثل المقبوض
وبالكساد عجز عن رد المثل لخروجها عن رد الثمنية
وصيرورتها سلعة، فيجب عليه قيمتها كما لو استقرض شيئا
من ذوات الامثال وقبضه ثم انقطع عن ايدي الناس۔

ثم اختلف ابو يوسف محمد فيما بينهما في وقت اعتبار
القيمة، فاعتبر ابو يوسف وقت العقد لانه وقت وجوب
الثلث، واعتبر محمد وقت الكساد وهو آخر يوم ترك
الناس التعامل بها، لانه وقت العجز عن التسليم،
ولو استقرض فلوسا نافقة وقبضها فكسدت، فعليه رد مثل
ما قبض من الفلوس عدا في قول ابي حنيفة وابي يوسف،
وفي قول محمد عليه قيمتها۔

”اور اگر کسی نے کوئی چیز ایسے فلوس سے خریدی، جو رائج تھے، پھر وہ
قبضے سے قبل کا سد ہو گئے، تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بیع صحیح
ہو گئی، اور مشتری پر بیع واپس کرنا ضروری ہے، اگر بیع موجود ہو، یا اس
کی مثل واجب ہوگی، اگر بیع ہلاک ہو گئی ہو، اور صاحبین کے نزدیک
بیع باطل نہیں ہوتی، اور بائع کو اختیار ہے، اگر چاہے تو بیع کو صحیح
کرے، اور اگر چاہے تو فلوس کی قیمت وصول کرے۔

امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ فلوس کساد کی وجہ سے شے ہونے سے
نکل گئے، کیونکہ ان کی ثمنیت لوگوں کی اصطلاح کی وجہ سے تھی، سو
جب لوگوں نے فلوس کے ساتھ تعامل کو چھوڑ دیا، تو فلوس سے ثمنیت
کی صفت زائل ہو گئی، اور بیع بغیر ثمن کے نہیں ہوتی، اس لئے بیع
باطل ہو جائے گی۔

اور حضراتِ صاحبینؒ کی پہلی دلیل یہ ہے کہ فلوں واجب فی الذمہ ہیں، اور جو چیز واجب فی الذمہ ہو، وہ ہلاک نہیں ہوتی، لہذا کساد ہلاک نہیں ہوگا، البتہ کساد عیب ہوگا، جس کی وجہ سے بائع کو خیار رہے گا، چاہے تو بیع کو فسخ کر لے اور چاہے تو فلوں کی قیمت وصول کرے، اور دوسری دلیل یہ ہے کہ قرض کے قبضے سے قرض مقبوض کی مثل واجب ہوتی ہے، اور کساد کی وجہ سے وہ مثل کی واپسی سے عاجز آگیا، کیونکہ وہ فلوں اب شمن نہیں رہیں، اور سامان کے حکم میں آگئے، لہذا اس پر ان کی قیمت واجب ہوگی، جیسا کہ کسی نے کوئی مثلی چیز قرض لی اور اس پر قبضہ کیا، اور اس کے بعد وہ مثلی چیز لوگوں کے ہاتھوں سے منقطع ہوگئی۔

پھر صاحبینؒ کا آپس میں اعتبار قیمت کے وقت کے بارے میں اختلاف ہو گیا، امام ابو یوسفؒ نے وقت عقد کا اعتبار کیا، کیونکہ یہی وجوب شمن کا وقت ہے، اور امام محمدؒ نے وقت کساد کی قیمت کا اعتبار کیا، کیونکہ تسلیم کرنے سے عاجز ہونے کا یہی وقت ہے، اور اگر رائج فلوں کو کسی نے قرض کے طور پر لیا، اور بعد میں وہ کاسد ہو گئے، تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس پر مقبوضہ فلوں کی مثل واپس کرنا ضروری ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک اس پر ان فلوں کی قیمت واپس کرنا ضروری ہے۔^(۱)

حاشیہ ابن عابدین اور فتاویٰ عالمگیریہ میں کساد فلوں کے بارے میں جو تفصیل تحریر ہے، اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:-

”اگر کسی نے ان ذرا ہم سے سودا کیا، جن میں کھوٹ غالب ہو، یا

فلوس سے سودا کیا، اور ابھی ٹمن بائع کو نہیں دیا تھا کہ کساد واقع ہوا، تو بیع باطل ہوگئی، اور انقطاع بھی حکم میں کساد کی طرح ہے، مشتری پر اس صورت میں واجب ہے کہ اگر بیع موجود ہو، تو بیع واپس کرے، اور اگر بیع موجود نہیں، تو اس کی مثل یا قیمت واپس کرے، اور بیع مشتری کے قبضے میں نہ ہو، تو اس صورت میں کچھ بھی واجب نہیں، یہ امام ابوحنیفہؒ کا موقف ہے، حضرات صاحبینؒ کے نزدیک بیع اس صورت میں باطل نہیں ہوتا، کیونکہ یہاں زیادہ سے زیادہ یہ ہوا کہ کساد کی وجہ سے ٹمن تسلیم کرنا مشکل ہو گیا، لیکن دوبارہ رواج پائے جانے کے احتمال کی وجہ سے یہ قدرت حاصل ہو سکتی ہے، لہذا بیع باطل نہیں ہوگی، البتہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یوم البیع کی قیمت واجب ہوگی، اور امام محمدؒ کے نزدیک یوم الکساد کی قیمت واجب ہوگی، ذخیرہ میں ہے کہ فتویٰ امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے، محیط، متنہ اور تھاقب میں ہے کہ لوگوں کی سہولت کی خاطر فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر دیا جاتا ہے۔^(۱)

یہ حکم بیع کا ہے، اور اگر قرض کا معاملہ ہوا، اور پھر زر میں کساد واقع ہوا، تو اس میں امام صاحب کے نزدیک مثل واجب ہوگی، اور صاحبینؒ کے نزدیک قیمت واپس کرنا ضروری ہے، اور قیمت کی تعیین کے وقت میں وہی اختلاف ہے، جو بیع میں گزر چکا۔^(۲) ایک قول میں امام محمدؒ قرض کے مسئلے میں امام صاحبؒ کے ساتھ ہیں، جیسا کہ بدائع کی عبارت کے آخر میں ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ انقطاع ہو، یا کساد، امام صاحبؒ کے نزدیک بیع کا معاملہ اس کی

(۱) رد المحتار (۴/۳۱) و الفتاویٰ الہندیہ (۲۵/۳)

(۲) تنبیہ الرقود (۵۷/۲)

وجہ سے باطل اور خود بخود فسخ ہو جاتا ہے، اور اس صورت میں مشتری کے ذمہ بیع کو واپس کرنا ضروری ہوتا ہے، اور اگر بیع موجود نہ ہو، تو مثل اور اگر مثل بھی نہ ہو، تو اس کی قیمت واپس کرنا ضروری ہوتا ہے، جبکہ صاحبین کے نزدیک ان حالتوں میں بیع فاسد یا باطل نہیں ہوتی، البتہ یہ ایک عیب ہے، اس عیب کی وجہ سے بائع کو فسخ کا اختیار حاصل ہے، اگر وہ بیع کو فسخ کرتا ہے، تو بیع کی واپس میں وہی تفصیل ہوگی، جو امام صاحب کے مذہب میں ہے، اور اگر بیع کو فسخ نہیں کرتا، بلکہ نافذ کرتا ہے، تو بیع نافذ ہو جائے گی، اور مشتری کے ذمہ اس شے کی قیمت واجب ہوگی، یہ قیمت امام ابو یوسف کے نزدیک یوم العقد کے حساب سے ہوگی، اور امام محمد کے نزدیک یوم الانقطاع یا یوم الکساد کے حساب سے ہوگا، اور دونوں صورتوں میں فتویٰ حنفیہ کے ہاں امام محمد کے قول پر دیا جاتا ہے۔

مالکیہ و شافعیہ

مالکیہ اور شافعیہ کا موقف اس سلسلے میں یہ ہے کہ جب زُر پر کساد واقع ہو جائے، تو بیع باطل نہیں ہوگی، بلکہ مدیون / مشتری وہی سکے واپس کرے گا، جو سکے بوقت عقد رائج تھا، البتہ شافعیہ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ اس صورت میں بائع کو اختیار ہوگا کہ یا تو قدیم سکے قبول کر کے بیع کو نافذ کرے، اور یا اس بیع کو فسخ کرے۔

چنانچہ شرح زر قافی میں ہے:-

”وان بطلت فلوس ترتبت لشخص علی آخر ای قطع

التعامل بها بالکلیۃ، فالمثل علی من ترتبت فی ذمته قبل

قطع التعامل بها“

”اور اگر وہ فلوس جو کسی کے کسی کے ذمہ واجب تھے، وہ کاسد ہو گئے،

یعنی ان کے ساتھ تعامل بالکلیہ ختم ہو گیا، تو جس کے ذمہ یہ فلوس

واجب الاداء ہیں، وہ ان فلوس کی مثل ادا کرے گا، جو قطع تعامل سے

پہلے رائج تھے۔“ (۱)

حاشیہ دسوقی میں ہے:-

ان بطلت فلوس او دنانیر او دراهم ترتبت لشخص علی
غیرہ قطع التعامل بها، ومن باب اولی اذا تغیرت بزیادة
او نقص، فیجب قضاء المثل علی من ترتبت فی ذمته قبل
قطع التعامل بها او تغیرها۔“

”اگر فلوس یا دنانیر یا ذراہم باطل ہو گئے، جو کسی شخص کے دوسرے
کے ذمہ واجب تھے، پس ان کا تعال ختم ہو گیا، تو جس کے ذمہ یہ ذر
واجب تھا، تغیر یا قطع تعال سے قبل جو ذراہم رائج تھا، اس کی مثل اس پر
واجب ہے۔“ (۲)

من الخلیل میں ہے:-

”ومن ابتاع بنقد او اقترضه ثم بطل التعامل به لم یکن
علیه غیرہ۔“
اور المعیار میں ہے:-

”وافتی ابوالولید الباجی انه لا یلزمه الا السکة الجاریة
حين العقد“
”ابوالولید باجی نے فتویٰ دیا ہے کہ مدیون پر وہی سکہ ادا کرنا واجب
ہے، جو عقد کے وقت جاری تھا۔“ (۳)

(۱) شرح الزرقانی علی خلیل (۶۰/۵) کذا فی الخرشی علی خلیل (۵۵/۵)

(۲) حاشیة الدسوقی (۵۴/۱)

(۳) المعیار المعرب، الوتشریسی (احمد بن یحی المتوفی ۹۱۳ھ) بیروت، دار الغرب

الاسلامی ۱۴۰۱ھ (۱۶۳/۶)

فقہ شافعی کی مشہور کتاب المجموع میں ہے:-

”ولو باء بنقد معین او مطلق وحملناه علی نقد البلد
فابطل السلطان المعاملة بذلك النقد لم یکن للبائع
الا ذلك النقد هذا هو المذهب۔“

”اور اگر کسی معین زر یا مطلق زر سے سودا کیا، اور اس کو ہم نے نقد
البلد پر محمول کیا، پھر سلطان اس زر کے ساتھ معاملہ کو باطل کر دیا، تو
بائع کو وہی سکہ یا زر ملے گا، جو بوقت عقد جاری تھا، اور یہی مذہب
ہے۔“ (۱)

روضۃ الطالبین میں ہے:-

ولو اقرضه نقدا فابطل السلطان المعاملة به، فليس له
الانقذ الذي اقرضه نص عليه الشافعي رضي الله عنه۔
”اور اگر اس کو زر قرض دیا، اور پھر سلطان نے اس زر کے ساتھ
معاملے کو باطل کر دیا، تو مقرض کو وہی سکہ یا زر ملے گا، جو اس نے
قرض دیا، اسی کی تصریح امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمائی ہے۔“ (۲)
اور المجموع میں ہے:-

”وحكى البغوی والرافعی وجها ان البائع مخیر ان شاء
اجتز البیعة بذلك النقد وان شاء قسغه۔“
”اور بغوی اور رافعی نے ایک اور طریقہ بھی بیان کیا ہے، اور یہ کہ اس
صورت میں بائع کو اختیار ہے، چاہے تو بیع اسی زر کے ساتھ نافذ
کرے، اور اگر چاہے، تو بیع کو فسخ کرے۔“ (۳)

(۱) المجموع شرح المذهب، النووی (ابو زکریا محی الدین بن شرف النووی المتوفی

۶۷۶ هج، بیروت، دار الفکر (۳۳۱/۹)

(۲) روضة الطالبین للنووی (۳۷/۳)

(۳) المجموع شرح المذهب للنووی (۲۸۲/۹)

ان تمام عبارات کا حاصل یہ نکلا کہ ان حضرات (مالکیہ اور شافعیہ) کے نزدیک رائج اور مفتی بہ قول یہی ہے کہ کساد کی صورت میں حق دار وہی سکہ یا زر وصول کرے گا، جو بوقت عقد رائج تھا، اگرچہ وہ اس پر کساد طاری ہو گیا، خواہ معاملہ بیع کا ہو، یا قرض کا ہو۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک انقطاع اور کساد میں حکم کے اعتبار سے فرق ہے، جس کی تفصیل گزر چکی۔

حنابلہ

کساد کی صورت میں حنابلہ کے نزدیک بھی قیمت واپس کرنا ضروری ہے، اور قیمت کی تعیین میں ان کے نزدیک تین اقوال ہیں :-

الف :- وقت الکساد کی قیمت کا اعتبار ہے، جیسا کہ حنفیہ میں سے امام محمدؒ کا موقف ہے، اور یہی قول ان کے ہاں رائج ہے۔

ب :- وقت معاملہ کی قیمت کا اعتبار ہے، جیسا کہ امام ابو یوسفؒ کا موقف ہے۔
ج :- وقت خصومت کا اعتبار ہے۔

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں :-

”ان كان القرض فلو ساء او مكسرة فعرمها السلطان وتركت المعاملة بها لانه كالعيب فلا يلزمه قبولها، ويكون له قيمتها وقت القرض سواء كانت باقية او استهلكها نص عليه احمد في الدرهم المكسرة، فقال: يقومها كم تساوى يوم اخذها ثم يعطيه، وسواء نقصت قيمتها قليلا او كثيرا
ا، وذكر ابو بكر في التنبيه: انه يكون له قيمتها وقت فسدت وتركت المعاملة بها، لانه كان يلزمه مثلها مادامت نافعة، فاذا فسدت انتقل الى قيمتها حينئذ كم لو عدم

المثل الغر

”اگر قرض قلوں ہوں، یا ٹوٹے ہوئے ذرا ہم تھے، پھر سلطان نے ان کو حرام قرار دیا، اور تعامل متروک ہو گیا، تو یہ عیب کی طرح ہے، لہذا صاحب حق کے لئے ضروری نہیں کہ وہ ان کا سد ذکر کو قبول کرے، اور مقروض پر اس ذکر کی قیمت واجب ہوگی، جس میں وقت قرض کا اعتبار ہوگا، خواہ وہ ذرا اس کے پاس ابھی رکھا ہوا ہو، یا اس نے خرچ کیا ہو، امام احمد نے ذرا ہم مکسرہ میں اس کی تصریح کی ہے، اور فرمایا کہ یہ قیمت لگائی جائے گی کہ یوم الاخذ میں اس کی قیمت تھی، چنانچہ وہ قیمت ادا کرے گا، خواہ اس کی قیمت زیادہ کم ہوئی ہو، یا معمولی کم ہوئی ہو، اور ابو بکر نے تنبیہ میں ذکر فرمایا ہے کہ یوم الکساد کی قیمت کا اعتبار ہوگا، کیونکہ اس کے ذمہ اس کی مثل واجب تھی رائج ہونے کی صورت میں، پس جب یہ ذکر کا سد ہو گیا، تو آب بات قیمت تک پہنچی، جیسا کہ اگر مثل معدوم ہو جائے۔“ (۱)

کشاف القناع میں ہے:-

”ان كان القرض قلويا او ذراهم مكسورة فيجرمها اي يمنع الناس من المعاملة بها السلطان او نائبه سواء اتفق الناس على ترك المعاملة بها او لا، لانه كالعيب، فلا يلزمه قبولها، فللمقترض القيمة عن القلوس والمكسرة في هذه الحال وقت القرض الغر“ (۲)

(۱) المغنی معہ الشرح الکبیر، المقدسی (موفق الدین ابن قدامہ وشمس الدین بن

قدامہ المقدسی، بیروت، دار الکتب العربی ۱۳۹۲ھ (۳۶۵/۳)

(۲) کشاف القناع للبهوتي (۳۰۱/۳)

علامہ مرداویؒ فرماتے ہیں:-

ان كان فلوسا او مكسرة في حرمها السلطان (الصحيح من
المذهب ان له القيمة سواء اتفق الناس على تركها او
لا وعليه اكثر الاصحاب، وجزم به كثير منهم،---- وقال
في المستوعب : وهو الصحيح عندى---- وقيل : له القيمة
وقت الخصومة^(۱)

ان عبارات کا بھی وہی مطلب ہے جو علامہ ابن قدامہؒ کے حوالے سے گزر گیا،
البتہ اس میں وقتِ خصومت کی تصریح ہے۔

خلاصہ بحث

اس تمام بحث کا حاصل یہ ہوا کہ کساد ہو یا انقطاع! امام صاحبؒ کے نزدیک اس
سے خود بخود بیعِ فسخ ہو جاتی ہے، اور مشتری کے ذمہ بیع یا مثل یا اس کی قیمت واپس کرنا
ضروری ہوتا ہے، جبکہ صاحبینؒ سمیت جمہور مشائخؒ اور علماء کے نزدیک دونوں حالتوں میں
بیعِ خود بخود فسخ نہیں ہوتی، پھر امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دونوں حالتوں میں یومِ العقد کی
قیمت کا اعتبار ہوگا، اور امام محمدؒ کے نزدیک یومِ الانقطاع یا یومِ الکساد کی قیمت کا اعتبار ہوگا،
اور اسی پر فتویٰ ہے، لہذا حنفیہؒ کے نزدیک حکم کے اعتبار سے انقطاع اور کساد میں کوئی فرق
نہیں، جبکہ ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک دونوں حالتوں میں فرق ہے، چنانچہ حضرات مالکیہؒ کے
ز نزدیک انقطاع میں: وقتِ فیصلہ کی قیمت کا اعتبار ہوگا، جبکہ کساد میں وہی سکہ واپس کرنا
ہوگا، جو بوقتِ عقد جاری تھا، شافعیہ کے ہاں انقطاع میں وقتِ مطالعہ کی قیمت کا اعتبار ہے،
جبکہ کساد میں ان کے ہاں وہی سکہ واپس کرنا ہوگا، جو عقد کے وقت جاری اور رائج تھا،
حنابلہ کے ہاں انقطاع میں یومِ الانقطاع کی قیمت معتبر ہوتی ہے، جبکہ ان کے ہاں کساد میں

(۱) الانصاف، المرادوی (علاء الدین ابی الحسن علی بن سلیمان طبع اول

تین مختلف اقوال ہیں، رائج قول کے مطابق یوم الکساد کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔
 اور یہی تفصیل قرض میں بھی ہے، البتہ امام صاحبؒ کے نزدیک قرض میں مثل
 واجب ہوگی، خواہ انقطاع کی حالت ہو، یا کساد کی۔

نقشہ مذاہب

حالت	امام	قول
انقطاع	امام ابو حنیفہؒ	بیع فسخ / قرض میں مثل واجب
	مالکیہؒ	وقت فیصلہ کی قیمت، بیع ہو یا قرض
	شافعیہؒ	وقت مطالبہ کی قیمت
	حنابلہ + امام محمدؒ	یوم الانقطاع، عند الامام محمد بائع کو خيار حاصل ہوگا
	امام ابو یوسفؒ	یوم العقد، بائع کو فسخ کا خيار حاصل ہوگا
کساد	امام ابو حنیفہؒ	بیع فسخ، قرض میں مثل واجب
	مالکیہ و شافعیہ	وہی سکہ جو بوقت عقد جاری تھا واجب ہوگا
	امام ابو یوسفؒ	وقت عقد کی قیمت / خيار فسخ بھی
	حنابلہ + امام محمدؒ	یوم الکساد کی قیمت / عند محمد خيار فسخ بھی

جاننا چاہئے کہ اگر کسی ملک میں کرنسی اس قدر گر گئی کہ اس کو کساد کہا جاسکتا ہو، تو

وہاں قروض اور دیون میں امام محمدؒ یا امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہوگی، اس سلسلے میں امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کرنا زیادہ آسان ہے، کہ جس وقت معاملہ ہو رہا تھا، اس وقت کرنسی کی حقیقی قیمت کیا تھی، اس کے حساب سے حق و دار کو حق ملے گا۔

افراطِ زر (Inflation)

اس میں ہم سب سے پہلے معاشی نقطہ نظر سے افراطِ زر اور تفریطِ زر کے معنی، اقسام، وجوہات اور اثرات کا خلاصہ بیان کریں گے، اس کے بعد شرعی نقطہ نظر سے اس پر کلام کریں گے۔

افراطِ زر کے معنی

افراطِ زر کے کسی قطعی اور صحیح مفہوم کے بارے میں شروع سے ہی معیشت دانوں میں شدید اختلاف رائے پایا جاتا ہے، اسے نیوکلاسیکل معیشت دانوں نے پہلی بار متعارف کرایا، ان کے خیال میں افراطِ زر سے مراد ایسی صورت حال ہے کہ جس میں:-
”ذَرِّکی مقدار میں حد سے زیادہ اضافہ ہونے کے نتیجے میں اشیاء میں تیزی سے اضافہ ہونے لگتا ہے۔“

دو بار حاضر کے معیشت دان افراطِ زر کو محض ذَرِّکی رسد میں اضافے کا سبب قرار نہیں دیتے، بلکہ اسے متعدد وجوہات میں سے ایک اہم ترین وجہ تصور کرتے ہیں، بعض حضرات افراطِ زر کی تعریف یوں کرتے ہیں:-

”قیمتوں کی سطح میں مستقل اور مسلسل اضافے کا نام افراطِ زر

ہے“ (۱)

(۱) تعارفِ ذَرِّکَا تَحْقِیْقِی ص: ۸۳

The Theory of Money and Credit:

"An increase in the quantity of money that is not offset by a corresponding increase in the need for money, so that a fall in the objective exchange value of money must occur." P: 272

اس تعریف میں ”ڈرک کی قدر میں اضافہ“ کی قید نہیں۔

افراط ڈرک کی خصوصیات (Chracteristics)

افراط ڈرک کی تین خصوصیات ہیں، جن پر سارے معیشت دان متفق ہیں:-

- ۱- قیمتوں میں اضافہ: افراط ڈرک کے نتیجے میں قیمتوں میں لازماً اضافہ ہوتا ہے۔
- ۲- ڈرک کی رسد میں اضافہ: جب قومی وسائل حکومت کی مالیاتی ضروریات پوری کرنے سے قاصر رہتے ہیں، تو وہ بینکوں یا دوسرے مالیاتی اداروں اور عوام سے سرکاری کفالتوں یا بانڈز کی ضمانت پر قرضے حاصل کر کے اپنا کام چلاتی ہے، حکومت کے اس اقدام سے ڈرک اعتباری (Credit Money) میں اضافہ ہو جاتا ہے۔
- ۳- اپنی تقویت کا خود باعث بننا: افراط ڈرک کا چکر جب ایک دفعہ شروع ہو جاتا ہے، تو پھر یہ خود بخود مضبوط سے مضبوط تر اور شدید سے شدید تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

افراط ڈرک کی چند مشہور قسمیں

اپنی شدت اور کمی کے لحاظ سے افراط ڈرک کی متعدد قسمیں ہیں، جن میں بعض مشہور قسمیں درج ذیل ہیں:-

- ۱- رینگتا ہوا افراط ڈرک (Creeping Inf): یہ اپنے اثرات کے لحاظ سے افراط ڈرک کی سب سے سست رفتار قسم ہے، اس لئے معیشت کے لئے زیادہ خطرناک تصور نہیں کیا جاتا، عموماً ۳٪ سالانہ کے حساب سے قیمتوں میں مسلسل اضافے کو رینگتے ہوئے افراط ڈرک سے موسوم کیا جاتا ہے۔

- ۲- اچھلتا ہوا افراط ڈرک (Trotting Inf): یہ افراط ڈرک پہلی قسم کی نسبت سے زیادہ تیز رفتار ہوتا ہے، عموماً ۳٪ سے ۶٪ سالانہ اضافے کو اچھلتا ہوا افراط ڈرک کہتے ہیں۔

- ۳- تیز رفتار افراط ڈرک (Running Inf): قیمتوں میں ۱۰٪ سالانہ اضافے کو کہتے ہیں۔

۴- شدید افراطِ زر (Hyper Inf): اس میں ہر ماہ قیمتوں میں ۲۰٪ تا ۳۰٪ کے حساب سے اضافہ ہوتا ہے۔

۵- رکودی افراطِ زر (Stagflation): جب معیشت گرم بازاری کے بعد مراجعت (Recession) اور افراطِ زر کے اثرات سے بیک وقت دوچار ہوتی ہے، تو یہ حالت رکودی افراطِ زر کی ہوتی ہے، اس میں ایک طرف پیداوار میں جمود کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، اور دوسری طرف قیمتوں میں اضافہ شروع ہو جاتا ہے، اپنے اثرات کے لحاظ سے یہ سب سے خطرناک قسم ہے۔

قدرِ زر میں تغیرات پیدا کرنے والے عوامل

عام طور پر یہ تصور کیا جاتا ہے کہ زر کی قدر میں تبدیلی زر کی پیداوار میں اضافے یا کمی کی وجہ سے ہوتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ زر کی قدر میں تبدیلی کئی اسباب کی بناء پر ہوتی ہے، جنہیں ہم یہاں اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں:-

۱- زر کی مقدار: اگر زر کی مقدار بڑھ جائے، تو اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے، اور کرنسی کی قیمت گھٹ جاتی ہے۔

۲- پیداوار کی مقدار: اگر ملک میں زرعی اور صنعتی اشیاء کی مقدار بڑھ جائے، تو قیمتیں گر جاتی ہیں، اور زر کی قدر بڑھ جاتی ہے، اس کے برعکس اگر اشیاء کی مقدار کم ہو جائے، تو اشیاء کی قیمتیں چڑھ جاتی ہیں، اور زر کی قیمت گھٹ جاتی ہے۔

۳- زر کی گردش کی رفتار: اگر زر کی گردش کی رفتار تیز ہو جائے، تو زر کی اکائی پہلے سے زیادہ مرتبہ اشیاء خریدنے کے لئے استعمال ہو، تو قیمتیں چڑھ جاتی ہیں، اور زر کی قدر کم ہو جاتی ہے، اس کے برعکس جب سرمد بازاری کے دوران زر کی گردش کی رفتار سست پڑ جاتی ہے، تو قیمتیں گر جاتی ہیں، اور زر کی قدر گھٹ جاتی ہے، کیونکہ لوگ روپیہ خرچ کرنے

کی بجائے اپنے پاس رکھنا پسند کرتے ہیں۔

۴- آبادی کی تعداد: اگر آبادی بڑھ جاتی ہے، لیکن اشیاء کی پیداوار جوں کی توں رہے، تو طلب بڑھ جاتی ہے، اور اس کے نتیجے میں قیمتیں بڑھ جاتی ہیں، اور زر کی قدر کم ہو جاتی ہے۔

۵- طلب میں کمی بیشی: بعض اوقات غیر متوقع ناگہاں مثلاً جنگ کے باعث اشیاء کی مانگ بڑھ جاتی ہے، اور قیمتوں کی سطح بلند ہو جاتی ہے، اور زر کی قیمت گھٹ جاتی ہے۔

۶- سرکاری بجٹ: اگر کسی سال حکومت کی متوقع آمدنی اس کے اخراجات سے کم ہو، تو مرکزی بینک سے قرض لے کر اس کی کوپرا کرتی ہے، جس کے باعث افراط زر رونما ہو جاتا ہے، اور اشیاء کی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں۔

۷- بیرونی تجارت: اگر کسی ملک کی بیرونی ادائیگیوں کا توازن خراب ہو جائے، یعنی اس نے اشیاء برآمد کم کی ہوں، اور درآمد زیادہ کی ہوں، تو اس کی کرنسی کی بیرونی قدر کم ہو جاتی ہے، باہر سے آنے والی اشیاء کی قیمت بڑھ جاتی ہے، اور یوں ملک کے اندر بھی زر کی قیمت گھٹ جاتی ہے۔

۸- محصولات: اگر حکومت درآمد ہونے والی اشیاء پر بھاری محصول لگائے، تو ان اشیاء کی قیمت بڑھ جاتی ہے، اور زر کی قدر گھٹ جاتی ہے۔^(۱)

تفريط زر (Deflation)

تفريط زر، افراط زر کے برعکس صورت کا نام ہے، اس میں قیمتیں گر رہی ہوتی ہیں، اور زر کی قدر بڑھ رہی ہوتی ہے۔

تفريط زر کا رجحان اس وقت پیدا ہوتا ہے، جب زر کی رسد میں کمی کی وجہ سے

اشیاء و خدمات کی پیداوار کے مقابلے میں قیمتوں میں زیادہ کمی ہو رہی ہوتی ہے۔^(۱)

قدرِ زر کے تغیرات کے اثرات اور نتائج

ذَر کی قدر کم یا زیادہ ہونے سے تمام طبقہ ہائے زندگی متاثر ہوتے ہیں، لیکن سب پر ایک جیسا اثر مرتب نہیں ہوتا، بلکہ کسی طبقے پر اچھا اثر مرتب ہوتا ہے، اور کسی طبقے پر بُرا اثر مرتب ہوتا ہے، ذیل میں اس مسئلے کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے:-

مختلف قرضوں پر اس کا اثر: افراطِ زر سے متاثر ہونے والے طبقہ قرضہ دہندگان (Creditors) ہیں، یعنی وہ لوگ ہیں، جو قرضہ دیتے ہیں، چنانچہ جب افراطِ زر ہوتا ہے، یعنی قیمتیں چڑھ جاتی ہیں، تو ان لوگوں کو نقصان ہوتا ہے، جنہوں نے قرض دے رکھا ہو، کیونکہ انہیں اپنا قرض واپس ملتا ہے، تو اس کی قدر پہلے سے گر چکی ہوتی ہے، مثلاً اگر زید نے عمر کو ۸۸ء میں ایک لاکھ روپے بطور قرض دیئے ہوں، اور ۲۰۰۲ء میں واپس کر رہا ہے، تو ۸۸ء میں ایک لاکھ روپے کی قوت خرید ۲۰۰۲ء کی قوت خرید سے یقیناً زیادہ ہوگی، جتنا سامان ایک لاکھ روپے میں ۸۸ء میں آسکتا تھا، وہ ۲۰۰۲ء میں نہیں آسکتا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ذَر (Creditor) خسارے میں مبتلا ہو گیا۔

اور اس کے برعکس تفریطِ زر کی حالت میں زید کا فائدہ ہوگا، کیونکہ ایک لاکھ روپے کی قیمت خرید میں اضافہ ہوا ہوگا۔

مزدوروں کی اجرتوں پر اس کا اثر: افراطِ زر سے متاثر ہونے والے دوسرے طبقہ مختلف فیکٹریوں کے مزدور لوگ ہیں، افراطِ زر کے نتیجے میں جب قیمتیں بڑھ جاتی ہیں، اور ان کو اجرت وہی ملتی ہو، جو پہلے سے چلی آرہی ہے، تو اس سے ان لوگوں کو یقیناً نقصان ہوگا۔

ان مسئلوں کا تعلق حقوق و واجبات سے ہے، اس لئے کہ قرض/ذین (Debt)

(۱) تعارفِ زر و بیکاری، اور Ludwig Von Mises کہتے ہیں:

"Deflation signifies a diminution of the quantity of money which is not offset by a corresponding diminution of the demand for money, so that an increase in the objective exchange value of money must occur". P:272

صاحب قرض کا حق ہے، جسے مقرض پر واپس کرنا واجب ہے، اسی طرح اجرت مزدور اور ملازم کا حق ہے، جسے ادا کرنا آجر پر واجب ہے، اس وجہ سے ان دو مسئلوں کو ذکر کرنے میں مقدم کیا، اور ان کو نمایاں کیا، نیز آگے جو ہم ”اشاریہ“ یا ”Index“ نمبر بیان کریں گے، اس کا تعلق ان مسئلوں یعنی قرض اور اجرت سے ہے۔

اس کے علاوہ قدر زر میں تغیرات کے اور بھی اثرات ہیں، مثلاً کسان طبقے پر اس کا اثر اور تاجر و صنعت کار پر اس کا اثر، اشیاء کی پیداوار پر اس کا اثر، تقسیم دولت پر اس کے اثرات اور سرمایہ کاری اور روزگار پر اس کے اثرات۔

کسان اور تاجر پر افراط زر کے اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں، کیونکہ ان کی پیداوار کی قیمت بڑھ جاتی ہے، اور ان کی آمدنی میں اضافہ ہو جاتا ہے، اسی طرح افراط زر کے نتیجے میں زرعی و صنعتی اشیاء کی پیداوار بڑھ جاتی ہے، اور نئی سے نئی اشیاء مارکیٹ میں دستیاب ہو جاتی ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ افراط زر کا کسان، تاجر اور صنعت کار اور اشیاء پیداوار پر خوشگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں، اسی طرح سرمایہ کاری اور روزگار پر بھی افراط زر کے اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں، کیونکہ جب اشیاء کی قیمتیں بڑھیں گی، تو نئے کارخانے کھلیں گے، لوگ کاروبار اور تجارت میں دلچسپی لیں گے، اور اس طرح سرمایہ کاری میں اضافہ ہوگا، اور بے روزگاری میں کمی آئے گی، جبکہ تقسیم دولت پر افراط زر کے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں، اور تقسیم دولت میں افراط زر سے بے اعتدالی پیدا ہو جاتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ افراط زر سے قرض خواہ، مزدور اور تقسیم دولت پر بُرے اثرات مرتب ہوتے ہیں، جبکہ کسان، تاجر، صنعت کار، اشیاء کی پیداوار، سرمایہ کاری اور روزگار پر اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

افراط اور تفریط زر سے متعلق شرعی نقطہ نظر

عربی میں افراط زر کو ”مغص“ یا ”تضخم“ کہتے ہیں، اور تفریط زر کو ”غلاء“ یا

”انکماش“ کہتے ہیں، رخص اور غلاء قدیم الفاظ ہیں، جو کتب فقہ میں مذکور ہیں، اور تضخم و انکماش جدید الفاظ ہیں، جو کتب جدیدہ میں مذکور ہیں۔

”رخص“ کے معنی سستا ہونے کے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ذر سستا ہو گیا، یعنی قدر گھٹ گئی، اور یہی افراط ہے، اور ”غلاء“ کے معنی مہنگا ہونے کے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ذر مہنگا ہو گیا، یعنی قدر بڑھ گئی، اور یہی تفریط ہے۔

”تضخم“ کے معنی بڑھنے کے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ذر کی مقدار بڑھ گئی، اور یہی افراط ہے، اور ”انکماش“ کے معنی سکڑنے کے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ذر کی مقدار سکڑ گئی، اور یہی تفریط ہے، ذر کے مہنگے اور سستے ہونے کے بارے میں فقہائے امت کے دو قول مشہور ہیں، ایک قول جمہور علماء کا ہے، اور دوسرا قول امام ابو یوسف کا ہے۔

قول جمہور

مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور امام ابو حنیفہ کا مذہب اس سلسلے میں یہ ہے کہ ذر مہنگا ہو یا سستا ہو، دین دار کے ذمہ وہی نقد واجب ہوگا، جو بوقت معاملہ اس کے ذمہ واجب ہو چکا تھا، اس کی قیمت کا اعتبار نہیں ہوگا، اس کا حاصل یہ ہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک ”رخص و غلاء“ کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں، اور اس سے قرض یا دین یا اجرت میں کوئی فرق نہیں پڑے گا، اگر عقد کے وقت فلوس کی قیمت ایک ہزار درہم تھے، اور بعد میں ان کی قیمت سو رہ گئی، یا بوقت عقد فلوس کی قیمت ایک سو درہم تھی، اور بعد میں ان کی قیمت ایک ہزار ہو گئی، دونوں صورتوں میں وہی فلوس ادا کرنے ہوں گے، جو دین دار کے ذمہ واجب تھے، سو ہونے یا ایک ہزار ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔

شرح الزرقانی میں ہے:-

”وان بطلت فلوس ترتبت لشخص علی آخر ای قطع

التعامل بها بالکلیۃ واولی تغییرها بزیادۃ او نقص مع بقاء

عینہا، فالمثل علی من ترتبت فی ذمته قبل قطع التعامل بها او التغیر، ولو كانت حین العقد مائة درهم، ثم صارت الفاہہ کما فی المدونة ای او عکسہ لانہا من المثلیات“
 ”اور اگر وہ فلوں جو کسی کے کسی کے ذمہ واجب تھے، متروک التعامل ہو گئے، اور اس حکم میں فلوں کا زیادت یا نقصان کے ساتھ متغیر ہونا بطریق اذلی شامل ہے، تو اس صورت میں ذین دار پر مثل واجب ہے، اگرچہ عقد کے وقت فلوں سو درہم کے برابر تھے، اور پھر ایک ہزار ہو گئے، یا اس کا برعکس، کیونکہ فلوں مثلیات میں سے ہیں۔“^(۱)
 حاشیہ دسوقی میں ہے:-

”اذا بطلت فلوں ترتبت لشخص علی غیرہ بقرض او بیع او نکاح او كانت عنده ودية وتصرف فيها، وكذا لو دفعها لمن يعمل بها قراضا، فالواجب المثل علی من ترتبت فی ذمته، ولو كانت الفلوں حین العقد مائة بدرهم ثم صارت الفاہہ۔“

”جب وہ فلوں باطل ہو جائیں، جو کسی شخص کے دوسرے کے ذمہ واجب تھے، خواہ قرض کے طریقے سے یا بیع یا نکاح کے طریقے سے، یا اس کے پاس ودیعت کے طور پر رکھے ہوئے تھے، اور اس نے ان میں تصرف کیا، اسی طرح اگر اس کو مضاربہ کے طور پر دیئے تھے، تو ان تمام صورتوں میں ذین دار کے ذمہ مثل واپس کرنا ضروری ہے، اگرچہ فلوں عقد کے وقت ایک درہم کے بدلے سو تھے، اور بعد میں ایک ہزار ہو گئے۔“^(۲)

(۱) شرح الزرقانی (۲۰/۵)

(۲) حاشیة الدسوقی (۳۵/۳) بتصرف پیسر

منہج الجلیل میں ہے:-

”ان اقرضته دراهم فلوسا، وهو يومئذ مائة فلس بدرهم ثم صارت مائتي فلس بدرهم فانما ير دعليك مثل ماخذ لا غير ذلك۔“

”اگر آپ نے اس کو ذرا ہم فلوس کی شکل میں قرض دیئے، اور اس دن صورت حال یہ ہو کہ ایک درہم کے سو فلوس بنتے تھے، پھر صورت حال بدل گئی، اور اب ایک درہم کے بدلے میں دو سو فلوس آتے ہیں، تو وہ آپ کو وہی فلوس دے گا، جو اس نے لئے تھے، ان کے علاوہ کچھ واجب نہیں۔“^(۱)

المعیار میں ہے:-

”سئل سعيد بن لپ عن رجل باع سلعة بالناقص المتقدم بالتحويل فتاخر الثمن الى ان تحول العرف وكان ذلك على جهة فبايهما يقضى له؟ وعن رجل آخر باع بالدرهم المغلس فتاخر الثمن الى ان تبدل فبايهما يقضى له؟ فاجاب: لا يجب قبل المشتري الا ما انعقد البيع في وقته لئلا يظلم المشتري بالزامه ما لم يدخل عليه في عقده۔“^(۲)

اس عبارت کا حاصل بھی وہی ہے، جو دوسری عبارات میں ذکر ہوا، اور وہ یہ کہ تغیر زر کی صورت میں وہی زر واجب ہوگا، اس کی قیمت واجب نہیں ہوگی۔

علامی سیوطی فرماتے ہیں:-

(۱) منہج الجلیل (۲/۵۳۵)

(۲) المعیار المعرب (۶/۳۶۲)

ان باء برطل فلوساً فهذا ليس له الارطل زاد سعراً ام نقص۔۔۔۔۔ فان باء بالف فلوساً او فضة او ذهباً ثم يتغير السعر فظاهر عبارة الروضة المذكورة ان ليس له الا ما يسمى الفاعند البيع ولا عبرة بما طرا۔

”ایک رطل کے عوض میں فلوس بیچے، تو اس کو ایک ہی رطل ملے گا، اس کی قیمت زیادہ ہو جائے، یا کم ہو جائے..... لہذا ایک ہزار کے بدلے میں اگر کسی نے فلوس یا سونا یا چاندی بیچی، اور پھر قیمت بدل گئی، تو اس صورت میں ”الروضة“ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو وہی ملے گا، جس کو بیع کے وقت ”ہزار“ کہا جاتا تھا، اور جو تغیر پیش آیا ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں۔“ (۱)

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں:-

”ویرد وجوباً حیث لا استبدال المثل فی المثل لانه اقرب

الی حقہ“

”مثلی میں مثلی واپس کرنا ضروری ہے، کیونکہ مثلی میں مثلی کو قیمت کے ساتھ تبدیل کرنا جائز نہیں، اور یہ حق دار کے حق کے زیادہ قریب ہے۔“ (۲)

علامہ قدامہ فرماتے ہیں:-

”واما رخص السعر فلا یمنع سواء کان قليلاً او کثیراً لانه

لم یحدث فیها شئی انما تغیر السعر، فاشبه الحنطة اذا

رخصت او غلت“

(۱) الحاوی للفتاوی (۱/۹۷)

(۲) تحفة المحتاج (۵/۴۴)

”جہاں تک قیمت کا گھٹنا ہے، تو یہ مانع نہیں، خواہ یہ کمی زیادہ ہو، یا کم ہو، کیونکہ اس میں کوئی نئی بات پیدا نہیں ہوئی، صرف ریٹ بدل گیا، تو یہ ایسا ہوا جیسا کہ گندم کی قیمت گھٹ جائے، یا بڑھ جائے۔“^(۱)

شرح الجملہ میں ہے:-

”استقرض من الفلوس الرائجة والعدالی ای الدھم الغالب غشها فکسدت فعلیه مثلها کاسدة ولا یغرم قیمتھا، وکذا کل ما یکال ویوزن لما مر انه مضمون بمثله فلا عبرة بکساد وغلاء و رخصه، وهذا عند ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ“

”کسی نے فلوس رائجہ یا عدالی میں سے قرض لیا، پھر کساد واقع ہوا، تو مستقرض کے ذمہ مثل ہی واپس کرنا ضروری ہے، اگرچہ وہ مثل کا سد ہی کیوں نہ ہو، اور وہ قیمت کا ذمہ دار نہیں، اور یہی حکم ہر اس چیز کا ہے، جس کو ناپا جاتا ہو، یا وزن کیا جاتا ہو، کیونکہ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ اس کا ضمان مثل کے ساتھ واجب ہے، لہذا کساد یا ریٹ بڑھنے یا گھٹنے کا کوئی اعتبار نہیں، اور یہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے۔“^(۲)

امام ابو یوسفؒ کا مذہب

امام ابو یوسفؒ کا مذہب اس سلسلے میں یہ ہے کہ زر کے مہنگا ہونے یا سستا ہونے کی صورت میں قیمت ادا کرنا واجب ہے، حضرات حنفیہؒ کے ہاں فتویٰ اور عمل اسی قول پر

(۱) المغنی لابن قدامہ (۳۴۲/۶)

(۲) شرح المجملہ للاتاسی (۳۳۸/۲)

ہے، اگر قرض ہو، تو قرض میں یوم القبض کی قیمت کا اعتبار ہے، اور اگر بیع ہو، تو بیع میں یوم العقد کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔

چنانچہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:-

”اذا غلت الفلوس قبل القبض او رخصت، قال ابو يوسف :

قولی وقول ابی حنیفة فی ذلك سواء، وليس له غیر هاتم

رجع ابو یوسف وقال: علیه قیمتھا من الدھم یوم وقع

البیع ای فی صورة البیع ویوم وقع القرض ای فی صورة

القرض، وبہ علم ان فی الرخص والغلاء قولان، الاول:

لیس له غیرھا، والثانی: قیمتھا یوم البیع وعلیہ الفتویٰ

”جب سے پہلے فلوس مہنگے ہو گئے، یا سستے ہو گئے، تو امام ابو یوسفؒ

نے فرمایا کہ اس میں میرا اور امام ابو حنیفہؒ کا قول ایک ہے، اور یہ کہ

اس کو یہی فلوس ملیں گے، لیکن بعد میں امام ابو یوسفؒ نے رجوع

فرمایا، اور فرمایا کہ اس پر ذرا ہم کی شکل میں ان کی قیمت واجب

ہوگی، اور اس قیمت میں یوم البیع کا اعتبار ہوگا، اگر بیع ہو، اور یوم

القبض کی قیمت کا اعتبار ہوگا، اگر معاملہ قرض کا ہو، اس سے معلوم ہوا

کہ رخص اور غلاء میں دو قول ہیں، پہلا قول یہ کہ مثل واجب ہے، اور

دوسرا قول یہ ہے کہ یوم البیع کی قیمت واجب ہے، اور اسی پر فتویٰ

ہے،“ (۱)

اور علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:-

”اذا غلت قيمة الفلوس او انتقصت، فالبيع علی حاله

ولا یتخیر المشتري، ویطالب بالنقد بذلک العین الذی

كان وقت البيع، كذا في فتح القدير، وفي البزازية عن
الملتقى: غلت الفلوس اور غصت فعند الامام الاول
والثاني اولا: ليس عليه غيرها، وقال الثاني ثانيا: عليه
قيمتها من الداهم يوم البيع والقبض وعليه الفتوى،
وهكذا في الذخيرة والخلاصة بلعزو الى الملتقى،
وقد نقله شيخنا في بحره وقره فحيث صرح بان الفتوى
عليه في كثير من المعتمرات فيجب ان يعول عليه افتاء
وقضاء الفقهاء

”جب فلوس کی قیمت بڑھ جائے، یا گھٹ جائے، تو بیع اپنے حال
پر برقرار رہے گی، اور مشتری کو فتح کا اختیار بھی نہیں رہے گا، اور
مشتری سے اس زکاء مطالبہ کیا جائے گا، جو بیع کے وقت تھا، اسی
طرح فتح القدير میں بھی مذکور ہے، اور بزاز یہ میں المشتقی کے حوالے
سے لکھا ہے کہ فلوس کی قیمت بڑھ گئی، یا گھٹ گئی، تو امام اول اور
امام ثانی کے نزدیک پہلے یہ مسئلہ تھا کہ مشتری کے ذمہ ان متغیرہ
فلوس کے علاوہ مزید کچھ واجب نہیں، اور امام ثانی (امام
ابو یوسفؒ) نے بعد میں کہا کہ اس پر ذرا ہم کی شکل میں ان فلوس کی
قیمت واجب ہوگی، اور اسی پر فتویٰ ہے، اسی طرح ذخیرہ اور خلاصہ
میں مشتقی کے حوالے سے ہے، اور اس کو ہمارے شیخ نے اپنے بحر
میں نقل کیا ہے، اور یہ تصریح فرمائی ہے کہ بہت ساری مستند کتابوں
میں اسی پر فتویٰ نقل کیا گیا ہے، لہذا اسی پر فتویٰ میں بھی اور قضاء میں
بھی اعتماد کرنا چاہئے۔“^(۱)

العقود الدریہ میں ہے کہ:-

”وان رخصت او غلت فقیل : لبس للبائع غیرها، ای یجب علی المشتري رد المثل، وقيل : تجب قيمتها يوم البيع او يوم القبض في صورة القرض، وعليه الفتوى“
 ”اور اگر فلس سستے ہو گئے یا مہنگے ہو گئے، تو ایک قول یہ ہے کہ بائع کو یہی فلس ملیں گے، یعنی مشتری مثل واپس کرنا واجب ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ بیع میں یوم البیع اور قرض میں یوم القبض کی قیمت ادا کرنا واجب ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے“^(۱)

علامہ ابن عابدینؒ نے اس بات پر علامہ غزیؒ کی کاجزم ذکر فرمایا ہے کہ اس سلسلے میں فتویٰ امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:-

”وقد تبعت كثيرا من المعتمرات من كتب مشايخنا المعتمدة فلم ار من جعل الفتوى على قول ابي حنيفة رضي الله عنه، بل قالوا: به كان يفتي القاضي الامام، واما قول ابي يوسف فقد جعلوا الفتوى عليه في كثير من المعتمرات فليكن المعول عليه“

”میں نے (علامہ غزیؒ نے) اپنے مشائخؒ کی بہت ساری معتمد کتابوں کا مطالعہ کیا، تو میں کسی کو نہیں دیکھا جس نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول پر فتویٰ دیا ہو، البتہ ان کے قول کے مطابق قاضی امام فتویٰ دیا کرتے تھے، جہاں تک امام ابو یوسفؒ کے قول کا تعلق ہے، تو اس کے مطابق بہت ساری معتبر کتابوں میں فتویٰ دیا گیا ہے، لہذا اسی پر اعتماد کرنا چاہئے۔“^(۲)

(۱) العقود الدریة (ص ۲۸۰)۔

(۲) تنبیہ الرقود (۲/۲۵)۔

فائدہ

یاد رکھنا چاہئے کہ کساد، غلاء اور رخص کے ان احکام اور تفصیلات کا تعلق ثمنِ خلقی سے نہیں، بلکہ صرف ثمنِ عرفی سے ہے، کیونکہ ثمنِ خلقی مثلاً سونا یا چاندی کی ثمنیت کبھی بھی باطل نہیں ہوتی، تو اس میں کساد کا تصور نہیں، اسی طرح غلاء یا رخص سے اس میں زیادہ تغیر واقع نہیں ہوتا، جس سے عائدین کو نقصان یا ضرر پہنچ جائے، تو یہاں اس قسم کی تفصیل کی ضرورت نہیں، اور سونے چاندی میں مثل ہی واپس کرنا ضروری ہے، اور کسی کے نزدیک بھی قیمت کا اعتبار نہیں، بخلاف ثمنِ اصطلاحی اور عرفی کے، کہ اس میں کساد بھی مؤثر ہوتا ہے، جس کی وجہ بالکل واضح ہے، اسی طرح غلاء اور رخص سے اس میں کافی تغیر واقع ہو سکتا ہے، جس سے عائدین کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ رہتا ہے، اس لئے عائدین کو نقصان سے بچانے کے لئے امام ابو یوسفؒ نے مذکورہ قول اختیار کیا، اور حنفیہ نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا، کیونکہ یہ قول مزاجِ شریعت کے زیادہ قریب ہے، اور وہ یہ کہ حق دار کا حق محفوظ رہے، اور اس کو ضرر لاحق نہ ہو۔

حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول کا صحیح محمل

یہاں یہ بات سمجھنی نہایت ضروری ہے کہ غلاء اور رخص کے سلسلے میں حنفیہ کے ہاں مفتیؒ یہ قول امام ابو یوسفؒ کا ہے، کہ فلوس ستے ہونے یا مہنگے ہونے کی صورت میں ان کے نزدیک مثل واپس کرنا ضروری نہیں، بلکہ قیمت واپس کرنا ضروری ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے فلوس میں غلاء اور رخص کا اعتبار کیا، تو کیا غلاء اور رخص کا اعتبار موجودہ کرنی نوٹوں میں بھی ہوگا، اور کرنسی نوٹوں میں بھی امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق انفراف اور تفریط زر کی صورت میں قیمت کا اعتبار ہوگا؟ اگر جواب ”ہاں“ میں ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر کسی شخص نے دوسرے کو قرض دیا تھا، یا اس کے ذمہ اس کا ذین تھا، اور بعد میں انفراف زر کے نتیجے میں کرنسی نوٹ کی قدر گر گئی، جیسا کہ اکثر ہوتا رہتا ہے، تو اب حق دار کو کچھ

مزید دیدے، تاکہ افراطِ ذر کے نتیجے میں جو کمی واقع ہوئی ہے، وہ پوری ہو جائے، جیسا کہ ربا جائز سمجھنے والے کہتے ہیں، اور یہ ان کی مستقل ایک دلیل ہے، اس طرح ربا کا دروازہ کھل جائے گا، اور اگر جواب ”نہیں“ میں ہے، تو پھر فلوس اور کرنسی نوٹوں میں فرق بیان کرنا ضروری ہوگا۔

اس کا جواب ”نہیں“ میں ہے، اور اُس زمانے کے فلوس اور موجودہ کرنسی نوٹوں میں فرق ہے، کرنسی نوٹ فلوس کی طرح نہیں ہیں، لہذا فلوس میں امام ابو یوسفؒ کے قول کو اختیار کرنے سے اور اس پر فتویٰ دینے دے لازم نہیں آتا کہ یہی معاملہ موجودہ کرنسی نوٹوں کے ساتھ بھی ہو، وجہ اس کی یہ ہے کہ اُس زمانے میں فلوس سونے اور چاندی کے ساتھ مربوط تھے، اور سونے چاندی کی بنیاد پر ہی ان کی قیمت مقرر ہوتی تھی، اور فلوس سونے چاندی کے لئے بطور ریز گاری استعمال ہوتے تھے، مثلاً:-

۱۰ فلس = درہم

یعنی ایک فلس درہم کا دسواں حصہ (۱/۱۰) ہو گیا، لیکن ایک فلس کی یہ قیمت اس کی ذاتی قیمت کی بنیاد پر مقرر نہیں ہوتی تھی، بلکہ یہ ایک ایسی علامتی قیمت ہوتی تھی، جس کو لوگوں نے اصطلاح بنایا تھا، اس لئے یہ ممکن تھا کہ لوگ اس اصطلاح کو تبدیل کر دیں کہ اب:-

۲۰ فلس = درہم

یعنی ایک فلس درہم کا بیسواں حصہ (۱/۲۰) ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ فلوس سستے ہو گئے اور فلوس کی قیمت و قدر کم ہو گئی، اور یہ بھی ممکن تھا کہ لوگ یہ اصطلاح مقرر کر دیں کہ اب:-

۵ فلس = درہم

ہو گیا، یعنی ایک فلس درہم کا پانچواں حصہ (۱/۵) ہو گیا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ فلوس کی قدر بڑھ گئی۔

مندرجہ بالا اصول کے مطابق اگر فلوس کی قیمت میں اتار چڑھاؤ آجائے، تو کیا مقروض یا مدیون پر وہی پُرانے سکے واپس کرنا واجب ہوں گے، یا اب ان کی قیمت کا اعتبار

ہوگا، اس میں ذکر کردہ اختلاف ہو گیا، اور حنفیہ نے امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتویٰ دے دیا، لہذا ان کے قول کے مطابق اگر کسی شخص نے ایک سو فلوس قرض لئے تھے، اور پھر ایک فلس درہم کا بیسواں حصہ ہو گیا، تو اب وہ دو سو فلوس واپس کرے گا، اس لئے کہ اس نے حقیقت میں دس درہم کی ریز گاری قرض لی تھی، اور اب ادائیگی کے روز دس درہم کی ریز گاری دو سو فلوس ہو گئی، اس لئے قرض دار پر دو سو فلوس ادا کرنا واجب ہو گئے۔

لیکن جہاں تک موجودہ کرنسی نوٹوں کا تعلق ہے، ان کا کسی دوسرے ٹمن کے ساتھ کوئی ربط اور تعلق نہیں ہے، اور نہ ہی یہ نوٹ کسی اور ٹمن کے لئے بطور ریز گاری اور اجزاء کے استعمال ہوتے ہیں، بلکہ وہ خود مستقل ٹمن ہیں، لہذا کرنسی نوٹوں کو فلوس پر قیاس کرنا درست نہیں، اس کے علاوہ فلوس کی صحیح قیمت معلوم کرنا ممکن تھا، کیونکہ وہ سونے یا چاندی کے ایک خاص معیار کے ساتھ مربوط تھے، بخلاف کرنسی نوٹوں کے کہ ان کا کوئی حقیقی معیار نہیں، بلکہ اس میں اشیاء کی قیمتوں کو دیکھ کر اندازہ اور تخمین سے کام لیا جاتا ہے، جس کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں۔

خلاصہ یہ کہ امام ابو یوسفؒ کے قول کا تعلق گزشتہ زمانے کے فلوس سے ہے، اور ان فلوس اور کرنسی نوٹوں میں فرق ہے، اس لئے اس حکم میں کرنسی نوٹ فلوس کی طرح نہیں ہوں گے، اور کرنسی نوٹ میں ”قیمت“ کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ ”مثل“ کا اعتبار ہوگا، جیسا کہ جمہور فقہائے کرام کا موقف ہے، لہذا امام ابو یوسفؒ کے قول کو بنیاد بنا کر کرنسی نوٹوں میں افراط زر کی بنیاد پر اضافے کو جائز قرار دینا درست نہیں۔^(۱)

قیمتوں کا اشاریہ (Price Index)

اس کو انڈیکس نمبرز (Index Numbers) بھی کہتے ہیں۔

عام اشیاء کی قدر زر کی مدد سے ماپی جاتی ہے، مثلاً: ہم کہتے ہیں کہ کرنسی کی قیمت

(۱) احکام الاوراق النقدية للعثماني (ص ۳۲)

_____ کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم

دو سو روپے ہے، اور مکان پانچ لاکھ روپے کا ہے، لیکن خود زر کی قیمت و قدر اشیاء کی قیمتوں کے معیار سے پرکھی جاتی ہے، مثلاً: ہم کہتے ہیں کہ دس سال قبل سو روپے کی قدر ایک من گندم کے برابر تھی، لیکن آج صرف دس کل کے برابر ہے، لہذا زر کی قدر اس وقت زیادہ تھی، جب بھی تو اس کے بدلے زیادہ چیزیں آئیں، اور اب کم ہو گئی، کیونکہ چیزیں کم ہو گئیں۔

اب زر کی پیمائش کس طرح ہوگی؟ اس کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ چند ایسی اشیاء جو کثیر الاستعمال ہوں، منتخب کی جاتی ہیں، اور ان کی (مختلف تاریخوں کے حساب سے) قیمتوں کا موازنہ (Comparison) کیا جاتا ہے، اس کو اشاریہ (Index) کہتے ہیں۔

”اشاریہ“ کا طریقہ اور اس کے مختلف مراحل

زیر بحث مسئلے کا شرعی حکم جاننے کے لئے قیمتوں کا اشاریہ وضع کرنے کا طریقہ اور کرنسی کی قیمت کی تعیین میں اس کے استعمال کو جاننا ضروری ہے، لہذا اقرضوں کا قیمتوں کے اشاریہ کے ساتھ تعلق کے سلسلے میں معاشین جو طریقہ اختیار کرتے ہیں، ذیل میں اس کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ کرنسی خواہ دھات کی ہو، یا کاغذ کی ہو، وہ بذات خود مقصود نہیں، بلکہ اس کرنسی کے ذریعے انسان اپنی ضروریات زندگی کی اشیاء و خدمات (Goods & Services) خریدتا ہے، اس لحاظ سے دیکھا جائے، تو ہر کرنسی کی دو قیمتیں ہوتی ہیں، ایک اس کی ظاہری قیمت (Face Value) اور دوسری اس کی حقیقی قیمت (Real Value)، ظاہری قیمت کرنسی کی وہ قیمت کہلاتی ہے، جو اس کے اوپر لکھی ہوئی ہوتی ہے، اور حقیقی قیمت اشیاء و خدمات کا وہ مجموعہ ہے، جو ایک انسان کے لئے اس کرنسی کے ذریعے خریدنا ممکن ہو،

آج کل معیشت دان اشیاء و خدمات کے اس مجموعے کو ”اشیاء کی نوکری“ (Basket of Goods) کہتے ہیں۔

مثلاً اگر زید کی ماہانہ تنخواہ دس ہزار روپے ہے، تو دس ہزار روپے اس کی ماہانہ آمدنی کی ظاہری قیمت ہے، پھر وہ یہ دس ہزار روپے مندرجہ ذیل اشیاء و خدمات میں صرف کرتا ہے:-

اشیاء و خدمات کی نوکری

(Basket of Goods
& Services)

گندم = ۴۰ کلو

کپڑا = ۲۰ میٹر

گوشت = ۲۰ کلو

دال = ۵ کلو

مکان کا کرایہ

دو بیٹوں کے تعلیمی اخراجات

طبی معائنے کی فیس

یہ اشیاء و خدمات کی نوکری ہے، اور یہ نوکری دس ہزار روپے کی حقیقی قیمت ہے۔ پھر اشیاء کی نوکری میں درج شدہ اشیاء سب ایک طرح اہمیت نہیں رکھتیں، بلکہ بعض چیزیں دوسرے کے مقابلے میں زیادہ اہمیت کی حامل ہیں، مثلاً گندم کپڑے کے مقابلے میں زیادہ اہم ہے، اور کپڑا چائے کے مقابلے میں زیادہ اہم ہے، اور اس میں شک نہیں کہ ہر انسان کی زندگی پر اہم اشیاء میں تبدیلی زیادہ اثر انداز ہوتی ہے، بہ نسبت ان کی اشیاء کی قیمتوں میں تبدیلی کے جو کم اہمیت رکھتی ہوں، لہذا اگر چائے کی قیمت زیادہ ہو جائے، تو اتنی مشکلات پیدا نہ ہوں گی جتنی گندم کی قیمت زیادہ ہونے سے پیدا ہوں گی،

لہذا کرنسی کی حقیقی قیمت میں تبدیلی کو اشیاء کی قیمتوں میں اوسط تبدیلی کے ذریعے معلوم کرنے کے لئے ماہرین معاشیات ہر چیز کی ایک خاص اہمیت فرض کرتے ہیں، پھر فرض کی ہوئی اہمیت کی بنیاد پر تمام اشیاء کے لئے علیحدہ علیحدہ نمبر مقرر کرتے ہیں، اس نمبر کو معیشت دان ”چیز کا وزن“ (Weight of Commodity) کہتے ہیں، اور اس طرح اشاریہ کو ”وزن دار اشاریہ“ (Weighted Index Number) کہتے ہیں۔

اور اگر اشاریہ میں تمام اشیاء کے ساتھ ایک جیسا معاملہ کیا جائے، اور ہر چیز کو ایک ہی وزن دیا جائے، تو اس اشاریہ کو ”سادہ اشاریہ“ (Simple Index Number) کہتے ہیں۔

اشاریہ بنانے میں مختلف مراحل ہوتے ہیں:-

- ۱- اہم اشیاء کا انتخاب کیا جاتا ہے۔
- ۲- ہر شے کو اس کی اہمیت کے پیش نظر ایک خاص وزن دیا جاتا ہے۔
- ۳- بنیادی سال کا انتخاب کیا جاتا ہے، یہ سال ایسا ہونا ضروری ہے جس میں معاشی اعتبار سے کوئی غیر معمولی واقعہ رونما نہ ہوا ہو، جس میں عام اشیاء کی قیمتیں نہ بہت کم ہوں، اور نہ بہت زیادہ ہوں، نہ یہ نقطہ کا سال ہو، نہ بہتات کا، نہ جنگ کا زمانہ ہو، نہ طویل امن کا، گویا کہ یہ سال نارمل ہو۔
- ۴- بنیادی سال کے مقابلے میں اس سال کا انتخاب کیا جاتا ہے، جس کی قیمتوں کے ساتھ بنیادی سال کی قیمتوں کا تقابل کیا جاتا ہے۔
- ۵- دونوں سالوں کے درمیان قیمت کی تبدیلی کا اوسط نکالا جاتا ہے۔
- ۶- اوسط تبدیلی کو اشیاء کے وزن سے ضرب دی جاتی ہے۔
- ۷- حاصل ضرب کو جمع کیا جاتا ہے، حاصل جمع دونوں سالوں کی قیمتوں کا فرق ہوتا ہے۔

درج ذیل نقشہ ملاحظہ ہوا

۱ اشیاء	۲ وزن	۳ ۱۹۸۰ء	۴ ۱۹۹۷ء	۵ تبدیلی اوسط	۶ نتیجہ ضرب
کھانا	۵۰%	۳۰ کلو = ۵۰ روپے	۳۰ کلو = ۱۰۰ روپے	$۲ = 100/50$	۱
کپڑا	۲۰%	۱۰ روپے میٹر	۳۰ روپے میٹر	$۳ = 30/10$	۶
مکان	۳۰%	۱۵۰۰ پاؤنڈ کرایہ	۱۵۰۰ روپے	$۳ = 1500/500$	۹
مجموعہ:					۲۰۵

وضاحت

کالم ۱:- انسان کی ضروریات میں سب سے اہم اشیاء کھانا، کپڑا اور مکان ہیں، اس لئے، ان تینوں کا انتخاب کیا گیا۔

کالم ۲:- اس کا مطلب یہ ہے کہ زید مثلاً اپنی تنخواہ کا پچاس فیصد کھانے میں، بیس فیصد کپڑے میں اور تیس فیصد رہائش میں صرف کرتا ہے۔

کالم ۳، ۴:- میں دو سال کی قیمتوں کا تقابل کیا گیا کہ مثلاً ۸۰ء میں تیس کلو گندم کی قیمت پچاس روپے تھی، اور ۹۷ء میں یہ قیمت بڑھ کر سو روپے ہو گئی۔

کالم ۵:- میں دونوں سال کی قیمتوں کی تبدیلی کا اوسط نکالا، جس کے لئے ۸۰ء کی قیمتوں کو ۹۷ء کی قیمتوں پر تقسیم کیا، یعنی: $۵۰/100 = ۲$ ، یہ اوسط تبدیلی ہے۔

کالم ۶:- اس میں اوسط تبدیلی کو اشیاء کے وزن کے ساتھ ضرب دیا، یعنی:

$$1 = 50/100 \times 2/1 = 50\% \times 2$$

مجموعہ: سے مراد یہ ہے کہ اوسط تبدیلی کو اشیاء کے وزن میں ضرب سے جو حاصل ضرب نکلا، اس کو جمع کیا، یعنی:-

$$۲۷۵ = ۰۷۹ + ۰۷۶ + ۱۷۰$$

”۲۷۵“ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اشیاء کی نوکری جس کو ایک شخص ۸۰ء میں سو روپے میں خرید سکتا تھا، وہ ۹۷ء میں انہی اشیاء کی نوکری کو دو سو پچاس روپے میں خرید سکے گا، کیونکہ کرنسی کی حقیقی قیمت میں ۲۵% کے تناسب سے کمی واقع ہوگئی۔

اگر ہم فرض کریں کہ ۸۰ء میں ایک شخص کی ماہانہ تنخواہ ۵۰۰۰ روپے تھی، اور ۹۷ء میں اس کی ماہانہ تنخواہ زیادہ ہو کر ۱۰۰۰۰ روپے ہوگئی، تو اس کی ماہانہ تنخواہ کی قیمت اور حیثیت کا حساب مندرجہ ذیل طریقے سے کیا جائے گا:-

سال	ظاہر قیمت	زیادتی کا تناسب	حقیقی قیمت	کیفیت
۱۹۸۰ء	۵۰۰۰	۰.۱	۵۰۰۰	۱x۵۰۰۰/۰
۱۹۹۷ء	۱۰۰۰۰	۵.۲	۲۰۰۰	۲x۱۰۰۰۰/۵

تو گویا کہ ۱۰۰۰۰ روپے ۴۰۰۰ روپے مساوی ہو گئے۔

لہذا اگر کسی نے ۸۰ء میں ۴۰۰۰ روپے قرض لئے تھے، تو اب ۹۷ء میں وہ ۱۰۰۰۰ روپے واپس کرے، بصورت دیگر حق دار پر ظلم ہوگا، اسی وجہ سے بعض معیشت دان کہتے ہیں کہ اس زمانے میں قرض / ذین کو اشاریہ کے ساتھ منسلک کرنا ضروری ہے، اور اس کے حساب سے قروض اور دیون کی ادائیگی کرنی چاہئے۔

کیا قرض اور اجرت کو اشاریہ کے ساتھ منسلک کیا جاسکتا ہے؟

(Indexation System)

حکم شرعی کے اعتبار سے قرض / ذین کا اشاریہ کے ساتھ مربوط کرنے اور اجرت کو اس کے ساتھ مربوط کرنے کا حکم الگ الگ ہے، قرض یا ذین کا اشاریہ کے ساتھ مربوط کرنے کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں ہے، البتہ اجرت میں کچھ تفصیل ہے، دونوں مسئلوں کا خلاصہ ذیل میں مذکور ہے۔

قرضوں کو اشاریہ کے ساتھ منسلک کرنا شرعاً کیسا ہے؟

اس سلسلے میں حق بات یہ ہے کہ قرضوں پر مذکورہ بالا زیادتی کو جائز کہنا اور اس کو عین انصاف قرار دینا شرعی قواعد کے مطابق نہیں، اس لئے کہ شریعت اسلامیہ میں قرضوں کو اسی مقدار کی مثل ادا کرنا واجب ہے، اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے، حتیٰ کہ جو لوگ قرضوں کی قیمتوں کے اشاریہ کے ساتھ تعلق کے جواز کے قائل ہیں، وہ بھی اس اصول کو مانتے ہیں، لہذا اب ”مثل“ کی تعیین کرنی ہے، کہ مثل سے کیا مراد ہے؟ کیونکہ مثل کی دو قسمیں ہیں: ایک مثل معنوی اور ایک مثل صوری، تو قرضوں کی واپسی میں جس مثل کا اعتبار ہے، اس سے مراد مثل صوری ہے، یا مثل معنوی ہے، مثل معنوی سے یہاں مراد قیمت ہے، اور مثل صوری کا مطلب یہ ہے کہ جتنی چیز گنتی کے حساب سے یا وزن کے حساب یا کیل کے حساب سے قرض لی ہے، اسی مقدار میں واپس کرے، خواہ اس کی قیمت کچھ بھی ہو۔

قرآن و سنت اور لوگوں کے معاملات کے مشاہدے سے جو بات صاف طور پر معلوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ ”مثل“ سے یہاں مراد مثل صوری ہی ہے، یعنی قیمت میں برابری ضروری ہے نہ کہ قیمت اور مالیت میں، چند دلائل ذیل میں مذکور ہیں:-

۱- اگر ایک شخص دوسرے سے ایک کلو گندم بطور قرض لے، اور قرض لیتے وقت ایک گندم کی قیمت پانچ روپے تھی، اور جب وہ قرض دار قرضہ واپس کرنے لگا، تو اس وقت ایک کلو گندم کی قیمت دو روپے ہو گئی تھی، تو اب بھی وہ صرف ایک کلو گندم واپس کرے گا، زیادہ نہیں، باوجود یہ کہ ایک کلو گندم کی قیمت پانچ روپے سے کم ہو کر دو روپے رہ گئی، اور اس مسئلے میں فقہائے متقدمین و متاخرین کا اجماع ہے، فقہاء میں سے کوئی بھی اس مسئلے میں یہ نہیں کہتا کہ اس صورت میں جب کہ گندم کی مالیت کم ہو گئی ہے صرف ایک کلو گندم واپس کرنا قرض خواہ پر ظلم ہے، اس لئے گندم کی قیمت میں جتنی کمی واقع ہوئی ہے، اسی نسبت سے اضافہ کر کے قرض خواہ کو واپس کرے، یعنی ایک کلو گندم کی بجائے اب قرض دار ڈھائی کلو

گندم واپس کرے، اس لئے کہ ڈھائی کلو گندم کی مالیت اب وہی ہے، جو قرض لیتے وقت ایک کلو گندم کی تھی۔

یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قرض میں جس ”مثلیت“ اور برابری کا اعتبار ہے، وہ مقدار اور کیفیت میں برابری ہے، قیمت اور مالیت میں برابری معتبر نہیں۔

۲۔ تمام فقہائے کرامؒ کے نزدیک یہ مُسَلَّم ہے کہ قرضوں کی واپسی میں برابری کی شرط صرف سود سے بچنے کے لئے ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مطلوبہ برابری کو رباً الفضل کی احادیث میں پوری تشریح کے ساتھ واضح فرما دیا ہے، چند احادیث مبارکہ بطور نمونہ ملاحظہ ہوں!

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ : قال : کنا نرزق تمر الجمع علی عهد رسول اللہ ﷺ، وهو الخلط من تمر فکنا نبیع صاعین بصاء، فبلغ ذلك رسول اللہ ﷺ فقال: لا صاعین تمرا بصاء، ولا صاعین حنطة بصاء ولا ذرهما بددرهمین۔

”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہمارے پاس ہر قسم کی ملی چلی کھجوریں آیا کرتی تھیں، ہم (گھٹیا کھجور کے) دو صاع (بڑھیا کھجور) کے ایک صاع کے بدلے میں بیچ دیتے تھے، جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی، تو آپ نے فرمایا کہ دو صاع کھجور کو ایک صاع کھجور کے بدلے میں مت بیچو، اور نہ دو صاع گندم ایک صاع گندم کے بدلے میں بیچو، اور ایک درہم دو درہم کے بدلے میں مت بیچو۔^(۱)

(۱) جامع الاصول، ابن الاثیر الجزری (الامام مجد الدین ابی السعادات المبارک بن محمد) المتوفی ۷۲۶ھ، حلوان، مکتبۃ الحلوانی، طبع ۱۳۸۹ھ (۱/۵۲۲)

اس حدیث مبارک سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیمت میں مظلیت اور برابری کا اعتبار نہیں کیا، بلکہ قیمت میں برابری اور مظلیت کا اعتبار کیا، کیونکہ یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھی کہ جو کھجور دو صاع کے بدلے میں بیچی جائے گی وہ اس کھجور کے مقابلے میں زیادہ قیمتی ہوگی، جو ایک صاع کے عوض بیچی جائے گی، لیکن اس کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس پر راضی نہیں ہوئے، بلکہ مقدار اور ناپ میں مماثلت اور برابری کا حکم دیا، اور قیمت کا اعتبار نہیں کیا۔

عن ابی سعید وابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما : ان رسول اللہ ﷺ استعمل رجلاً علی خیبر فجاءہم بتمر جنبی، فقال : اکل تمر خیبر ہکذا ؟ قال : انا لناخذ الصاع بالصاعین والصاعین بالثلاث، قال : لا تفعل، بع الجمع بالدد اہم ثم ایتع بالدد اہم جنبیا۔

”حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو خیبر کا عامل بنا کر بھیجا، وہ عامل جب واپس آیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جنبی (کھجور کی ایک عمدہ قسم) کھجور پیش کیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا کہ کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہوتی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: ہم ایک صاع کو دو صاع کے بدلے میں اور دو صاع کو تین صاع کے بدلے میں تبدیل کر لیتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا مت کرو، بلکہ جمع کھجور کو پہلے ذرا ہم کے عوض فروخت کر دو، پھر ان ذرا ہم سے جنبی کھجور خرید لیا کرو۔“^(۱)

یہ حدیث شریف اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اموال ربویہ میں جو متاشل اور

برابری مطلوب ہے، وہ مقدار میں متماثل ہے، قیمت میں متماثل اور برابری مطلوب نہیں، اس لئے کہ جنب کھجور جمع کھجور کے مقابلے میں بہت اعلیٰ درجے کی قیمتی اور عمدہ کھجور تھی، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کی ایک قسم کی دوسری قسم سے تبدیل کرنے کی صورت میں عمدہ اور گھٹیا ہونے کا بالکل اعتبار نہیں کیا، بلکہ وزن میں برابری کو ضروری قرار دیا۔

عن عبادة بن صامت رضى الله تعالى عنه: قال رسول الله ﷺ: الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملاح بالملاح مثلاً بمثل سواء بسواء يداً بيد، فإذا اختلفت هذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم إذا كان يداً بيد۔

”حضرت عبادة بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سونے کو سونے کے بدلے میں چاندی کو چاندی کے بدلے میں گندم کو گندم کے بدلے میں، جو کو جو کے بدلے میں کھجور کو کھجور کے بدلے میں اور نمک کو نمک کے بدلے میں ہاتھ ذر ہاتھ پیچو، ہاں اگر ان اشیاء کی بیچ میں جنس مختلف ہو جائے، تو پھر جس طرح چاہو، پیچو، بشرطیکہ ہاتھ ذر ہاتھ ہو۔“ (۱)

عن ابی ہریرۃ رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: الذهب بالذهب وزناً بوزن مثلاً بمثل والفضة بالفضة وزناً بوزن مثلاً بمثل فمن زاد او استزاد فهو ربا۔

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سونا سونے کے بدلے میں وزن کر کے پیچو،

اور چاندی کو چاندی کے بدلے میں وزن کر کے بیچو، ان میں جو شخص زیادتی کرے، یا زیادتی طلب کرے، تو وہ زیادتی سود ہے۔“ (۱)

عن عبادة بن الصامت رضي الله تعالى عنه ان النبي ﷺ قال: البزب بالذهب تبرها وعينها، والفضة بالفضة تبرها وعينها، والبر بالبر مدين بمدين والشعير بالشعير مدين بمدين والتمر بالتمر مدين بمدين والملح بالملح مدين بمدين فمن زاد او اسزاد فقد اربى۔

”حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سونے کو سونے کے بدلے میں چاہے وہ سونے کا ٹکڑا ہو، یا ڈھلا ہوا سکھ ہو، چاندی کو چاندی کے بدلے میں چاہے وہ چاندی کا ٹکڑا ہو، یا ڈھلا ہوا سکھ ہو، اور دو مدی گندم کو دو مدی گندم کے بدلے میں، اور دو مدی جو کو دو مدی جو کے بدلے میں، اور دو مدی کھجور کو دو مدی کھجور کے بدلے میں اور دو مدی نمک کو دو مدی نمک کے بدلے میں بیچو، اور جس شخص نے زیادتی کی یا زیادتی طلب کی، اس نے سود لیا۔“ (۲)

مندرجہ بالا ساری احادیث اس بات کو واضح طور پر بیان کرتی ہیں کہ شریعت میں جو متماثل اور برابری مطلوب ہے، وہ مقدار میں برابری ہے، اموال برابری میں قیمت کے تفاوت کا کوئی اعتبار نہیں۔

اس سلسلے میں ایک حدیث اور ہے، جو خاص کر قرض ہی میں مطابقت اور برابری کو واضح کرتی ہے:-

(۱) جامع الاصول (۱/۵۵۳)۔

(۲) جامع الاصول۔

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال : كنت ابيع الابل بالبقيع فابيع بالدنانير واخذ الدراهم، وابع بالدراهم واخذ الدنانير أخذ هذه من هذه، واعطى هذه من هذه، فأتيت رسول الله ﷺ وهو في بيت حفصة، فقلت : يا رسول الله اريدك اسئلك، اني ابيع الابل بالبقيع فابيع بالدنانير واخذ الدراهم وابع بالدراهم واخذ الدنانير، أخذ هذه من هذه واعطى هذه من هذه، فقال رسول الله ﷺ : لا بأس ان تأخذها بسعر يومها ما لم تفترقا وبكما شئي-

”حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: میں مقام البقیع میں اُونٹ بیچا کرتا تھا، تو کبھی دیناروں کے ذریعے بھاؤ کر کے اُونٹ بیچتا، اور بجائے دینار کے مشتری سے دراہم لے لیتا، اور کبھی دراہم کے ذریعے بھاؤ کرتا، اور بجائے دراہم کے دینار وصول کرتا، یعنی دینار کے بدلے درہم اور درہم کے بدلے دینار وصول کرتا، اور ادا کرتے وقت بھی دراہم کے بدلے درہم اور درہم کے بدلے دینار ادا کرتا ہوں، ایک مرتبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر تھے، میں نے کہا: میں مقام البقیع میں اُونٹ بیچا کرتا تھا، تو کبھی دیناروں کے ذریعے بھاؤ کر کے اُونٹ بیچتا، اور بجائے دینار کے مشتری سے دراہم لے لیتا، اور کبھی دراہم کے ذریعے بھاؤ کرتا، اور بجائے دراہم کے دینار وصول کرتا، یعنی دینار کے بدلے درہم اور درہم کے بدلے دینار وصول کرتا، اور ادا کرتے وقت بھی دراہم کے

بدلے دہم اور دہم کے بدلے دینا ادا کرتا ہوں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اس طرح معاملہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ اسی روز کے بھاؤ کے برابر لو، اور تم دونوں کے درمیان اس حالت میں جدائی نہ ہو، کہ تمہارے درمیان کوئی لین وین باقی ہو۔^(۱)

اس حدیث سے استدلال اس طرح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لئے اس چیز کو جائز قرار دیا کہ جب بیع دینار کے ذریعے ہو، تو ادائیگی کے روز دینار کی جو قیمت ہو، اس قیمت کے برابر ذرا ہم وصول کر لیں، جس روز ذمہ واجب ہوئے ہوں، اس روز کی قیمت کا اعتبار نہیں، مثلاً بیع میں ایک دینار طے ہوا، اور بیع کے روز ایک دینار کی قیمت دس دہم تھی، اور اس وقت مشتری نے ادا نہیں کی، کچھ روز بعد جب مشتری نے قیمت ادا کرنا چاہا تو اس وقت اس کے پاس ذرا ہم تو تھے مگر دینار نہیں تھے، اور اس روز ایک دینار کی قیمت گیارہ دہم ہو گئی، تو اب مشتری بائع کو گیارہ دہم ہی ادا کرے گا۔

قرآن و سنت کی روشنی میں یہ بات تمام فقہاء کے نزدیک مُسَلَّم ہے کہ قرض کی واپسی کے وقت مقدار میں یقینی مطابقت اور برابری شرط ہے، انکل اور اندازے سے واپس کرنا جائز نہیں حتیٰ کہ اگر ایک شخص نے ایک صاع گندم بطور قرض لئے اور یہ شرط ٹھہرائی کہ قرض دار مجھے بغیر ناپ کے صرف اندازے اور تخمینے سے ایک صاع واپس کرے، تو قرض کا یہ معاملہ جائز نہیں، اس لئے کہ اموال ربوہ میں اندازے اور تخمینے سے ایک صاع واپس کرنا جائز نہیں، اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع مزانہ کو حرام قرار دیا ہے، بیع مزانہ یہ ہے کہ درخت پر لگی ہوئی کھجور کو ٹوٹی ہوئی کھجور کے بدلے میں بیچا جائے اور اس کی حرمت کی وجہ یہی ہے کہ جو کھجور ٹوٹی ہوئی ہے، اس کی مقدار وزن کے ذریعے معلوم کی

جاسکتی ہے، اور جو کچھ جو درخت پر لگی ہوئی ہے اس کی مقدار معلوم کرنے کا طریقہ اندازہ اور تخمین کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے، اس وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیج کو علی الاطلاق حرام قرار دے دیا، حالانکہ بعض اوقات اندازہ بالکل صحیح یا صحیح کے قریب ہوتا ہے، لہذا اموالِ ربویہ میں سے بعض کو بعض سے تبادلہ کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے، وہ یہ کہ دونوں میں تبادلہ عملی طور پر مقدار میں برابری کے ذریعے ہو، اندازہ اور تخمین کے ذریعے برابری کافی نہیں ہے۔

دوسری طرف اگر قرضوں کو قیمتوں کے اشاریے سے منسلک کیا جائے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قرض کی ادائیگی میں حقیقی مثلیت کا اعتبار نہیں کیا گیا، بلکہ ایک تخمینی مثلیت پر ادائیگی کی بنیاد رکھی گئی، اس لئے کہ قیمتوں کے اشاریے میں اشیاء کی قیمتوں میں کمی اور زیادتی کا جو تناسب نکالا جاتا ہے، وہ تقریبی اور تخمینی ہوتا ہے، جس کی بنیاد ایک ایسا مخصوص حسابی طریقہ ہے جو اندازے اور انکل ہی کے ذریعے کیا جاتا ہے۔

چنانچہ اس حسابی طریقے میں درج ذیل مقامات پر انکل اور اندازے سے کام لیا جاتا ہے۔

۱- اشاریے میں درج شدہ اشیاء کی تعین

یہ بات معلوم ہی ہے کہ ہر شخص کی اپنی خاص ضروریات ہوتی ہیں، اس لئے ایک شخص کی اشیاء ضرورت بھی دوسرے شخص سے مختلف ہوں گی، لہذا ایک شخص کی ”اشیاء کی ٹوکری“ دوسرے شخص کی ٹوکری سے مختلف ہوگی، لیکن اشاریے میں درج شدہ ٹوکری صرف ایک ہے، جس میں اشیاء کو اس کے استعمال کرنے والوں کی کثرت کی بنیاد پر درج کیا جاتا ہے، اس لئے بعض اوقات اس میں ایسی اشیاء بھی درج ہوتی ہیں، جن کی بعض لوگوں کو پوری زندگی میں کبھی ضرورت ہی پیش نہیں آتی، اس لئے ان بعض کے اعتبار سے یہ اشاریہ درست نہیں ہو سکتا، لہذا معلوم ہوا کہ اشاریے میں بعض اشیاء صرف اندازے اور تخمین سے درج کی جاتی ہیں۔

۲- اشیاء کے وزن (اہمیت) کی تعیین

دوسرے یہ کہ اشیاء کے وزن اور صارفین کے اعتبار سے اس کی اہمیت کے تعیین میں اندازے اور انکل سے کام لیا جاتا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ اشیاء کی اہمیت ایک اضافی چیز ہے، جو اشخاص کے اختلاف سے مختلف ہو جاتی ہے، بعض اوقات ایک چیز ایک شخص کے نزدیک بہت اہمیت کی حامل ہے، اور وہی چیز دوسرے شخص کے لئے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی، اشاریہ اس مفروضے پر بنایا جاتا ہے کہ ہر چیز کی جو اہمیت ہم نے فرض کی ہے، وہ تمام صارفین کے اعتبار سے ہے، اور یہ درمیانی اوسط کی بنیاد پر فرض کی جاتی ہے، جو صرف اندازے اور تخمین ہی سے نکالی جاتی ہے۔

۳- اشیاء کی قیمت کا تعیین

تیسرے یہ کہ مختلف سالوں میں اشیاء کی قیمتوں کا تعیین بھی اندازے اور انکل سے کیا جاتا ہے، اس لئے کہ ظاہر ہے کہ ایک ہی چیز کی قیمت مختلف شہروں اور جگہوں کے اعتبار سے مختلف ہوگی، اور اشاریہ میں صرف ایک ہی جگہ کی قیمت کا اندراج ممکن ہے، اس لئے اگر ایک ملک کا اشاریہ بنانا ہو، تو صرف تمام جگہوں کی قیمتوں کا درمیانی اوسط نکال کر ہی بنایا جاسکتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ اوسط اندازے اور تخمین ہی کے ذریعے نکالا جاسکے گا۔

مندرجہ بالا بحث سے معلوم ہو گیا کہ اشاریہ اپنے تمام مراحل میں اندازے اور تخمین پر مبنی ہے، اور اگر کسی جگہ پر حساب بہت باریک بینی اور پوری احتیاط سے بھی کیا جائے، تو بھی اس کے نتیجے کو زیادہ سے زیادہ تقریبی تو کہہ سکتے ہیں، یقینی اور واقعی پھر بھی نہیں کہہ سکتے، جبکہ اوپر احادیث کی روشنی میں یہ واضح ہو چکا ہے کہ قرضوں کی واپسی میں انکل اور اندازے کی شرط لگانا جائز نہیں، لہذا قرضوں کی ادائیگی کا قیمتوں کے اشاریہ سے منسلک کر دینا کسی حال میں درست نہیں۔^(۱)

(۱) فقہی مقالات، مثنیٰ (جلس مفتی محمد تقی مثنیٰ) کراچی، مین اسلامک پبلشرز کراچی ۱۹۹۳ء، (۴۹/۱)۔

اسلامی فقہ اکیڈمی جدہ کی قرارداد درج ذیل ہے:-

ان مجلس مجمع الفقہ الاسلامی المنعقد فی دورۃ مؤتمرة
الخامس بالکویت من الی ۶ جمادی الاولی ۱۴۰۹ھ
- ۱۰ الی ۱۵ کانون الاول (دیسمبر) ۱۹۸۸م۔۔۔قرر مالی:
العبرة فی وفاء الديون الثابتة ما هی بالمثل وليس بالقيمة
لان الديون الثابتة تقضى بامثالها، فلا يجوز ربط الديون
الثابتة فی الذمة ایا كان مصدرها بمستوى الاسعار والله
اعلم-

”اسلامی فقہ اکیڈمی کی مجلس جس کی پانچویں کانفرنس کویت میں یکم تا
۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ - ۱۵ تا ۱۷ دسمبر ۱۹۸۸ء نے درج ذیل
قرارداد پیش کی: ”جو قروض ذمہ میں واجب ہوں، ان کی ادائیگی
میں مثل کا اعتبار ہے، اور قیمت کا اعتبار نہیں، کیونکہ قروض کی ادائیگی
میں مثل کا اعتبار ہوتا ہے، لہذا قروض اور دیون جو ذمہ میں واجب
ہوں، ان کو کسی حال میں اشاریے کے ساتھ منسلک نہیں کیا
جاسکتا۔“^(۱)

مزدوروں کی اجرتوں کو اشاریے کے ساتھ وابستہ کرنا

جہاں تک اجرتوں کی قیمتوں کے اشاریے سے ربط کا مسئلہ ہے، تو جب تک
اجرت قرض نہ بن جائے، اس وقت تک اس کا حکم ”قرضوں کے ربط“ سے مختلف ہوگا، البتہ
اجرت اگر قرض بن جائے، تو اس صورت میں اس کا حکم بھی وہی ہوگا، جو قرضوں کے ربط کا
حکم ہے۔

(۱) مجلة المجمع الفقہ الاسلامی، الدورة الخامسة، العدد الخامس، الجزء الثالث ۱۴۰۹ھ

تفصیل اس کی یہ ہے کہ اجرتوں کو اشاریے کے ساتھ مربوط کرنے کی تین صورتیں ممکن ہیں:-

پہلی صورت

پہلی صورت کہ اجرتیں اور تنخواہیں نوٹوں کے ذریعے طے ہو جائیں، کہ اتنی اجرت یا تنخواہ دی جائے گی، اور مالک اور مزدور کے درمیان یہ معاہدہ ہو جائے کہ یہ تنخواہ ہر سال قیمتوں کے اشاریے کے زیادتی کے تناسب سے بڑھتی رہے گی، مثلاً حکومت ایک شخص کو تین ہزار روپے ماہوار تنخواہ ملازم رکھے، اور یہ معاہدہ کرے کہ یہ تنخواہ ہر سال کے شروع میں قیمتوں کے اشاریے میں زیادتی کے تناسب سے بڑھتی رہے گی، اس صورت میں اس ملازم کو ہر سال کے آخر تک ہر ماہ تین ہزار روپے ہی قبول کرنے پڑیں گے، اور درمیان سال میں قیمتوں کے اشاریے میں زیادتی کے تناسب کو نہیں دیکھا جائے گا، البتہ جب نیا سال شروع ہوگا، تو اس وقت اشاریے کو دیکھا جائے گا، کہ ایک سال کے اندر اس میں کس تناسب سے زیادتی ہوئی، مثلاً قیمتوں کے اشاریے میں ۵% کے تناسب سے زیادتی ہوئی تھی، تو اس ملازم کی تنخواہ میں بھی اسی تناسب سے زیادتی کرنی ہوگی، لہذا اب نئے سال سے اس کی تنخواہ تین ہزار ایک سو پچاس روپے ہو جائے گی۔

یہ طریقہ بہت سے ممالک مثلاً پاکستان وغیرہ میں رائج ہے، اور اس قسم کے ربط کی شریعت میں کوئی ممانعت نہیں ہے، اس لئے کہ اس صورت میں کا حاصل یہ ہے کہ دونوں فریق اجرتوں اور تنخواہوں میں ہر سال یا ہر چھ ماہ بعد ایک متعین شرح تناسب سے زیادتی پر متفق ہو گئے ہیں، اور یہ زیادتی کا تناسب اگرچہ عقد کے وقت تو فریقین کے علم میں نہیں تھا، مگر وہ بیان معلوم ہے جس کی بنیاد پر تناسب کا تعین ہوگا، اس لئے زیادتی کی مقدار میں جو جہالت کا شبہ تھا، وہ مرتفع ہو گیا، یا یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر نئے سال کے شروع میں جس تناسب سے قیمتوں میں زیادتی ہوئی ہوگی، اسی تناسب سے اضافہ شدہ اجرت پر اس عقد اجارہ کی

تجدید کی جائے گی، اور اس میں کوئی شرعی ممانعت نہیں ہے۔

دوسری صورت

آخرتوں کے قیمتوں کے اشاریے سے رابطہ کی دوسری صورت یہ ہے کہ اجرت کی تعیین نوٹوں کی ایک معلوم مقدار پر ہو جائے، لیکن عقد میں شرط کر لیں کہ مالک کے ذمہ یہ مقدار معلوم واجب نہیں، بلکہ اس کے ذمہ وہ مقدار واجب ہوگی جو قیمتوں کے اشاریے کی رو سے مہینے کے آخر میں اس مقدار معلوم کے مساوی اور برابر ہوگی۔

مثلاً زید نے عمر کو ایک ماہ کے لئے ملازم رکھا اور یہ طے پایا کہ زید عمر کو مہینے کے آخر میں قیمتوں کے اشاریے کے لحاظ کرتے ہوئے اتنی رقم اجرت میں دے گا، جو موجودہ ایک ہزار روپے کے مساوی ہوگی، چنانچہ قیمتوں کے اشاریے میں ایک ماہ کے اندر دو فیصد کے تناسب سے قیمتیں بڑھ گئیں، تو اب زید مہینے کے آخر میں عمر کو ایک ہزار بیس روپے ادا کرے گا، اس لئے کہ یہ ایک ہزار اور بیس روپے شروع مہینے کے ایک ہزار روپے کے مساوی ہیں۔

لیکن جب مہینے کے آخر میں یہ طے ہو گیا کہ تنخواہ ایک ہزار اور بیس روپے ہے، تو اب یہ تنخواہ ہمیشہ کے لئے ایک ہزار اور بیس روپے ہی رہے گی، زائد نہ ہوگی، لہذا اگر مالک مہینے کے آخر میں یہ تنخواہ ادا نہیں کر سکا حتیٰ کہ ایک مہینہ اور گزر گیا، یا ایک سال گزر گیا، اور اس نے تنخواہ ادا نہیں کی، تب بھی مالک کے ذمہ ایک ہزار اور بیس روپے واجب ہوں گے، قیمتوں کے اشاریے میں زیادتی سے اس میں زیادتی نہیں آئے گی، مثلاً اگر اس عرصے میں قیمتوں کے اشاریے میں دس فیصد کے تناسب سے اضافہ ہو چکا ہے، اس لئے اب مجھے ایک ہزار بیس روپے پر دس فیصد کے حساب سے اضافہ کر کے اجرت دی جائے، اس لئے عقد کے وقت ہی آپس کے اتفاق سے اجرت کے بارے میں یہ بات طے ہو چکی تھی کہ مہینے کے آخر میں جتنے روپے موجودہ ایک ہزار کے مساوی ہوں گے، وہ دیئے جائیں گے، اور

صرف تعین کے لئے قیمتوں کے اشاریے کو مد نظر رکھا جائے گا، لیکن جب مہینے کے آخر میں قیمتوں کے اشاریے کی بنیاد پر ایک مرتبہ اجرت طے ہوگئی، تو اب قیمتوں کے اشاریے کا کام مکمل ہو چکا، اب اس کی ضرورت نہیں رہی اور اب وہ معین اجرت مالک کے ذمہ قرض ہوگئی، جس میں آئندہ نہ تو زیادتی ہو سکتی ہے، اور نہ کمی واقع ہو سکتی ہے، قیمتوں کے اشاریے میں چاہے کتنے بھی تغیرات واقع ہو جائیں۔

جہاں تک اس صورت کی شرعی حیثیت کا تعلق ہے، اس میں جسٹس مفتی محمد تقی صاحب کی رائے یہ ہے کہ یہ بھی جائز ہے، بشرطیکہ قیمتوں کا اشاریہ اور اس کے حساب کا طریقہ فریقین کو اچھی طرح معلوم ہو، تاکہ بعد میں لاعلمی کی بناء پر آپس میں جھگڑا نہ ہو جائے، اس لئے کہ یہاں دونوں فریق اس بات پر متفق ہیں کہ طے شدہ اجرت ایک ہزار روپے نہیں، بلکہ قیمتوں کے اشاریے کے اعتبار سے مہینے کے آخر میں جتنے روپے موجودہ ایک ایک ہزار روپے کے مساوی ہوں گے، وہ مالک پر دینے واجب ہوں گے، جس کو حساب کے ذریعے نکالنے کا طریقہ دونوں فریق کو معلوم بھی ہو، لہذا اجرت کی مقدار میں اتنی جہالت جھگڑا کا سبب نہیں بنے گی، اور شرعاً اتنی جہالت متحمل ہوتی ہے۔

تیسری صورت

تیسری صورت کہ اجرت تو روپے کی معین مقدار کے ذریعے طے ہو جائے، اور فریقین کے درمیان یہ شرط ہو جائے کہ وہ اجرت مالک کے ذمہ واجب ہوگی، جو عقد اجارہ میں طے ہوئی ہے، لیکن جس دن یہ اجرت ادا کرے گا، اس دن قیمتوں کے اشاریے میں جس تناسب سے اضافہ ہوا ہوگا، اسی تناسب سے وہ اجرت میں بھی اضافہ کر کے ادا کرے گا۔

مثلاً ایک شخص نے کسی کو ایک ہزار روپے پر ملازم رکھا، اور دونوں کے درمیان یہ طے ہو گیا کہ اجرت ایک ہزار روپے ہے، لیکن مالک پر یہ ضروری نہیں ہوگا کہ جس دن وہ یہ اجرت ادا کرے گا، اس دن قیمتوں کے اشاریے میں جس تناسب سے اشیاء کی قیمتوں میں

إضافہ ہوا ہوگا، اسی تناسب سے وہ بھی ایک ہزار روپے میں اضافہ کر دے گا، لہذا مالک نے اگر یہ اُجرت مہینے کے آخری دن میں ادا کی اور اس روز قیمتوں کے اشاریے میں دو فیصد کے تناسب سے اضافہ ہو چکا تھا، تو اب مالک بھی دو فیصد کے تناسب سے اضافہ کر کے ایک ہزار اور بیس روپے ادا کرے گا، اور اگر مالک نے یہ اُجرت ایک سال کے بعد ادا کی، اور اس وقت تک قیمتوں میں دس فیصد کے تناسب سے اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ہو چکا تھا، تو اب مالک بھی دس فیصد کے تناسب سے اضافہ کر کے گیارہ سو روپے ادا کرے گا۔

یہ صورت شرعاً جائز نہیں، کیونکہ ”قرضوں کے قیمتوں کے اشاریے کے ساتھ ربط“ کی طرح ہے، جس کی تفصیل پیچھے گزر گئی ہے۔

تیسری اور دوسری صورت میں فرق

دوسری صورت میں اشاریہ سے صرف متفقہ اُجرت کی تعیین کا کام لیا جاتا ہے، اور اشاریے کی بنیاد پر جب ایک مرتبہ اُجرت متعین ہوگئی، تو اشاریے کا کام ختم ہو چکا، اب ہمیشہ کے لئے یہی متعین اُجرت مالک کے ذمہ واجب رہے گی، اس پر زیادتی نہ ہوگی، چاہے مالک جب بھی ادا کرے۔

بخلاف تیسری صورت کے کہ اس صورت میں اُجرت ایک ہزار روپے متعین تھی، جو ادا نہ کرنے کی بنا پر مالک کے ذمہ قرض (ذین) بن گئی تھی، اور پھر اس قرض کو اشاریے کے ساتھ ملا دیا گیا تھا، لہذا اس تیسری صورت کا بھی وہی حکم ہوگا، جو اس سلسلے میں قرضوں کا ہے۔^(۱)

فلوس کی قیمت میں تبدیلی اور اقوال فقہاء

اس مسئلے پر مفصل کلام ”افراط ذرا اور تفریط ذرا“ کے عنوان کے تحت ہوا ہے، مزید بحث کی ضرورت نہیں ہے۔

(۱) لفتی مقالات (۱/ ۷۴)، احکام الاوراق النقدية (ص ۷۷)، کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم۔

باب ہفتم

ذریعہ اعتباری یا ذریعہ تجارت (Credit Money)

اعتبار (Credit) کی حقیقت

”اعتبار“ انگریزی لفظ ”Credit“ کا ترجمہ ہے، عربی میں کریڈٹ کو ”اقتسام“

کہتے ہیں، جس کے معنی اعتبار اور اعتماد کے ہیں۔

اصطلاحی تعریفات درج ذیل ہیں:-

برٹانیکا میں کریڈٹ کی تعریف یوں کی گئی ہے:-

Transaction between two parties in which one (the creditor or lender) supplies money, goods, services or securities in return for a promised future payment by the other (the debtor or borrower)(۱)

”کریڈٹ ایک ایسا معاملہ ہے، جس میں ایک پارٹی ذر، سامان،

خدمات یا سیکورٹیز مہیا کرتی ہے، جبکہ دوسری طرف سے مستقبل میں

موجودہ ادائیگی ہوتی ہے۔“

مختصر الفاظ میں یہ تعریف کی گئی ہے:-

Present right to a future payment

آئندہ ادائیگی پر حالیہ حق کا نام کریڈٹ ہے۔ (۲)

کریڈٹ کی ایک اور تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:-

”يعرف الائتمان بانه تنازل عن مال حاضر لقاء مال

مستقبل واساسه الثقة“^(۱)

”کریڈٹ کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ آئندہ مال کے بدلے میں

حالیہ مال سے دستبردار ہونا، اور اس کی بنیاد اعتماد ہے۔“

موسوعة المصطلحات الاقتصادية میں کریڈٹ کی تعریف ان الفاظ میں کی

گئی ہے:-

”منع حق استخدام او امتلاك السلع والخدمات دون دفع

القيمة فوراً“^(۲)

اس تعریف کا بھی حاصل وہی ہے، جو سابقہ تعریفات کا ہے۔

اُردو کتابوں میں درج ذیل تعریف کی گئی ہے:-

”اعتبار سے مراد بھروسہ، یقین یا اعتماد ہے جو قارض اپنے کسی

مقروض پر اسے قرضہ دیتے وقت یا ادھار مال دیتے وقت کرتا ہے،

اور یہ سمجھتا ہے کہ مقروض اسے طے شدہ مدت کے بعد قرض کی رقم

واپس کر دے گا، یا اس نے ادھار پر جو مال خریدا تھا، اس کی قیمت ادا

کرے گا۔“^(۳)

حاصل یہ کہ ”کریڈٹ“ اعتماد، یقین، اور اعتبار کو کہتے ہیں، اور اس میں اسی

اعتماد کی بنیاد پر ادھار معاملہ ہوتا ہے۔

(۱) القاموس الاقتصادي، النجفی (حسن النجفی) بغداد، مديرية مطبعة الادارة

المجلد ۱۹۷۷م (ص ۸۸)

(۲) موسوعة المصطلحات الاقتصادية والاحصائية، هيكل (الدكتور عبدالعزيز فهمي

هيكل، بيروت، دار النهضة العربية ۱۹۸۰م (ص ۱۸۲)

(۳) تعارف زر و بکاری، شیخ مبارک علی، ریسرچ کارلر اوسلو یونیورسٹی ناروے، رہبر پبلشرز کراچی طبع

اول ۱۹۹۱ء (ص ۲۲۱)۔

زر اعتباری یا زر تجارت کی حقیقت

زر اعتباری یا زر تجارت کی تعریف یہ کی گئی ہے:-

صكوك مكتوبة بشكل قانوني محدد تتضمن التزاما

بدفع مبلغ من النقود في وقت معين اوقابل للتعين

ويمكن نقل الحق الثابت بطريق التظهير والمناولة۔^(۱)

لکھے ہوئے صکوک ہیں جو محدود ہوں، اور قانونی شکل میں ہوں، اور

جن میں اس بات کی ضمانت ہو کہ ایک معین وقت میں زر کی کچھ

مخصوص مقدار ان کی بنیاد پر دی جائے گی، اور جو حق واجب ہو اس کو

دوسرے کی طرف تظہیر یا مناولہ کے طریقے سے منتقل کرنا ممکن ہو۔

ڈاکٹر محمد زکی شافعی اس سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں:-

ومن هنا يطلق عليها اصطلاح النقود الائتمانية لان

الائتمان عبارة عن الوعد بدفع مبلغ من النقود ومن هنا

ايضا ليست النقود الائتمانية سوى ديون تترتب لصالح

حاملها في ذمة الدولة او البنوك وتعتمد فيما تتمتع به من

قبول عام في المعاملات على عنصر الثقة۔^(۲)

اسی وجہ سے ان پر زر اعتباری کی اصطلاح کا اطلاق ہوتا ہے، کیونکہ

"ائتمان" زر کی مخصوص مقدار کے دینے کے وعدے کو کہتے ہیں،

اسی وجہ سے زر اعتباری دیون ہی ہیں جو حکومت یا بنکوں کے ذمہ

حالیین کے لئے واجب ہوتے ہیں، اور اعتماد کی بنیاد پر معاملات

(۱) احکام الاوراق النقدية والتجارية للجمعيد (ص ۲۴۱)

(۲) مقدمة في النقود والبنوك، شافعی (محمد زکی) بیروت، دار النهضة العربية طبع ہفتم

(ص ۲۳)۔

میں عام طور پر قبول کئے جاتے ہیں۔

اُردو میں ذرا اعتباری کی آسان الفاظ میں یہ تعریف کی گئی ہے :-

قرض کی صورت میں لین دین کرنے یا ادھار پر مال کا لین دین کرنے کو اعتبار کہا جاتا ہے، اور اس مقصد کے لئے جو تحریری وعدہ بطور آلہ استعمال کیا جاتا ہے اسے اعتباری ذکر کا نام دیا جاتا ہے۔^(۱)

ذرا اعتباری کی چاری خصوصیات

ان تعریفات سے معلوم ہوتا ہے کہ ذرا اعتباری میں چار خصوصیات پائی جاتی ہیں :-

۱- ان میں لین دین تنظیم (Endorsment) کے طریقے سے ہوتا ہے۔

۲- ذین کا محل ذکر کی مخصوص مقدار ہے۔

۳- معاملات میں ذکر کا وظیفہ ادا کرتا ہے۔

۴- خاص شکل میں لکھے ہوئے دستاویزات ہیں (یعنی محمد دوم اور قانونی شکل میں)۔

ذرا اعتباری کی مشہور قسمیں

ذرا اعتباری کی مشہور قسمیں درج ذیل ہیں :-

۱- ہنڈی (Bill of Exchange)

۲- بانڈز (Bonds)

۳- چیک (Cheque)

۴- پرامیٹری نوٹ (Promissory Note)

۵- ڈرافٹ (Draft)

بعض مصنفین نے کئی بیش کے ساتھ ذرا اعتباری کی مذکورہ قسمیں بیان کی ہیں۔

(۱) تعارف ذریعہ کار، شیخ مبارک علی، ریسرچ کالراؤ سلویو نیورٹی ناروے، ریمبر پبلشرز کراچی طبع اول

اس عنوان کے تحت صرف ذریعہ اعتباری کی موٹی موٹی قسمیں بیان کرتی ہیں، ان اقسام کی مختلف اقسام اور احکام اور دیگر مختلف مالی دستاویزات کی تفصیل باب ہشتم میں ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گی۔

نوٹ

یاد رکھنا چاہئے کہ بہت سارے مصنفین نے کرنسی نوٹ کو بھی ذریعہ اعتباری کی اقسام میں ذکر کیا ہے، لیکن کرنسی نوٹ کی حیثیت اور تفصیلات گزشتہ ابواب میں ذکر ہو چکی ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کرنسی نوٹ بحالات موجودہ بذات خود ”شمن“ ہے، لہذا قانونی اور شرعی لحاظ سے کرنسی نوٹ کی وہ حیثیت نہیں ہوگی جو دیگر آلات مثلاً چیک وغیرہ کی ہے۔

ذریعہ اعتباری کی اقسام سے متعلق بطور نمونہ چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں:-
البحید فرماتے ہیں:-

تستقسم الاوراق التجارية الى ثلاثة انواع:

اولا: الكمبيالة.....

ثانيا: السند.....

ثالثا: الشيك..... (۱)

ذریعہ تجارتی کی تین قسمیں ہیں: ہنڈی، بانڈ، چیک۔

ڈاکٹر اے، این آگروال کہتے ہیں:-

We shall now discuss the chief forms of credit instruments :

Promissory notes Bank Notes and currency notes
, Bill of exchange ...Cheque ..Bank Draft.

اب ہم ذریعہ اعتباری کی کچھ موٹی قسمیں بیان کرتے ہیں: پرومیسری

نوٹ، بینک نوٹ، کرنسی نوٹ، ہنڈی، چیک اور بینک ڈرافٹ۔^(۱)
حسن نجفی کہتے ہیں:-

وادوات الائتمان هي الاوراق التجارية الممثلة بالسفطة
والسند الاذنى والشيك وهي اوراق قابلة للتحويل
وتستخدم في عمليات الائتمان لاجال قصيرة، اوراق
البنكوت، الاوراق المالية وهي الاسهم والسندات۔^(۲)
انہوں نے شیئرز اور مختلف سرٹیفکیٹس کو بھی ڈر اعتباری میں شامل کیا ہے۔
ابراہیم صالح عمر کہتے ہیں:-

فالنقود الورقية هي نقود ائتمانية لكونها ائتماناً يمنحه من
يملك هذه النقود للجهة التي اصدرتها اي انها دين
والتزام في ذمة المصرف المصدراها۔^(۳)
انہوں نے کرنسی نوٹوں کو بھی ڈر اعتباری میں شمار کیا ہے۔
شیخ مبارک علی کہتے ہیں:-

آلات اعتباری مختلف اقسام کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے: چیک
(Cheque) مبادلتی بل یا مبادلتی ہنڈی (Bill of Exchange)
اقرار نامہ (Promissory Notes) مطالباتی بینک ڈرافٹ
(Bank Draft)۔^(۴)

(۱) Introduction to Economics principles P: 352

(۲) القاموس الاقتصادي، النجفی (حسن النجفی) بغداد، مديرية مطبعة الادارة
المحلية ۱۹۷۷ م (ص ۸۸)

(۳) النقود الائتمانية، العمر (ابراهيم بن صالح العمر) بيروت، دار العاصمة ۱۴۱۳ھ،

(۴) تحارف ڈرو پیکاری، شیخ مبارک علی، ریسرچ۔ کالر اوسلو یونیورسٹی ناروے، رہبر پبلشرز کراچی طبع
اول ۱۹۹۱ء (ص ۲۶۳)۔

ذَرِّ اعتباری کا ارتقاء

اس میں شک نہیں کہ ہنڈی، چیک وغیرہ کا ارتقاء بینکنگ کے ارتقاء کے ساتھ ہی ہوا ہے، اور ہو رہا ہے، اس سلسلے میں کچھ مختصر جائزہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے:-

بعض ماہرین اقتصاد کا خیال ہے کہ ہنڈی بصورت موجودہ قرون وسطیٰ میں متعارف ہوئی ہے، ان میں بعض نے اس کی تحدید بھی کی ہے کہ ہنڈی اٹھارویں صدی عیسوی میں متعارف ہوئی ہے، اور اس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ یہ عقد صرف کے لئے بطور آلہ استعمال ہوتی تھی، یعنی ایک ملک کے ذر کے دوسرے ملک کے ذر کے تبادلے میں ہنڈی کا طریقہ کار بطور آلہ استعمال ہوتا تھا۔

چیک اُنیسویں صدی کی نصف میں متعارف ہوا ہے، اور اس کے متعارف ہونے کا منشاء کمرشل بینکوں کا وجود میں آنا ہی ہے۔

لیکن اس میں شک نہیں کہ ذَرِّ اعتباری کی جڑیں بہت پرانی ہیں، چنانچہ دیکھئے فقہائے کرام نے ”سفحہ“ (جس کا تفصیلی تذکرہ گزشتہ ابواب میں ہو چکا ہے) اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے، اسی طرح ”حوالہ“ فقہ کی ہر کتاب میں مذکور ہے، اور اس کے بڑے تفصیلی احکام کتب فقہ میں مذکور ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یورپی تعامل کی اصل یہی چیزیں ہیں۔

چنانچہ بعض مستشرقین نے اس کی تصریح بھی کی ہے، جوزیف شاخت، ڈاکٹر ہولملین، اور روبسون سے وضاحت کے ساتھ یہ بات منقول ہے۔

جوزیف کے کام میں ہے کہ Chaque یہ فرانسیسی لفظ ہے جو ”حوالہ“ کی بگڑی ہوئی شکل ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چیک ”صک“ کی بگڑی ہوئی شکل ہو۔

روبنسون کہتے ہیں کہ اہل عرب کو تجارت کے میدان میں فضیلت و سبقت حاصل ہے، اہل عرب نے تجارت کو دفتری شکل دی، کفالہ کی وضاحت کی، فقراء کے لئے بیت

المال قائم کیا، ”سفیحہ“ کو رداج دیا۔^(۱)

نیز یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ شروع زمانے میں بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے زمانے میں ”صکوک“ موجود تھے، صحابہ کرامؓ نے ان صکوک کے لین دین پر نکیر بھی فرمائی، کیونکہ یہ صکوک طعام کے ہوتے تھے، اور طعام کی بیع (خرید و فروخت) قبضے سے قبل ناجائز ہے۔

جاء فی الموطاء للإمام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ:-

وحدثني عن مالك انه بلغه ان صكوكا خرجت للناس في زمان مروان بن الحكم من طعام الجند، فتبايع الناس تلك الصكوك بمنهم قبل ان يستوفوها فدخل زيد بن ثابت ورجل من اصحاب النبي ﷺ على مروان بن الحكم فقالا: اتحل الربا يا مروان؟ فقال: اعوذ بالله وما ذلك؟ فقال: هذه الصكوك تباعها الناس ثم باعوها قبل ان يستوفوها فبعث مروان بن الحكم الحرس يتتبعونها ينزعونها من ايدي الناس ويردونها الي اهلها۔

يقول الشيخ الكاندهلوي رحمه الله تعالى تحتہ:-

صكوك جمع صك وهو الورقة المكتوبة بدين۔۔ والمراد ههنا الورقة التي يكتب فيها ولي الامر برزق من الطعام لمستحقه بان نفلان كذا وكذا من الطعام وغيره۔^(۲)
موطا امام مالک میں ہے: امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:-

(۱) احکام الاوراق النقدية والتجارية للجميد۔

(۲) اوجز المسائل، الكاندهلوي (شيخ الحديث) مولانا محمد زكريا (ملتان، ادارہ تالیفات

اشرفیہ ۲۰۲/۱۱)

”مروان بن الحکم کے زمانے میں لوگوں میں طعام کے صکوک ظاہر ہوئے، تو لوگ ان کا معاملہ قبل القبض کرنے لگے، چنانچہ زید بن ثابتؓ اور ایک اور صحابی مروان بن حکم کے پاس تشریف لے آئے، اور کہا کہ آپ بے باک و جائز قرار دے رہے ہیں؟ مروان بن حکم نے کہا کہ اللہ کی پناہ، یہ کس طرح؟ انہوں نے کہا کہ یہ صکوک ہیں، لوگ ان کی خرید و فروخت قبل القبض کر رہے ہیں، چنانچہ مروان بن حکم نے سپرداروں کو بھیجا کہ صکوک ضبط کریں، اور اصل مالکوں کو واپس کریں۔

اس کے تحت حضرت شیخ الحدیث تحریر فرماتے ہیں:-
 ”صکوک“ ”حک“ کی جمع ہے، اس سے مراد وہ کاغذ (دستاویز) ہے، جس میں دین لکھا ہوا ہوتا تھا،..... اور یہاں اس سے مراد وہ دستاویز ہے، جس میں حاکم مستحق افراد کے لئے راشن وغیرہ لکھ کر دیتا تھا کہ فلاں کا اتنا حصہ ہے، اور فلاں کا اتنا حصہ۔“

اس روایت سے یہ بات بالکل واضح اور صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کہ ذر اعتباری کا رواج بہت پرانا ہے، البتہ اس کی نئی اور ترقی یافتہ شکلیں بعد میں وجود میں آئیں۔

ذر اعتباری اور اس کے وظائف

ذر اعتباری کے بہت سے معاشی اور اقتصادی فوائد ہیں، اور یہ کئی وظائف ادا کرتا ہے، ذیل میں ہم چند اہم وظائف کا ذکر کرتے ہیں:-

۱۔ نقل زر سے استغناء:- یعنی ذر اعتباری کا ایک اہم فائدہ یہ ہے کہ اس کی بدولت آدمی کو نقد ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی، یہ بات معلوم ہے کہ باہمی معاملات کے لئے آدمی کو نقل رقم کی ضرورت پڑتی ہے، مثلاً کوئی چیز خریدنی ہو،

یا کسی کا قرضہ ادا کرنا ہو وغیرہ، تو اس کے لئے پیسہ ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا پڑتا ہے، ذر اعتباری کی وجہ سے آدمی اس مشقت سے محفوظ رہتا ہے، جس کی وجہ سے چوری وغیرہ کا خوف بھی نہیں رہتا، چنانچہ مبادلاتی بل (Bill of Exchange) اسی مقصد کے لئے ایجاد ہوا ہے، اور یہی وظیفہ چیک بھی ادا کرتا ہے۔

۲- ادائیگی کا آلہ (Instrument of Payment): ذر اعتباری ادائیگی کا آلہ ہے، اور اس کی وجہ سے ادائیگیوں میں بڑی سہولت ہو جاتی ہے، جس میں چیک سرفہرست ہے۔

۳- اعتماد کا آلہ ہے (Instrument of Credit): ذر اعتباری کو اعتباری اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس سے اعتماد اور اعتبار پیدا ہوتا ہے، چنانچہ اسی اعتماد کی بنیاد پر ذر اعتباری کے ذریعے باہمی لین دین ہوتا ہے، ”اعتماد“ ذر اعتباری کا اہم وظیفہ ہے۔ اب مبادلاتی بلوں اور چیکوں کے الگ الگ فوائد ملاحظہ ہوں:-

چیکوں کے نظام کے فوائد

چیکوں کے ذریعے لین دین کا نظام بہت سے فوائد کا حامل ہے، مثلاً:-

۱- سہل اور کم خرچ:- چیک ادائیگی اور وصولی دونوں کا انتہائی سہل اور کم خرچ ذریعہ ہوتا ہے، چھوٹی سے چھوٹی رقم سے لے کر بڑی سے بڑی رقم کی ادائیگی اور وصولی کا غذ کے ایک حقیر پُرزے کی بدولت بلا خوف و خطر اور کوئی وقت ضائع کئے بغیر عمل میں آ جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ترقی یافتہ ملکوں میں بڑے بڑے کاروباری ادارے نقد رقموں کی بجائے چیکوں کے ذریعے لین دین کو زیادہ محفوظ، سہل اور با کفایت سمجھتے ہوئے انہیں ادائیگیوں اور وصولیوں کے ذریعے کے طور پر بے روک ٹوک قبول کرتے ہیں۔

۲- ادائیگیوں کا محفوظ ذریعہ:- چیک کو ادائیگیوں کے لئے محفوظ ترین ذریعے کے طور پر بھی، بخوبی استعمال کیا جاتا ہے، کاروباری ادارے اور تاجر لوگ باہمی ادائیگیوں

کے لئے عموماً کراس چیک جاری کرتے ہیں، ایسے چیک چونکہ جس شخص یا ادارے کے نام جاری کئے جائیں، وہ صرف ان کے کھاتوں میں جمع ہونے کے بعد ہی قابل وصول ہوتے ہیں، اس لئے ان کے چوری یا ضائع ہو جانے کے باوجود ان میں مندرجہ رقم کے ضائع ہونے خطرہ نہیں ہوتا، اس کے علاوہ ادائیگیوں کی رسید کا قانونی تقاضا بھی پورا کرتے ہیں۔

۳۔ با کفایت عمل پیرائی:- چیکوں کے استعمال سے نقد زر کا استعمال کم ہو جاتا ہے، اس سے نقد زر کے لین دین کی بچت ہو جاتی ہے، بڑی بڑی ادائیگیوں اور وصولیوں کا تصفیہ کھاتوں میں اندراج سے ہو جاتا ہے، اور اس عمل میں نقد زر کے باہمی لین دین اس کے گھٹنے، ادھر ادھر لے جانے اور پھر اس کی حفاظت کرنے جیسے اقدامات کی ضرورت نہیں پڑتی، اس طرح چیک ادائیگیوں اور وصولیوں کا انتہائی با کفایت عمل ثابت ہوتا ہے، جس کی بدولت کاروباری سرگرمیوں کو خوب پھلنے پھولنے کے زیادہ سے زیادہ مواقع حاصل ہو جاتے ہیں۔

مبادلاتی بلوں (Bill of Exchange) کے فوائد

مبادلاتی بل اعتبار کے کاروبار کے لین دین میں متعدد فوائد انجام دیتا ہے، مثلاً:-
۱۔ بطور وسیلہ مبادلہ:- یہ بل ملکی اور بین الاقوامی تجارت میں بطور وسیلہ مبادلہ (Medium of Exchange) کے فوائد کا حامل ہوتا ہے، اور تجارتی لین دین میں ادائیگی کے لئے مؤثر اور اہم ذریعہ ادائیگی تصور کیا جاتا ہے۔

۲۔ فریقین کے لئے فائدے کا باعث:- مبادلاتی بل کی صورت میں ایک طرف ادھار پر مال فروخت کرنے والے فریق کو اپنی رقم کی عدم وصولی کا خطرہ کم سے کم رہ جاتا ہے، تو دوسری طرف مال کے خریدار کو اس کی بدولت یہ سہولت حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ رقم ادا کئے بغیر مطلوبہ مال خرید سکتا ہے، اور بل کی ادائیگی اس کی مدت ختم ہونے پر کر سکتا ہے، اس وقت تک اشیاء فروخت ہو چکی ہوتی ہیں، اس طرح مبادلاتی بل فروخت کار اور

خریدار کے درمیان ادھار کاروباری لین دین میں ایک اہم وسیلہ ادائیگی بن کر دونوں فریقین کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

۳۔ ادائیگیوں کا محفوظ ذریعہ:- مبادلاتی بل ادائیگی کے ایک محفوظ ذریعے کے فرائض بھی بخوبی انجام دیتا ہے، کیونکہ عدم ادائیگی کی صورت میں بل کا حامل شخص عدالتی چارہ جوئی کے ذریعے باسانی بل کی رقم وصول کر سکتا ہے۔

۴۔ بل پر کٹوتی کا فائدہ:- مبادلاتی بل مدت پوری ہونے سے پہلے بھی کیش ہو سکتا ہے، جس کے لئے اسے بینک میں کٹوتی کے لئے پیش کیا جاسکتا ہے، کٹوتی کی صورت میں بینک بل کی بقیہ مدت کا سود مقررہ شرح سے کاٹ کر باقی نقد رقم ادا کر دیتا ہے۔

ذریعہ اعتباری کے معتبر ہونے کی شرطیں

اہل قانون کے نزدیک ”ذریعہ اعتباری“ کے معتبر ہونے کی کچھ شرطیں ہیں، جن کے بغیر ذریعہ اعتباری ڈرہائی نہیں، اور قانوناً اس کے ساتھ ذریعہ معاملہ نہیں کیا جاتا، ذیل میں ہم ان شرطوں کا خلاصہ بیان کرتے ہیں:-

۱۔ باہمی رضامندی:- اس شرط کا پایا جانا مرتب (Drawer) اور مرتب الیہ (Drawee) دونوں میں ضروری ہے، مرتب کی طرف سے اس پر دستخط، اور مرتب الیہ کا اس کو وصول کرنا ہی ان دونوں کی رضامندی اور خوشی کی علامت ہے۔

۲۔ سبب:- یعنی جس کی وجہ سے یہ دستاویز یا کاغذ تیار کیا جاتا ہے۔ جس کو ”باعث“ اور ”داعی“ بھی کہتے ہیں۔ لہذا سبب سے مراد باعث تحریر ہے۔

۳۔ محل:- جس کی بدولت ذریعہ اعتباری ڈرہو، اور وہ نقد ہی ہے، یعنی ذریعہ اعتباری کا محل ”نقد“ ہے، چنانچہ سامان وغیرہ پر مشتمل کاغذ ذریعہ اعتباری نہیں ہو سکتا۔

۴۔ اہلیت:- اہلیت کا پایا جانا ایک ایسی شرط ہے جس کا پایا جانا ہر چیز کے لئے ضروری ہے، اہلیت کے بغیر کوئی چیز قانوناً شرعاً معتبر نہیں، بعض اہل قانون نے اہلیت کے

لئے عمر کی قید بھی لگائی ہے، یعنی اکیس سال، اکیس سال سے کم عمر والا شخص ذر اعتباری کے ساتھ لین دین نہیں کر سکتا لہٰذا یہ کہ محکمے کی طرف سے اس کو اس کی اجازت حاصل ہو۔ جیسا کہ ستر بن ثواب المجید اپنی کتاب میں تحریر کرتے ہیں:-

واهل القانون يحددون سنا معينة للاهلية وهي احدى

وعشرين سنة-

اہل قانون اہلیت کے لئے عمر کی حد بندی کرتے ہیں، اور وہ اکیس سال ہے۔^(۱)

۵- مرتب (Drawer) کے دستخط:- ذر اعتباری پر مرتب کے دستخط

ضروری ہیں۔

۶- مرتب الیہ (Drawee):- وہ شخص جس کے نام حکم نامہ لکھا جاتا ہے، اس کا

نام دستاویز پر لکھنا ضروری ہے۔

۷- وصول کنندہ (Payee):- حکم نامہ پر وصول کنندہ کا نام کا ہونا بھی

ضروری ہے۔

۸- جاری کرنے کی تاریخ اور جگہ کا نام لکھنا ضروری ہے۔

۹- ادائیگی کی تاریخ اور جگہ کا نام لکھنا بھی ضروری ہے۔

۱۰- رقم کا اندراج اور مقدار کی تعیین بھی ضروری ہے۔

۱۱- ”مالیت وصول شدہ“ یا ”برائے مالیت وصول شدہ“ کے الفاظ کا اندراج بھی

ضروری ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ عام طور پر مبادلہ قاتی بل (ہنڈی) اور چیک کے تین فریق

ہوتے ہیں:-

(۱) احکام الاوراق النقدية والتجارية المجید (ستر بن ثواب) السعودیة، الطائف، مکتبة

الصدیق، طبع اول ۱۹۹۳ء (ص ۲۴۹)۔

الف:- مرتب (Drawer)

ب:- مرتب الیہ (Drawee)

ج:- وصول کنندہ (Payee)

اور بانڈز کے عام طور پر دو فریق ہوتے ہیں: مرتب اور مرتب الیہ۔

اسی وجہ سے مبادلاتی بل (ہنڈی) اور چیک کو عربی میں "ثلاثیۃ الاطراف" اور بانڈز کو "ذو طرفین" کہا جاتا ہے۔^(۱)

زیر اعتباری میں لین دین کے طریقے

زیر اعتباری میں لین دین کا اہم طریقہ "تظہیر" (Endorsement) ہے، مظہیر سے مراد قابل منتقلی آلات اعتبار یعنی چیکوں، وعدے ناموں اور مبادلاتی بلوں وغیرہ کی رقم کی وصولی کے لئے کسی دوسرے شخص کو اختیار دینا ہے، آلات اعتبار خصوصاً وعدے ناموں اور مبادلاتی بلوں کی ادائیگی کے لئے مدت دی ہوئی ہوتی ہے جو ملکی آلات اعتبار میں کم سے کم ایک ماہ اور زیادہ سے زیادہ تین ماہ اور غیر ملکی بلوں کی صورت میں چھ ماہ تک ہوتی ہے، اس مدت کے دوران آلات اعتبار ایک دوسرے اور دوسرے سے تیسرے شخص کو منتقل ہوتے رہتے ہیں، تاہم اس کے لئے تحریری مظہیر ضروری ہوتی ہے، اور یہ اسی صورت میں درست قرار دی جاسکتی ہے جبکہ متعلقہ شخص اس کا مجاز ہو، اور اس میں وہ ساری شرائط پائی جاتی ہوں، جن کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں آچکا ہے۔

تظہیر (Endorsement) کے قانونی تقاضے

تظہیر کو قانونی طور پر مندرجہ ذیل تقاضوں کو پورا کرنا چاہئے:-

۱- تظہیر کو مبادلاتی بل پر درج کیا جانا چاہئے، اور اس مقصد کے لئے سپرد کرنے

(۱) احکام الاوراق النقدية والتجارية المعیود (ستر بن ثواب) السعودیة، الطائف، مکتبۃ

الصدیق، طبع اول ۱۹۹۳ء (ص ۲۵۰)۔

والے کے دستخط بھی کافی سمجھے جاتے ہیں۔

۲۔ **تظہیر** کے لئے ضروری ہے کہ وہ بل کو مکمل طور پر سپرد کئے جانے کے لئے ہونی چاہئے، یعنی بل کو جزوی طور پر کسی کے سپرد نہیں کیا جاسکتا، اور نہ ہی ایک بل کو ایک ہی وقت میں مختلف اشخاص کے سپرد کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ اگر بل کی ادائیگی دو یا دو سے زیادہ افراد کے حکم سے مشروط ہو، تو ایسی صورت میں فرد افراد ان تمام مجاز کی طرف سے ادا کی جانی چاہئے۔

۴۔ جب بل حسب حکم ادا کیا جانے والا ہو، اور اس میں سپرد کنندہ کا نام غلطی سے لکھا گیا ہو، تو ایسے شخص کو بل کسی دوسرے شخص کو سپرد کرتے وقت وہی نام لکھنا چاہئے جو بل پر لکھا گیا ہو، تاہم اگر وہ چاہے تو سپردگی (تظہیر) کے ساتھ اپنا صحیح نام لکھ دے، وہ بل میں لکھے گئے نام کی تصدیق بھی کرنے کا مجاز ہوتا ہے۔

۵۔ اگر بل کئی بار تظہیر کے ذریعے منتقل کیا جاتا رہا ہو، تو اس صورت میں سپردگی کی اہمیت اور اصلیت اس کی ترتیب کے ذریعے ظاہر کی جاتی ہے، مثلاً ایک بل یکم جنوری کو انور کے نام سپرد کیا گیا، اور وہی بل تمیز جنوری کو اکبر کے نام اور اکبر نے وہی بل تمیز جنوری کو حامد کے نام کر دیا، تو ایسی صورت میں انور، اکبر اور حامد کا حق بل پر اسی ترتیب سے قائم کیا جائے گا۔

تظہیر (Endorsement) کی اقسام

تظہیر کو مندرجہ ذیل سات اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے:-

۱۔ **تظہیر محض (Blank Endorsement)**:- محض تظہیر بل کی پشت پر مجاز سپرد کار کے محض دستخطوں پر مشتمل ہوتی ہے، اس قسم کی تظہیر اگر کسی بل کے یا بند (Payee) یا سپرد کنندہ (Endorsee) کی طرف سے کی گئی ہو، تو پھر وہ بل ایک عام حامل بل کی طرح قابل ادا ہوگا یعنی اسے جو شخص بھی پیش کرے گا، وہ اسے ادا کر دیا جائے گا۔

۲- خصوصی تظہیر (Special Endorsement):- خصوصی تظہیر یا سپردگی وہ ہے جو اس شخص کے نام مخصوص کردے جسے یا جس کے حکم سے بل قابل ادا ہو، اس قسم کی تظہیر میں سپردکار بل کی پشت پر اپنے دستخطوں کے ساتھ اس شخص کا نام بھی درج کر دیتا ہے، جسے یا جس کے حکم سے وہ بل قابل ادا ہوتا ہے۔

۳- مشروط تظہیر (Conditional Endorsement):- مشروط تظہیر کی صورت میں بل کی ادائیگی کو کسی شرط کے پورا ہونے سے مشروط کر دیا جاتا ہے، مثلاً اگر کم کو اس بل کی رقم بل آف لینڈنگ (Bill of Landing) کی حوالگی پر ادا کر دی جائے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر کم مذکورہ بل آف لینڈنگ کی حوالگی کے بعد ہی بل کی رقم وصول کرنے کا حقدار ہوگا۔

۴- جزوی تظہیر (Partial Endorsement):- جزوی تظہیر کی صورت میں بل کی کل رقم کا کچھ حصہ کسی اور شخص کو ادا کرنے لئے کہا جاتا ہے مثلاً ایک ہزار روپے کے اس بل میں سے سات سو روپے اگر کم کو ادا کر دیئے جائیں، جزوی تظہیر کی صورت میں اگر کم اس بل میں سے سات سو روپے کی رقم وصول کرنے کا مجاز تو بن جاتا ہے، مگر بل اس کے نام منتقل نہیں ہو سکتا ہے۔

۵- پابند تظہیر (Restrictive Endorsement):- پابند تظہیر کی صورت میں بل کی ادائیگی کسی خاص شخص کے لئے مخصوص کر دی جاتی ہے مثلاً اس بل کی رقم صرف اگر کم کو ادا کر دی جائے، یا اس بل کی رقم صرف اس کھاتہ نمبر میں جمع کی جائے وغیرہ۔

۶- منفی تظہیر (Negative Endorsement):- جب سپردکار اپنے دستخطوں کے ساتھ ان الفاظ کا اضافہ کر دے ”بلا رجوع یا عدم ادائیگی کی ذمہ داری میری نہیں ہوگی“ (Sans Recourse or Without Recourse to Me) تو اس حوالگی کے تحت منتقل کرنے والے پر زیادہ ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، اور اگر وہ بلا اخراجات (Sans Frairs) یا (No Charges) کے الفاظ لکھ دے، تو اس سے وہ دیگر قسم کے اخراجات کی

ذمہ داری سے مستثنیٰ ہو جائے گا۔

۷۔ مجاز تظہیر (Facultative Endorsement): - مجاز پردگی وہ ہے جس میں سپردکار اپنے کچھ یا سارے حقوق سے دستبردار ہو جائے، مثلاً کسی شخص کے نام ایک بل کی عدم ادائیگی کے نوٹس کو واپس لے لینا مجاز پردگی ہوگی۔



باب ہشتم

مالیاتی دستاویزات

چونکہ مالیاتی دستاویزات کے شرعی حکم بیان کرنے میں ”بیع الدین“ اور ”حوالہ“ کی بحث بکثرت آئے گی، اور مالی دستاویزات میں سے اکثر کا شرعی حکم اسی بحث پر موقوف ہے، اس لئے ضروری ہے کہ مالی دستاویزات پر گفتگو کرنے سے پہلے ”بیع الدین“ اور ”حوالہ“ سے بحث کی جائے، اس کی مختلف صورتیں بیان کی جائیں، اور ہر صورت کا شرعی حکم بیان کیا جائے۔

آج کل کے سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) میں ”بیع الدین“ کا لین دین بکثرت ہونے لگا ہے، اور بہت سارے مالی دستاویزات میں اس کا رواج ہونے لگا ہے، کبھی قیمت اسمیہ (Face Value) سے کم پر مالی دستاویز بیچا جاتا ہے، اور کبھی قیمت اسمیہ سے زیادہ پر۔

”بیع الدین“ ترکیب اضافی ہے، جو دو اجزاء پر مشتمل ہے، یعنی بیع اور دین، بیع کے معنی فروخت (Sale) کرنے کے ہیں، اور دین کے معنی ادھار (Debt) کے ہیں، تو اس مرکب کے معنی ہوئے ادھار کو فروخت کرنا۔

بیع الدین کی بہت ساری صورتیں ہیں، جو تین قسم میں منحصر کی گئی ہیں:-

۱- بیع الدین بالذین

۲- بیع الدین ممن علیہ الذین

۳- بیع الدین من غیر من علیہ الذین

۱- بیع الدین بالدين

اس کو ”بیع الکالی بالکالی“ بھی کہتے ہیں، ”کالی“ بھی ادھار کو کہتے ہیں۔ اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں کہ معاملہ خود مدیون کے ساتھ ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ معاملہ کسی تیسرے شخص کے ساتھ ہو۔ مثلاً زید عمرو سے کہتا ہے کہ میں نے تم سے ایک ٹن گندم دو ہزار روپے میں خریدی، لیکن میں گندم پر اور تم دو ہزار روپے پر ایک ماہ بعد قبضہ کریں گے، اس مثال میں دو ہزار روپے زید کے ذمہ دین ہے، اور ایک ٹن گندم عمرو کے ذمہ دین ہے، یہ بیع الدین بالدين ہے، اس لئے کہ دونوں طرف معاملہ ادھار پر ہوا۔

یا مثلاً زید نے بیع سلم کے طریقے سے ایک ٹن گندم بیچی، لیکن جب وقت مقررہ آ گیا، تو وہ ایک ٹن گندم دینے سے عاجز رہا، تو اس نے خریدنے والے سے کہا کہ میرے ذمہ جو تمہارا ایک ٹن گندم ہے، وہ مجھے تین ہزار روپے میں بیچو، لیکن میں تین ہزار روپے ایک ماہ بعد ادا کر دوں گا، یہ بیع الدین بالدين ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

یہ قسم جمہور علمائے کرام کے نزدیک ناجائز ہے، اور اس میں ان کی دلیل مشہور حدیث ہے جو درج ذیل ہے:-

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن بیع الکالی بالکالی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھار بمقابلہ ادھار فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔^(۱)

(۱) لهذا الحدیث مروی عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فیما أخرجه الحاكم فی المستدرک ۱۵۰۲ رقم الحدیث: ۲۳۳۲ طبع بیروت ۱۴۱۱ھ والدارقطنی فی سننہ ۱: ۳۱۷ رقم الحدیث: ۲۶۹ من کتاب البیوع، والبیہقی فی سننہ الکبریٰ ۲: ۵۶۱ باب ما جاء فی النہی عن بیع الدین بالدين، وعبدالرزاق فی مصنفہ ۸: ۹۰ رقم الحدیث: ۱۲۳۳ وغیرہ۔

اس حدیث شریف پر بعض علماء نے کچھ کلام کیا ہے، لیکن اصولی حدیث کے پیش نظر یہ حدیث قابل استدلال ہے، اور اُمت نے اس حدیث کو قبول کیا ہے، اور علماء نے اس حدیث سے اس باب میں استدلال کیا ہے، اس کو "تلقی بالقبول" کہتے ہیں، اس سے حدیث کے ضعف کی تلافی ہو جاتی ہے، چنانچہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:-

و كَذَا مَا اعْتَصَدَ بِتَلْقَى الْعُلَمَاءُ لَهُ بِالْقَبُولِ قَالَ بَعْضُهُمْ:
يَحْكُمُ لِلْحَدِيثِ بِالصَّحِيحَةِ إِذَا تَلَقَّاهُ النَّاسُ بِالْقَبُولِ وَإِنْ لَمْ
يَكُنْ لَهُ اسْنَادٌ صَحِيحٌ، قَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ فِي الْإِسْتِزْكَارِ: لَمَّا
حَكِيَ عَنِ التِّرْمِذِيِّ أَنَّ الْبُخَارِيَّ صَحَّحَ حَدِيثَ الْبَحْرِ: هُوَ
الْظُّهْرُ مَالِيَهُ، وَأَهْلُ الْحَدِيثِ لَا يَصْحَحُونَ مِثْلَ اسْنَادِهِ،
لَكِنَّ الْحَدِيثَ عِنْدِي صَحِيحٌ لِأَنَّ الْعُلَمَاءَ تَلَقَّوْهُ بِالْقَبُولِ
وَقَالَ فِي التَّمْهِيدِ: رَوَى عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ: الدِّينَارُ أَرْبَعَةٌ وَعَشْرُونَ قَهْرَاطًا، قَالَ: وَفِي قَوْلِ
جَمَاعَةِ الْعُلَمَاءِ وَإِجْمَاعِ النَّاسِ عَلَى مَعْنَاهُ غَنَى عَنِ الْإِسْنَادِ
فِيهِ-^(۱)

علامہ سیوطی رحمہ اللہ کے اس کلام کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ اگر کوئی حدیث ضعیف ہو، لیکن اس کو تلقی بالقبول حاصل ہو جائے تو اس حدیث کا ضعف ختم ہو جاتا ہے۔

بہر حال جمہور فقہائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ "بیع الکامی بالکامی" ناجائز ہے، بلکہ بعض علمائے کرام نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

۲- بیع الدین ممن علیہ الدین

یعنی جس پر دین ہو، اسی کو دین بیچا جائے، مثلاً زید کے ذمہ عمرو کا دین ہے، تو زید مدیون ہے اور عمرو دائن ہے، تو زید عمرو سے کہتا ہے کہ تمہارا جو قرضہ میرے ذمہ ہے، اس

(۱) تہذیب الراوی للسیوطی ص: ۲۵، طبع المہدینۃ المنورۃ۔

کے بدلے میں مجھ سے یہ کیڑا خریدو، یا عمرو کہے کہ جو قرضہ میرا تمہارے ذمہ ہے، اس کو میں تمہیں اس کیڑے کے بدلے میں بیچ دیتا ہوں، یہ صورت جمہور فقہائے کرام کے نزدیک جائز ہے۔

علامہ کاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:-

ويجوز بيعه (يعني الدين) ممن عليه لأن المانع هو العجز
عن التسليم ولا حاجة إلى التسليم هنا ونظيرة: بيع
المغصوب أنه يصح من الغاصب ولا يصح من غيره إذا
كان الغاصب منكراً ولا يمتة للمالك-

جس پر دین ہے، اس پر دین فروخت کرنا جائز ہے، کیونکہ مانع عجز عن التسليم ہے، اور یہاں تسلیم کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔^(۱)

لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ جتنی شرطیں عام بیچ کے معتبر ہونے کے لئے ضروری ہے، وہ تمام شرطوں کا تحقق ہونا یہاں بھی ضروری ہے، مثلاً عام بیچ میں یہ شرط ہے کہ بیع بائع کے قبضے میں ہو، یہ شرط بیع الدین کی مذکورہ صورت میں ہونا بھی ضروری ہے، اور اسی وجہ سے مسلم فیہ (بیع) کو مسلم الیہ کو قبضے سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں، جیسا کہ علامہ کاسانی نے اس کی تصریح فرمائی ہے:-

ولا يجوز بيع المسلم فيه لأن المسلم فيه مبيع ولا يجوز
المبيع قبل القبض-

مسلم فیہ کو فروخت کرنا جائز نہیں، کیونکہ مسلم فیہ بیع ہے، اور بیع کو قبضے سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں۔^(۲)

اسی طرح اگر دین اور اس کا عوض دونوں ربوی ہوں، تو اس کے جواز کے لئے

(۱) بدائع الصنائع (۱۳۸/۵)۔

(۲) ایضاً۔

ربویات کی شرائط پوری کرنا ضروری ہے، اسی وجہ سے اکثر فقہائے کرام نے منع فرمایا ہے کہ دین مؤجل کو مجمل کیا جائے بشرطیکہ بعض دین کو معاف کیا جائے، جسے "ضع وتعجل" کا مسئلہ کہتے ہیں، اور انگریزی میں اس کو "Rebat" کہتے ہیں، جس پر علمائے کرام نے متعلقہ مقام پر مفصل بحث کی ہے۔

اسی طرح اگر دیون نے اپنا دین دائن سے دین کی مقدار سے زائد شین مؤجل پر خریدا، تو یہ بھی عین ربا ہے، اور یہ "اتقضى اثم تریبی" کے اندر داخل ہے، جس کی حرمت قرآن و سنت میں موجود ہے، مثلاً:-

زید کے عمرو کے ذمہ ایک ہزار روپے دین واجب الاداء ہے، اب عمرو زید سے یہ ایک ہزار روپے ڈپڑھ ہزار روپے میں ایک ماہ کی تاخیر پر خرید رہا ہے، تو اس کا ربا ہونا بالکل ظاہر ہے۔

۳- بیع الدین من غیر من علیہ الدین

یہ بیع الدین کی تیسری صورت ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ دائن اپنا دین کسی تیسرے شخص (Third Person) کو فروخت کرتا ہے، اس کے حکم میں اختلاف ہے۔ حضرات حنفیہ اور حنبلیہ کا موقف یہ ہے کہ یہ صورت ناجائز ہے، چنانچہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

لا ینبغی للرجل اذا کان له دین ان یشیعہ حتی یشوفہ

لأنه غدر فلا یددی ایخو جوام لا یخو جوام

جب تک کوئی شخص اپنا دین وصول نہ کرے، اس کے لئے اس کو

فروخت کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس میں غرر ہے، کچھ پتہ نہیں کہ وہ

دین وصول ہو یا نہ ہو۔^(۱)

(۱) الموطأ للإمام مالک رحمہ اللہ، باب الرجل یکون له العطایا او الدین علی الرجل

علامہ کا ساقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

ولا یعتقد ببع الدین من غیر من علیہ الدین لأن الدین
إما أن یکون عبارة عن مال حکمی فی الذمه وإما أن
یکون عبارة عن فعل تمليك المال وتسليمه وكل ذلك
غیر مقدور التسليم فی حق البائع ولو شرط التسليم علی
المديون لا یصح ایضاً لأنه شرط التسليم علی غیر البائع
فیكون شرطاً فاسداً فیفسد البیع-

غیر مدیون کے ساتھ بیع الدین کا عقد منعقد نہیں ہوتا، کیونکہ یا تو دین
مالی حکمی فی الذمہ سے عبارت ہے، اور یا تملیک المال کے فعل سے
عبارت ہے، اور دونوں صورتیں بائع کے حق میں غیر مقدور التسليم
ہیں، اور اگر مدیون پر تسلیم کو شرط قرار دیا جائے، تو یہ بھی درست
نہیں، کیونکہ یہ شرط غیر بائع کی طرف متوجہ ہے، تو یہ شرط فاسد ہوگی،
جس سے بیع فاسد ہو جائے گی۔^(۱)

قاضی ابویعلیٰ حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

واختلف فی ببع الدین ممن هو علیہ فنقل ابو طالب المنع
ونقل منه جواز ذلك ولا تختلف الرواية انه لا يجوز ببعه
من غیر من هو فی ذمه الغیر-

دین کو فروخت کرنا ممن علیہ الدین میں اختلاف ہے، چنانچہ
ابوطالب نے منع نقل فرمایا ہے، لیکن جواز بھی منقول ہے، اور دین
کو ممن علیہ الدین کے ناجائز ہونے میں کوئی اختلاف
روایت نہیں۔^(۲)

(۱) بدائع الصنائع (۱۳۸/۵)۔

(۲) کتاب الروایاتین والوجهین لأبی یعلیٰ (۳۵۷/۱)۔

علامہ مرداوی حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:-

لا يجوز بيع الدّين المستقر لغیر من هو فی ذمته وهو
الصحيح من المذهب وعليه الأصحاب الغر
دین کو فروخت کرنا ممن لیس علیہ الدین کو جائز نہیں، یہی صحیح مذہب
ہے، اور اسی کو اصحاب نے اختیار کیا ہے۔^(۱)

اہم نوٹ

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ بیع الدین ممن لیس علیہ الدین بیع کے طریقے سے ممنوع
ہے، اگر یہ حوالے کے طریقے سے ہو، تو سب کے نزدیک جائز ہے، بیع اور حوالہ میں یہ فرق
ہے کہ حوالہ میں اگر محال علیہ مفلس ہو جائے، یا انکار کرے، اور گواہ موجود نہ ہوں، تو اس
صورت میں محال (اصل دائن) اپنا دین وصول کرنے کے لئے محیل (اصل مدیون) کی
طرف رجوع کر سکتا ہے، لیکن بیع کی صورت حال یہ ہے کہ جب مدیون اپنا دین فروخت
کرے، تو گویا کہ دین خریدنے والا تمام حقوق میں مدیون کا قائم مقام بن جاتا ہے، لہذا
جب مدیون مفلس ہو جائے یا دین کا انکار کرے، تو اس کے لئے جائز نہیں کہ دین فروخت
کرنے والے کی طرف رجوع کرے، یہیں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ بیع کی صورت میں
غرر ہے، اور حوالہ کی صورت میں غرر نہیں ہے، اس لئے کہ دائن محیل کی طرف رجوع کر سکتا
ہے، کما مر۔

بہر حال حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک بیع الدین ممن لیس علیہ الدین ناجائز ہے،
جہاں تک مالکی اور شافعی مذہب کا تعلق ہے تو وہ درج ذیل ہے:-

مذہب مالکی

ان کے نزدیک بھی اصل یہی ہے کہ یہ صورت ناجائز ہے، لیکن چند شرائط کے

(۱) الانصاف للمرداوی (۱/۱۲۵)، وراجع ایضاً القروۃ لابن مفلح (۳/۸۵)۔

ساتھ انہوں نے اس کی اجازت دی ہے، جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:-

۱- مدیون حاضر ہو۔

۲- مدیون دین کا اقرار کرتا ہو۔

۳- دین اس قبیل سے ہو کہ اس کی بیع قبل القبض جائز ہو، لہذا دین اگر طعام کی شکل میں ہو، تو اس کی بیع جائز نہیں، کیونکہ طعام کی بیع قبل القبض جائز نہیں۔

۴- دین کا تبادلہ غیر جنس کے ساتھ ہو۔

۵- یہ معاملہ سونے و چاندی کا نہ ہو۔

۶- مدیون اور دین خریدنے والے کے درمیان عداوت نہ ہو۔

اس سلسلے میں علامہ زرقانی مالکی کی عبارت ملاحظہ ہو:-

ومنع بيع الدين علي الغائب ولو قربت غيبته او ثبت
ببينة وعلم ملاءه بخلاف الحوالة عليه فانها جائزة
ومنع بيع دين علي حاضر ولو ببينة إلا ان يقر والدّين
مما يباع قبل قبضه وبيع غير جنسه وليس ذهابا بفضة ولا
عكسه وليس بين مشتريه ومن عليه عداوة ولا قصد
اعنائه فلا بد من هذه الخمسة شروط لجواز بيعه زيادة
علي قوله يقر-^(۱)

اس عبارت کا حاصل وہی شرائط ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں۔

مذہب شافعی

ان کے ہاں اس سلسلے میں روایات مختلف ہیں، علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

اعلم ان الاستبدال بيع لمن عليه دين، فاما بيعه لغيره
كمن له علي انسان مائة فاشترى من آخر عبدا بتلك

المائة فلا يصح على الأظهر لعدم القدرة على التسليم
وعلى الثاني يصح بشرط أن يقبض المشتري الدين ممن
عليه وإن يقبض بائع الدين العوض في المجلس فإن تفرقا
قبل قبض أحدهما بطل العقد، قلت: الأظهر الصحة-^(۱)
وفى شرح المذهب: فاما بيعه لغيره كمن له على رجل مائة
فاشتري من آخر عبداً بتلك المائة ففي صحته قولان
مشهوران أصحهما: لا يصح لعدم القدرة على التسليم
والثاني: يصح بشرط أن يقبض المشتري الدين ممن هو
عليه وإن يقبض بائع الدين العوض في المجلس فإن تفرقا
قبل قبض أحدهما بطل العقد-^(۲)

ان نصوص کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ بیع الدین من غیر المدیون شافیہ کے ہاں جائز
نہیں، البتہ اگر مشتری مجلس عقد میں دین پر قبضہ کر لے، لیکن ظاہر ہے کہ اس شرط کی وجہ سے
دین دین ہی نہیں رہا، تو حاصل یہی رہا کہ بیع الدین من لیس علیہ ان کے ہاں جائز نہیں۔
اسی وجہ سے علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے منہاج الطالبین میں عدم جواز کا قول ہی ذکر کیا
ہے، چنانچہ فرمایا:-

وبيع الدين لغير من عليه باطل في الأظهر بأن اشترى
عبد زيد بمائة له على عمرو-^(۳)

ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر شافیہ مطلقاً بیع الدین من لیس علیہ کو
ناجائز کہتے ہیں۔

(۱) روضة الطالبین للنووی (۵۱۴/۳)۔

(۲) المجموع شرح المذهب (۳۰۰/۹)۔

(۳) منہاج النووی مع مفنی المحتاج (۷۱/۲)۔

خلاصہ

خلاصہ بحث یہ کہ بیع الدین کی تین صورتیں ہیں، پہلی صورت جمہور علماء کے نزدیک ناجائز ہے، دوسری صورت جائز ہے، اور تیسری صورت حنفیہ، حنابلہ اور اکثر شافعیہ کے نزدیک ناجائز ہے، البتہ مالکیہ کے نزدیک چند شرائط کے ساتھ یہ صورت جائز ہے، لیکن ان تمام شرائط کو پورا کرنا آسان کام نہیں، اس لئے ظاہر یہی ہے کہ ان کے مذہب کا حاصل بھی عدم جواز ہی نکلتا ہے۔^(۱)

حوالہ

دوسری بحث جس کا تذکرہ مالیاتی و ستاویزات میں بکثرت ہوتا ہے، وہ حوالہ کی بحث ہے، لہذا حوالہ کی تعریف و حقیقت، چند مخصوص اصطلاحات، حوالہ کی شرائط اور احکام کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

حوالہ کی تعریف

حوالہ لغت میں ”نقل“ کو کہتے ہیں، یعنی منتقل ہونا یا منتقل کرنا، اور اصطلاح شرع میں اس کی تعریف درج ذیل ہے:-

نقل الدین من ذمة المحیل إلى ذمة المحتال علیہ۔

ذین محیل کے ذمہ سے محتال علیہ کے ذمہ کی طرف منتقل ہو جائے۔^(۲)

یعنی ذین (Debt) محیل کے ذمہ واجب ہوتا ہے، لیکن حوالہ کے بعد اس کے

(۱) من اراد ان يطالع هذا البحث الأنيق بالإستيعاب فله ان يراجع كتاب ”بحوث في قضايا فقهية معاصرة“ المجلد الثاني، للشيخ المفتي محمد تقی عثمانی، مکتبہ دارالعلوم کراتشی، طبع ربیع الأول ۱۴۳۶ من الهجرة النبویة علی صاحبها الصلاة والسلام۔

(۲) الدر المختار، کتاب الحوالہ، اور ہندیہ کے الفاظ یہ ہیں: نقل الدین من ذمة إلى ذمة هو

الصحيح كذا في التهر الخانق (۹۵:۳)۔

ذمہ سے محال علیہ کے ذمہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، اور محیل کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے، اور یہی فرق ہے حوالہ اور کفالہ میں کہ حوالہ میں ”انتقال“ پایا جاتا ہے، اور کفالہ میں ”ضم“ پایا جاتا ہے، یعنی کفالہ میں اصل مدیون کے ساتھ کفیل کا ذمہ بھی مشغول ہو جاتا ہے، اور اصل مدیون بری عن الدین نہیں ہوتا۔

اصطلاحات

محیل :- اصل مدیون (Debter) کو کہتے ہیں۔

محال/محال/محال لہ: :- اصل دائن (Creditor) کو کہتے ہیں۔

محال علیہ/محال علیہ :- تیسرے شخص (Third Person) کو کہتے ہیں، یعنی جو قرضے کی ادائیگی اپنے ذمہ لے لیتا ہے۔

محال بہ :- ذین (Debt) کو کہتے ہیں۔

توی :- لغت میں ہلاک المال کو کہتے ہیں، اور شریعت میں اس کی دو صورتیں ہیں :-

۱- محال علیہ حوالہ کا انکار کرے، اور قسم بھی کھائے کہ میں نے حوالہ قبول نہیں کیا ہے، اور محال کے پاس شرعی گواہ نہیں ہیں۔

۲- محال علیہ مفلس ہونے کی حالت میں مرجائے۔

ان دونوں صورتوں میں اگر دائن اصل مدیون سے اپنے ذین کا مطالبہ نہ کرے، تو اس کا مال ہلاک یعنی ضائع ہو جائے گا، اس کو ”توی“ کہتے ہیں۔

رکن حوالہ

حوالہ کا رکن صرف ایجاب و قبول ہے، یعنی محیل کی طرف سے ایجاب ہو، اور

محال علیہ اور محال دونوں کی طرف سے قبول ہو، جیسا کہ علامہ کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :-

اما رکن الحوالۃ فهو الإيجاب والقبول، الإيجاب من

المحیل والقبول من المحال علیہ والمحال جمیعاً الخ۔^(۱)

شرائطِ حوالہ

حوالہ میں اطرافِ ثلاثہ یعنی محیل، محال لہ، اور محالِ تینوں کا عاقل ہونا، بالغ ہونا، اور تینوں کی رضا مندی کا پایا جانا ضروری ہے، لہذا اطرافِ ثلاثہ میں سے کسی بھی طرف کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ نیز محال بہ کا دین ہونا بھی ضروری ہے، لہذا اعیان کا حوالہ درست نہیں۔ نیز دین وغیرہ کا معلوم ہونا ضروری ہے، لہذا حوالہ بالمحجول جائز نہیں۔ چنانچہ معاییر شرعیہ میں لکھا ہے:-

یشترط أن یکون کل من الدین المحال به والدائن
المحال علیہ معلوماً صحیحاً قابلاً للنقل۔^(۲)

اقسامِ حوالہ

حوالہ کی درج ذیل چار قسمیں ہیں:-

۱۔ حوالہ مقیدہ، ۲۔ حوالہ مطلقہ، ۳۔ حوالہ حالہ، ۴۔ حوالہ مؤجلہ۔

حوالہ مقیدہ:- اس میں محیل کا محال علیہ کے ذمہ کوئی دین یا عین واجب ہوتا ہے، اور حوالہ میں یہ شرط لگائی جاتی ہے کہ محال علیہ اسی میں سے محیل کا دین ادا کرے گا، اس صورت میں محال علیہ کو دین کی ادائیگی کی صورت میں محیل کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں۔

حوالہ مطلقہ:- اس میں محیل کا محال علیہ کے ذمہ کوئی دین یا عین واجب الادا نہیں ہوتا، بلکہ مذکورہ بالا شرائط کے مطابق محال علیہ اپنے مال میں سے محیل کی طرف سے دین ادا کر دیتا ہے، اور پھر محیل کی طرف رجوع کر لیتا ہے کہ میری رقم دے دو۔

(۱) بدائع الصنائع للکسانسی کتاب الحوالۃ (۱۵/۶)۔

(۲) المعاییر الشرعیۃ (ص: ۱۰۱)۔

حوالہ حالہ:- یہ وہ حوالہ ہے کہ جس میں ذینِ محال علیہ کے ذمہ فی الحال واجب ہو، خواہ پہلے سے اس طرح ہو، یا پہلے سے مؤجل ہو، لیکن حوالہ میں اجل کو ساقط کر دیا گیا ہو۔

حوالہ مؤجلہ:- یہ وہ حوالہ ہے کہ جس میں ذینِ محال علیہ کے ذمہ مؤجل طریقے سے واجب ہوتا ہے، خواہ پہلے سے اس طرح ہو، یا پہلے سے مؤجل ہو، لیکن حوالہ میں اجل کی قید لگائی گئی ہو۔^(۱)

احکام حوالہ

- ۱- حوالہ میں محیل اپنے ذین سے بری ہو جاتا ہے۔
- ۲- اس میں محال کو محال علیہ سے ذین کے مطالبے کی ولایت حاصل ہو جاتی ہے۔
- ۳- اگر محال محال علیہ کا تعاقب شروع کرے، تو محال علیہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ محیل کا تعاقب کرے۔

محال علیہ حوالہ سے کس طرح خارج ہوگا؟ اس کی صورتیں

- ۱- حوالہ فسخ ہو جائے۔
- ۲- قوی کی صورت میں، جس کی تفصیل اصطلاحات کے ذیل میں گزر گئی۔
- ۳- محال علیہ ذین کو ادا کرے۔
- ۴- محال ذین محال علیہ کو ہبہ کرے۔
- ۵- محال ذین محال علیہ کو صدقہ کرے۔
- ۶- محال مرجائے، اور محال علیہ اس کا وارث ہو۔^(۲)

(۱) المعاییر الشرعیة (ص: ۱۰۱)۔

(۲) کل ذلك ماخوذ من بدائع الصنائع للعلامة الكاساني كتاب الحوالة، كذا في الكتب العاقبة للفقہ۔

چیک (Bank Cheque)

بیچ الدین اور حوالہ کی بحث کا خلاصہ ذکر کرنے کے بعد اب ہم اللہ تعالیٰ کے نام سے مالیاتی دستاویزات کا مختصر جائزہ لے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ہر مرحلے پر اپنی مدد شامل حال رکھے۔

چیک کی تعریف

چیک ایک قسم کا تحریری اور دستخط شدہ حکم نامہ ہوتا ہے جس میں بینک کا کوئی کھاتہ دار سے اس کے کھاتہ سے ایک مخصوص رقم کسی دوسرے شخص کو آدایا منتقل کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔^(۱)

ڈاکٹر محمد عثمان شبیر ”چیک“ کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:-

الشيك ماخوذ من الصك وهو وثيقة بمال أو نحوه
والشيك محرر يتضمن أمراً مكتوباً يطلب به الساحب من
المسحوب عليه (المصرف) ان يدفع بمجرد الإطلاع عليه
مبلغاً معيناً من النقود لشخص معين أو لإذنه أو لحامله۔
چیک صک سے لیا گیا ہے، صک مال وغیرہ کے وثیقہ کو کہتے ہیں،
اور چیک ایک مکتوب ہے جس میں ایسا حکم لکھا ہوا ہوتا ہے جس سے
لکھنے والا بینک سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس پر مطلع ہونے کے بعد
ایک خاص مقدار رقم کی کسی خاص شخص یا اس کے اذن سے یا حامل
(Bearer) کو آدا کرے۔^(۲)

(۱) تعارف زر و بکاری (ص: ۲۲۴)۔

(۲) المعاملات المالية العصرية في الفقه الإسلامي (شبیر) محمد عثمان شبیر، اردن، دار
النفاث، طبع ثالث ۱۴۱۹ھ۔

ڈاکٹر جمیل نے یوں تعریف کی ہے:-

هو امر مكتوب وفقا لأوضاع حددها العرف يطلب به الأمر (الساحب) من المسحوب عليه ويكون بنكا غالباً ان يدفع بمقتضاه وبمجرد الإطلاع مبلغاً معيناً لإذن شخص معين أو لحامله۔^(۱)

اس تعریف کا حاصل بھی وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔
آگرہ وال نے یوں چیک کی تعریف کی ہے:-

A cheque is an instrument containing an unconditional order, signed by the depositor, directing his banker to pay on demand a definite sum of money to himself or to the person named therein or the bearer of the cheque.

چیک ایک ایسا آلہ ہے جو غیر مشروط حکم پر مشتمل ہو، اور اس پر ڈپازٹر کے دستخط ہوں، جس میں وہ اپنے بنکر کو ہدایت دیتا ہے کہ مطالبے پر ایک خاص رقم اس کو، یا جس کا اس میں نام ہو، یا حامل ہو ادا کرے۔^(۲)

چیک کے اطراف

کسی بھی چیک کے عموماً تین فریق ہوتے ہیں:-

الف:- مرتب/ساحب (Drawer)

ب:- مرتب الیہ/محبوب علیہ (Drawee) جو عموماً بنک ہی ہوتا ہے۔

ج:- وصول کنندہ/مستفید (Payee)۔

”الف“ سے مراد وہ شخص ہے جو چیک جاری کرتا ہے اور اس پر دستخط کرتا ہے،

(۱) احکام الأوراق النقدية والتجارية، الجعید (متر بین ثواب) السعودية، الطائف،

مکتبۃ الصدیق، طبع اول ۱۹۹۳ء (ص: ۳۶۰)۔

Introduction to Economic Principles Dr. A.N. Agrawal (۲)

”ب“ سے مراد وہ فریق ہے جس کو چیک پیش کیا جاتا ہے، جو عموماً بنک ہی ہوتا ہے، اور ”ج“ سے مراد وہ شخص ہے جس کو چیک میں درج شدہ رقم مل جائے۔

چیک اور مبادلاتی بل (Bill of Exchange) میں چند نمایاں فروق

۱- مبادلاتی بل کسی بھی شخص کے نام جاری کیا جاسکتا ہے، جبکہ چیک صرف متعلقہ بنک کے نام ہی جاری کیا جاسکتا ہے۔

۲- مبادلاتی بل جس کے نام جاری کیا جائے، اس کی طرف سے اس کی قبولیت ضروری ہے، جبکہ چیک میں بنک کی طرف سے قبولیت ضروری نہیں۔

۳- مبادلاتی بل کی ادائیگی مطالبے یا مستقبل کی کسی قابل تعین تاریخ پر ہوتی ہے، جبکہ چیک کی ادائیگی اس پر لکھی ہوئی تاریخ کے مطابق مطالبے پر ہوتی ہے۔

۴- مبادلاتی بل کراس نہیں کیا جاسکتا، جبکہ چیک کو کراس کیا جاسکتا ہے۔

۵- مبادلاتی بل میں ڈسکاؤنٹ ہو سکتا ہے، جبکہ چیک میں کوئی ڈسکاؤنٹ نہیں

کیا جاسکتا۔

۶- مبادلاتی بل میں درج رقم قسطوں میں ادا کی جاسکتی ہے، جبکہ چیک میں درج شدہ رقم کو قسطوں میں ادا نہیں کیا جاسکتا، وغیرہ۔

چیک کی چند مشہور اقسام

بنک چیک کی بہت ساری قسمیں ہیں، یہاں چند مشہور اقسام کو ذکر کیا جاتا ہے:-

۱- حامل چیک (Bearer Cheque):- یہ چیک کی ایک عام اور سادہ

ترین قسم ہے، اس قسم کا چیک بنک میں جو شخص بھی پیش کرتا ہے، بنک اس کی بلا حیل و حجت

ادائیگی کرتا ہے، اس قسم کے چیک کی ادائیگی کا بنک ہرگز ذمہ دار نہیں ہوتا، کیونکہ اس پر اس

قسم کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی کہ وہ اس امر کی لازمی تصدیق کرے کہ اس کے کھاتہ

دار نے وہ چیک جس شخص کے نام جاری کیا ہے، آیا اسے کیش کرانے والا واقعی وہی شخص

ہے یا کوئی دوسرا، جو شخص بھی اسے پیش کرے بنک اسے ادائیگی کرتا ہے، بشرطیکہ چیک کے ضروری مندرجات میں کوئی غلطی نہ ہو۔

۲- ہدایتی چیک (Order Cheque):- یہ وہ چیک ہوتا ہے جو جس شخص کے نام جاری کیا گیا ہو، بنک اس شخص کے نام کی ضروری تصدیق اور تسلی کے بعد ہی اس کی ادائیگی کرتا ہے، نام کی تصدیق کرنا اس شخص کی ذمہ داری ہوتا ہے جس کے نام پر وہ چیک جاری کیا گیا ہو، تصدیق کے بعد یہ ذمہ داری بنک کی بن جاتی ہے کہ جس کے نام چیک جاری کیا گیا ہے یہ چیک مجاز شخص کے علاوہ کوئی دوسرا شخص کیش نہیں کر سکتا۔

۳- خط کشیدہ چیک (Cross Cheque):- یہ محفوظ ترین چیک ہوتا ہے، کیونکہ وہ جس شخص یا ادارے کے نام جاری کیا گیا ہو، وہی اسے کیش کرانے کا مجاز ہوتا ہے، اس میں جعل سازی کے امکانات بہت کم ہوتے ہیں، نیز یہ چیک اکاؤنٹ میں جمع کیا جاتا ہے، براہ راست کیش نہیں ہوتا، اور اس کی کسی چوری وغیرہ کا بھی اندیشہ نہیں ہوتا۔

۴- پس تاریخ چیک (Post Dated Cheque):- یہ وہ چیک ہوتا ہے جو آئندہ کی کسی تاریخ کے لئے جاری کیا گیا ہو، مثلاً آج میں ستمبر ۲۰۰۶ء کو ایک تاجر کسی ادائیگی کے سلسلے میں کسی دوسرے تاجر کو پندرہ دسمبر ۲۰۰۶ء کی تاریخ کا چیک دیتا ہے، اس چیک کا مقصد تاخیر سے ادائیگی کرنا ہوتا ہے تاکہ ادائیگی کرانے والے کو اس دوران اپنے کھاتے میں مطلوبہ رقم جمع کرانے کی سہولت حاصل ہو جائے، اور چیک وصول کرنے والے کو یہ تسلی رہے کہ اسے دی گئی تاریخ پر وصولی ہو جائے گی، ایسا چیک مقررہ تاریخ سے قبل کیش نہیں کیا جاسکتا۔

چیک کو مسترود (Dishonour) کرنے کی وجوہات

بنک درج ذیل قسم کی وجوہات کی بناء پر چیک کو مسترود کر سکتا ہے:-

۱- دستخطوں میں فرق ہو۔

- ۲۔ مقررہ تاریخ سے پہلے پیش کیا جائے۔
- ۳۔ مقررہ تاریخ کے بعد پیش کیا جائے۔
- ۴۔ اکاؤنٹ میں مطلوبہ رقم ناکافی ہو۔
- ۵۔ اکاؤنٹ ہولڈر کا انتقال ہو جائے۔
- ۶۔ بینک دیوالیہ ہو جائے۔
- ۷۔ عدالت اس سے متعلق حکم جاری کرے۔
- ۸۔ چیک میں کوئی تبدیلی ہوئی ہو۔
- ۹۔ مقدار رقم میں فرق ہو۔
- ۱۰۔ دستخطوں میں دھوکے سے کام لیا گیا ہو۔

چیک کی شرعی تکلیف

چیک کی شرعی تکلیف میں مختلف اقسام اور مختلف حالات کی وجہ سے علماء کے مختلف اقوال سامنے آتے ہیں، کہ چیک حوالہ ہے یا وکالہ ہے، یا کیا ہے، ہم یہاں صرف اس کے ضروری خلاصے کے ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

سید محمد باقر الصدر نے چیک کی شرعی تکلیف کے بارے میں جو بحث کی ہے، اس کا حاصل درج ذیل ہے:-

چیک میں چیک لکھنے والا عام طور پر مدیون (Debtor) ہوتا ہے، اور مستفید (Beneficiary) دائن (Creditor) ہوتا ہے، لہذا مدیون بینک کے لئے چیک لکھتا ہے، اور اس کو دائن کو دیتا ہے، تاکہ اس کا قرضہ چک جائے، پھر کبھی مدیون کا بینک میں بیلنس ہوتا ہے، اور کبھی نہیں ہوتا، بلکہ اوور ڈرافٹ کا معاملہ ہوتا ہے لہذا ان دونوں حالتوں کا حکم لکھا جاتا ہے:-

پہلی حالت :- اگر چیک لکھنے والا خود اپنے اکاؤنٹ سے رقم نکلاتا ہے، تو یہ محض اپنا قرض وصول کرنا ہے، جسے ”استیفاء ذین“ کہتے ہیں، لہذا اس صورت میں اگر محرر چیک مستفید کا مدیون ہو، اور وہ چیک لکھ کر مستفید کو دیدے، تو یہ حوالہ ہے، اور یہ دائن کا حوالہ ہے، بمقابلہ مدیون، یہ شرعاً درست ہے، اور اس سے مدیون کا ذمہ فارغ سمجھا جائے گا۔

دوسری حالت :- کہ محرر کا بینک میں کوئی بیلنس نہ ہو، اور یہ ”سحب علی الملکشف“ (Overdraft) ہو، اور محرر مستفید کا مدیون ہو، دائن یعنی مستفید یہ چیک بینک کو پیش کرتا ہے تاکہ وہ اپنی قیمت وصول کرے، تو یہ صورت بھی حوالہ کی ہے، لیکن اس میں محتمل علیہ محیل کا مدیون نہیں ہے، اسی وجہ سے فقہاء کی اصطلاح کے مطابق اس کو ”حوالہ علی البری“ کہتے ہیں، اور یہ بھی جائز ہے، بینک اگر چیک قبول کرے، تو گویا کہ اس نے حوالہ کو قبول کر لیا، تو اس کا ذمہ محال کے لئے مشغول ہو جائے گا اس رقم کے ساتھ جو محال کا محمول کے ذمہ واجب ہے، اور محمول بینک کا مدیون ہو جائے گا۔^(۱)

اس کا حاصل یہ ہوا کہ :-

- ۱- اگر محرر کا بینک میں بیلنس ہے، اور وہ خود اپنے لئے بینک سے چیک کے ذریعے پیسے نکلاتا ہے، تو یہ محض استیفاء ذین ہے۔
- ۲- اور اگر محرر کا بینک میں بیلنس موجود ہے، اور محرر کسی اور کو چیک دیتا ہے، اور وہ محرر کا دائن ہے، تو یہ دائن کا حوالہ ہے مدیون کے مقابلے میں۔

(۱) البنك الادبی فی الاسلام، الصدد (السید محمد ہاشم الصدد) بیروت لبنان، دار

التعارف للطبوعات، طبع ششم ۱۴۱۰ھ۔

- ۳- اور اگر محرر کا بینک میں بیلنس نہیں، اور محرر اپنے لئے بینک سے رقم نکلاتا ہے تو یہ قرض کا معاملہ ہے کہ بینک مقرض ہے، اور محرر مستقرض ہے۔
- ۴- اور محرر کا بینک میں بیلنس نہیں، اور محرر کسی اور کو چیک لکھ کر دیتا ہے، اور وہ محرر کا دائن ہے، تو یہ بھی حوالہ ہے، جس کی تفصیل دوسری حالت میں گزر گئی۔
- اور "Shari'a Standards" میں چیک کی شرعی تکلیف کے بارے میں جو خلاصہ لکھا گیا ہے، وہ اسی کے الفاظ میں ذیل میں ملاحظہ ہو:-

An issuance a cheque against a current account is a form of hawala if the beneficiary is a creditor of the issuer or the account holder for the amount of the cheque, in which case the issuer, the bank and the beneficiary are the transferor, the payer and the transferee respectively.

If the beneficiary is not a creditor to the issuer of the cheque, then this is not a hawala transaction because there can be no hawala transaction without an existing debt. In the absence of a debt, the transaction becomes an agency contract for recovery of the amount of the debt on behalf of the transferor, which is lawful in Sharia.

If the beneficiary of the amount of a cheque is a creditor to the issuer, then issuing a cheque against the account of the issuer without a balance is unrestricted transfer of debt if the bank accepts the overdraft. If the bank rejects the overdraft, then this is not considered a transfer of debt, in which case the potential beneficiary may have recourse to the issuer.

The holder of a traveler's cheque, the value of which has been paid by him to the issuing institution, is a creditor to such an institution. If the holder of the traveler's cheque endorses the cheque in favour of his creditor, it becomes a transfer of debt in favour of a third party against the issuing institution that is a debtor to the holder

of the traveler's cheque. This is a restricted transfer of debt and the amount of the debt is the value of the cheque for which the institution received payment.⁽¹⁾

اس کا حاصل یہ ہے کہ:-

- ۱- کرنٹ اکاؤنٹ کے لئے چیک کو جاری کرنا حوالہ ہے، جبکہ مستفید محرر کا دائن ہو، تو محرر محیل ہے، بنک محال علیہ ہے، اور مستفید محال ہے۔
- ۲- اور جب محرر مستفید کا مدیون نہ ہو، تو یہ حوالہ نہیں، کیونکہ حوالہ بغیر دین کے نہیں ہوتا، بلکہ یہ وکالہ بالقبض ہے، جو شرعاً جائز ہے۔
- ۳- جب محرر مستفید کا مدیون ہوا، اور محرر کا بنک میں بیلنس نہ ہو، تو یہ حوالہ مطلق ہے جب بنک اس کو قبول کرے، اور اگر بنک اس کو قبول نہ کرے، تو یہ حوالہ نہیں، اور حامل کو محرر کی طرف رجوع درست ہے۔
- ۴- سفری چیک کا حامل جو اس کی قیمت ادارے کو ادا کرتا ہے، حامل اس ادارے کا دائن سمجھا جائے گا، اور اگر حامل اس کو اپنے دائن کے حق میں انڈورس کرے، تو یہ حوالہ بن جائے گا، اور یہ حوالہ مقیدہ ہے، حوالہ مطلقہ اور حوالہ مقیدہ کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔
- مولانا محمد تقی عثمانی صاحب تکریمہ فتح الملہم میں چیک اور اس کے احکام کے بارے میں فرماتے ہیں:-

فإن لصحيح إن الشيك المصرفي سند يدل على أن الذي وقع عليه قد وكل حامله لقبض دينه من البنك ومقاصة دينه منه فليس ذلك من الأثمان في شيء فلا يعتبر القبض عليه قبضاً على مبلغه حتى ينقده البنك ولا يتأدى بأداء الزكاة حتى ينقده الفقير ولا يجوز اشتراء الذهب

(1) Shari'a Standards 1423 AH, 2002 Accounting and Auditing Organization for Islamic Financial Institutions.

والفضة به لفقدان التقابض في المجلس ويجوز لموقعه ان يعزل حامله عن الوكالة قبل ان يبلغ به الى البنك۔
 صحیح یہ ہے کہ بک چیک ایک سند ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس نے اس پر دستخط کئے ہیں، وہ حامل کو وکیل بناتا ہے تاکہ وہ اس کا ذین وہاں سے وصول کرے، اور پھر مقاصد ہو جائے، لہذا چیک ثمن نہیں، اس لئے چیک پر قبضہ اس کے اندر درج شدہ رقم پر قبضہ تصور نہیں ہوگا جب تک اس کو کیش نہ کرایا جائے، جب تک فقیر اس کو کیش نہ کرائے، اس وقت تک اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، نیز چیک سے سونا چاندی کی خریداری بھی جائز نہیں، کیونکہ مجلس کے اندر تقابض نہیں پایا جاتا، اور اس کے دستخط کنندہ کے لئے جائز ہے کہ اس کے حامل کو وکالت سے معزول کرے، جب تک وہ اس کو لے کر بک نہ پہنچ جائے۔^(۱)

کتاب البیک الماریوی اور شریعہ اسٹینڈرڈز کی مذکورہ عبارات کی روشنی میں بندے کا خیال یہ ہے کہ بعض صورتوں میں چیک کا معاملہ ضرور حوالہ کے ذمے میں آجاتا ہے، اس لئے علی الاطلاق چیک میں حوالہ کی نفی بظاہر درست نہیں، اور اس کو ہر حال میں محض رسید قرار دینا اور اس معاملے کو وکالت قرار دینا غلط نظر ہے، نیز خط کشیدہ حکم بظاہر اس وقت ہے جبکہ سونے یا چاندی پر بھی مجلس عقد میں قبضہ نہ ہو، ورنہ اگر سونے یا چاندی پر مجلس عقد میں قبضہ پایا جائے، تو میرے خیال میں یہ معاملہ درست ہونا چاہئے، کیونکہ چیک میں درج شدہ رقم کوئی کرنسی ہوگی، اور کرنسی کے ساتھ سونے چاندی کا ادھار معاملہ درست ہے، کیونکہ یہ بیع صرف میں داخل نہیں۔

(۱) تکملة فتح الملهم شرح الصحیح للمسلم، العثماني (محمد تقی العثماني) کراتشی،
 مکتبۃ دارالعلوم کراتشی، (۵۱۵/۱)۔

ہنڈی (Bill of Exchange)

"Bill of Exchange" کی حقیقت اور تعریف

اس کی حقیقت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب اپنی مشہور اردو تصنیف ”اسلام اور جدید معیشت و تجارت“ میں اس طرح بیان فرماتے ہیں:-

بل آف ایکسچینج ایک خاص قسم کی دستاویز ہے، جب کوئی تاجر اپنا مال فروخت کرتا ہے، تو خریدار کے نام بل بناتا ہے، بعض اوقات اس بل کی ادائیگی کسی آئندہ تاریخ میں واجب ہوتی ہے، اس بل کو دستاویزی شکل دینے کے لئے مدیون اس کو منظور کر کے اس پر دستخط کر دیتا ہے کہ میرے ذمہ فلاں تاریخ کو اس بل کی ادائیگی واجب ہے، اس کو عربی میں ”کمبیالہ“، اردو میں ”ہنڈی“ اور انگریزی میں ”Bill of Exchange" کہتے ہیں، اور اس کو ”مبادلاتی بل“ بھی کہتے ہیں، اس دستاویز میں ادائیگی کی جو تاریخ لکھی ہوئی ہوتی ہے، اس تاریخ کے آجانے کو عربی میں ”نصفہ الکمبیالہ“ اور انگریزی میں ”Maturity" کہتے ہیں، اس تاریخ ادائیگی کو ”Maturity Date" کہتے ہیں۔ ہنڈی میں لکھا ہوا دین تو مدیون سے تاریخ ادائیگی آنے پر ہی لیا جاسکتا ہے، مگر دائن کو فوری طور پر رقم کی ضرورت ہوتی ہے، تو کسی تیسرے شخص کو وہ بل دے کر لکھی ہوئی رقم لے لیتا ہے، اور بل کی پشت پر دستخط کر کے اس کے حقوق اس تیسرے شخص کی طرف منتقل کر دیتا ہے، تیسرا شخص اس پر لکھی ہوئی رقم میں کٹوتی بھی کر دیتا ہے، مثلاً ہنڈی پر ایک ہزار روپے لکھے ہوئے ہیں تو وہ نو سو پچاس روپے دیتا ہے، اس عمل کو عربی میں ”تخصم

الکمیالیہ اور انگریزی میں "Discounting of the Bill of Exchange" اور اردو میں "بڈ لگانا" کہتے ہیں۔ اور ہنڈی کی پشت پر جو دستخط کئے جاتے ہیں اس کو عربی میں "تظہیر" اور انگریزی میں "Endorsement" کہتے ہیں، اور اردو میں "عبارت ظہری لکھنا" کہتے ہیں۔ ہنڈی پر بڈ لگانے کی شرح "Maturity" کو بڈ نظر رکھ کر طے ہوتی ہے، تاریخ ادائیگی جتنی قریب ہوتی جائے، بڈ لگانے کی شرح کم ہوتی جاتی ہے۔ بینک بھی عموماً ہنڈی کی ڈسکاؤنٹنگ کرتے ہیں، اور یہ بھی بینکوں کے قصیر المیعاد قرضوں میں داخل ہے، اس لئے کہ بل کی ادائیگی "Maturity" عموماً تین ماہ میں ہوتی ہے۔^(۱)

اسی کو مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے اپنی مشہور عربی تصنیف "بحوث" میں درج ذیل الفاظ کے ساتھ ذکر فرمایا ہے:-

النوع الثانی من الأوراق العالیة التي تتداول فی السوق
اليوم تسمى کمیالیة وهي عبوة عن الوثيقة التي یکتبها
المشتري للبائع فی بیع مؤجل ویعترف فیها بانه وجب فی
ذمته ثمن المبیع، وانه یلتزم بأداء فی تاریخ آجل، وان
البائع حامل کمیالیة ربما یرید استعجال الحصول علی
مبلغها فلا ینتظر إلی تاریخ نضج کمیالیة بل یبیعها إلی
طرف ثالث بأقل من قیمتها الاسمية ویسمى حسم
الکمیالیة او خصم کمیالیة "Discounting" والعادة فی

(۱) اسلام اور جدید معیشت و تجارت، عثمانی (محمد تقی عثمانی) کراچی، مکتبہ
معارف القرآن کراچی، طبع جدید ۱۴۲۳ھ (ص: ۱۲۲)۔

سوق الأوراق ان مقدار لهذا الحسم نسبة مبلغ الكميلة
تحدد على اساس مدة نضجها فكلما كانت مدة نضجها
اكثر كانت نسبة الحسم اكثر وكلما كانت المدة اقل
كانت نسبة الحسم اقل۔^(۱)

اس کا حاصل بھی وہی ہے جو اردو متن میں بیان ہوا۔
ڈاکٹر عبدالعزیز فہمی ہیکل نے اس کی تعریف یوں کی ہے:-

هي نوع من السندات الاذنية التي تستخدم في التجارة
الخارجية في الدول الغربية يعتد بموجبها الساحب
(The Drawer) وبدون شروط ان يدفع للمسحوب
لصاحبه (The Drawee) مبلغا من المال في تاريخ معين۔
یہ ان دستاویزات میں سے ہے جو بیرونی تجارت میں مغربی ممالک
میں استعمال ہوتا ہے، اس کی بموجب لکھنے والا ذمہ داری لیتا ہے بغیر
کسی شرط کے کہ وہ مستفید کو کسی خاص تاریخ میں مال کی ایک مقدار
دے گا۔^(۲)

آگر وہ مال نے اس کی یوں تعریف کی ہے:-

A bill of exchange is an order from a creditor to
the debtor to pay a certain sum of money to
himself or to the bearer.

بل آف ایکسچینج دائن کی طرف سے دیون کے لئے ایک حکم نامہ ہے

(۱) بحوث فی قضایا فقہیة معاصرة، العثماني (محمد تقی العثماني) کراتشی، مکتبہ

دارالعلوم کراتشی، طبع جدید ۱۴۲۶ھ (۱۱۲/۴)۔

(۲) موسوعة المصطلحات الاقتصادية الإحصائية، ہیکل (الدکتور عبدالعزیز فہمی

ہیکل) بیروت، دار النهضة العربية (ص: ۷۵)۔

کہ مدیون دائن کو یا حامل کو خاص مقدار پیسوں کی ادا کرے۔^(۱)

بل آف آپیکھنج ایکٹ بحریہ ۱۸۸۲ء میں اس کی تعریف ان لفظوں میں بیان کی گئی ہے:-

An unconditional order in writing, addressed by one person to another signed by the person giving it, requiring the person to whom it is addressed to pay on demand or at a fixed or determinable future time a sum certain in money or to the order of a specified person, or to bearer.

مبادلاتی بل ایک غیر مشروط تحریری حکم نامہ ہے جو حکم دینے والے شخص یا فریق کے دستخطوں سے کسی دوسرے شخص یا فریق کے نام جاری کیا جاتا ہے، جس میں ایک مخصوص رقم اس میں مذکورہ شخص کو یا اس کے حکم پر کسی دوسرے شخص یا حامل بل کو اس کے مطالبے پر یا آئندہ کی کسی مقررہ تاریخ کو یا کسی قابل تعین تاریخ کو ادا کرنے کے لئے کہا گیا ہوتا ہے۔^(۲)

ہنڈی کی شرائط

ہنڈی یا مبادلاتی بل میں مندرجہ ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:-

- ۱- یہ ایک حکم نامے کی صورت میں ہونا چاہئے، درخواست یا گزارش وغیرہ کی صورت میں نہیں ہونا چاہئے۔
- ۲- یہ حکم نامہ غیر مشروط ہونا چاہئے، یعنی اس میں درج رقم کی ادائیگی کو کسی شرط کے پورا ہونے سے مشروط نہیں ہونا چاہئے۔
- ۳- یہ حکم نامہ تحریری شکل میں ہونا ضروری ہے۔

(۱) Intrudaction to Economic Principles. Dr. A.N.Agarwal

(۲) بحوالہ تعارف ذرو بکاری، شیخ مبارک علی (ص: ۲۳۴)۔

۴- یہ حکم نامہ ایک شخص یا فریق کی طرف سے کسی دوسرے شخص یا فریق کے نام ہونا چاہئے، اگر بل مرتب کرنے والا اور جس کے نام مرتب کیا گیا ہو، دونوں ایک ہی شخص ہوں، تو اس کا شمار مستند بل میں نہیں ہوگا۔

۵- بل مرتب کرنے والے پر اس کے دستخط ہونے چاہئیں، اگر اس شخص کا تعلق کسی کمپنی سے ہو، تو وہ لازماً بااختیار شخص ہونا چاہئے۔

۶- بل میں لکھی ہوئی مخصوص رقم کی ادائیگی اس کے مطالبے پر یا آئندہ کی کسی مقررہ تاریخ کو یا مستقبل کی کسی قابل تعین تاریخ کو ہونی چاہئے۔

۷- بل میں قابل ادائیگی مخصوص رقم کا اندراج ہونا چاہئے، اگر قابل ادا مخصوص رقم کا اندراج نہیں ہوگا، تو اس بل کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوگی۔

۸- بل کی رقم بل میں مذکورہ شخص کو یا اس کے حکم پر کسی دوسرے مخصوص شخص کو یا حامل کو ادا ہونی چاہئے۔^(۱)

بل آف آپیکسج کی چند مشہور قسمیں

اس بل کو اس کی نوعیت کے اعتبار سے ان تین اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:-

۱- بلحاظ مقام ۲- بلحاظ مقاصد ۳- بلحاظ ادائیگی قیمت

بلحاظ مقام

بلحاظ مقام بل کی دو قسمیں ہیں:-

ملکی بل (Inland Bill):- یہ وہ بل ہے جسے اندرون ملک ہی تجارتی لین دین میں استعمال کیا جاسکتا ہے، دوسرے لفظوں میں بل کے فریقین کا تعلق ایک ہی ملک سے ہوتا ہے، اور اس بل کے عوض رقم کا لین دین بھی اندرون ملک ہی ہوگا۔

غیر ملکی بل (Foreign Bill):- یہ وہ بل ہوتا ہے جس کے فریقین میں ملکی

(۱) تعارف زر و بنگاری، شیخ مبارک علی۔

تاجر کے علاوہ غیر ملکی تاجر بھی شامل ہو، مثلاً اگر پاکستان کے کسی تاجر نے سنگاپور کے کسی تاجر کے نام کوئی بل بنایا ہے، اور اس نے اس کی ادائیگی تحریری طور پر قبول کر لی ہے، تو یہ بل غیر ملکی بل کہلائے گا، کیونکہ اس بل کی ادائیگی سنگاپور میں ہوگی۔

بلحاظ مقاصد

اس لحاظ سے بھی بل کی دو قسمیں ہیں:-

تجارتی بل (Commercial Bill):- وہ بل جو تجارتی لین دین کے تصفیے کے لئے بنایا جائے، اسے تجارتی بل کہتے ہیں، کاروباری دنیا میں اکثر و بیشتر یہ ہوتا ہے کہ کسی شے کا خریدار اس کی رقم فروخت کنندہ کو نقد ادا کرنے کے بجائے اس سے مستقبل میں ادائیگی کے لئے بل بنوا لیتا ہے، اور اس پر اس امر کی اپنی قبولیت ثبت کر دیتا ہے کہ وہ بل میں درج رقم اس کی ہدایت کے مطابق دی گئی مقررہ تاریخ کو ادا کرے گا۔

اعانتی بل (Accommodation Bill):- یہ بل تجارتی ادھار کے لین دین کے تصفیے کے لئے نہیں، بلکہ کسی کی مالی اعانت کے لئے بنائے جاتے ہیں، ایسے بلوں کا مقصد کسی شخص کو بل کی کوئی کاموقع فراہم کر کے کچھ عرصے کے لئے اس کی مالی اعانت کرنا ہوتا ہے۔

بلحاظ ادائیگی وقت

اس لحاظ سے بھی بل کی دو قسمیں ہیں:-

عند الطلب (On Demand Bill):- وہ بل جو پیش کرنے یا دکھانے پر قابل ادائیگی ہو، اسے عند الطلب بل کا نام دیا جاتا ہے۔

مدتی بل (Time Bill):- یہ وہ بل ہوتا ہے جو مستقبل میں کسی مخصوص تاریخ یا کسی معینہ مدت کے بعد قابل ادائیگی ہو، یہ مدت یا تو بل کی اجرائی تاریخ سے شروع ہوتی ہے، یا پھر قبولیت کی تاریخ سے۔

بل کی تیاری کا طریقہ کار

بل کی تیاری میں مندرجہ ذیل امور کو ملحوظ رکھنا ضروری ہوتا ہے:-

۱- ریونیو ٹکٹ چکانا:- بل کو قانونی آلہ مبادلہ کی حیثیت دینے کے لئے مرتب یا جاری کنندہ کو اس کے عوض ایک مخصوص رقم کا سرکاری ٹیکس ادا کرنا ہوتا ہے، جسے بل کے اوپر ایک کونے پر ٹکٹ کی شکل میں چکانا پڑتا ہے۔

۲- رقم کا اندراج:- بل میں مندرجہ قابل ادا رقم کو ہندسوں اور الفاظ دونوں میں صاف اور واضح طور پر لکھا جاتا ہے۔

۳- تاریخ کا اندراج:- بل جس تاریخ کو مرتب یا تیار کیا جائے، وہ واضح اور صاف طور پر تحریر کی جانی چاہئے، تاریخ عام طور پر بل کے اوپر ٹکٹ کے مخالف کونے پر درج کی جاتی ہے۔

۴- وصول کنندہ کا نام:- بل جس شخص یا فریق کو ادا کیا جانا مقصود ہو، اس میں اس کا نام بھی اس کے متن میں صاف اور واضح طور پر تحریر کیا جانا چاہئے۔

۵- مالیت وصول شدہ:- بل ہمیشہ ایک مخصوص قدر یا مالیت کے لئے لکھا جاتا ہے، لہذا بل میں یہ الفاظ ”مالیت وصول شدہ ہے“ یا برائے مالیت وصول شدہ (For Value Received) ضرور تحریر کئے جانے چاہئیں۔

۶- مرتب کے دستخط ثبت ہوں:- بل میں اس کے مرتب کے دستخط ثبت ہونا بھی لازمی ہے، دستخط کے بغیر بل کی کوئی قانونی حیثیت نہیں۔

۷- مرتب الیہ کا نام اور پتہ:- بل کے آخر میں اس کے مرتب الیہ کا نام اور پتہ نچلے سرے پر دستخط کی مخالف سمت میں درج کیا جانا ضروری ہے۔

۸- بل کی قبولیت:- صرف بل کی تیاری کے بعد اس میں مندرجہ رقم کسی شخص پر واجب الاداء نہیں ہو جاتی، بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ مرتب الیہ یا اس کی

طرف سے کوئی مجاز شخص اپنی تحریری قبولیت کا اندراج بل پر کر دے، اس کے بغیر بل کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوتی۔

بل کی کٹوتی (Discounting of Bill of Exchange)

تجارتی دنیا میں ادھار لین دین میں سہولت کے پیش نظر مدتی بل عموماً زیادہ استعمال کئے جاتے ہیں، مدتی بل کی ادائیگی کے لئے مستقبل کی کوئی تاریخ مقرر ہوتی ہے، چنانچہ اگر حامل کو بل میں لکھی ہوئی رقم کی مقررہ مدت سے ضرورت پڑ جائے، تو اسے کٹوتی کے لئے کسی بینک میں پیش کرتا ہے، آج کے ترقی یافتہ دور کے تقریباً تمام تجارتی بینک اس قسم کے بلوں پر کٹوتی کی سہولت مہیا کر کے کاروباری لوگوں کو مالیات فراہم کرنے کے کاروبار میں سرگرم عمل ہیں، دراصل بینک ایسے بل کو خریدتے ہیں، اور اس کے عوض بل میں درج شدہ رقم سے کچھ کم رقم ادا کرتے ہیں، کٹوتی کا تعین بینک کی مروجہ شرح سود کے مطابق کیا جاتا ہے، اس قسم کی کٹوتی کو بینک کی طرف سے حامل بل کے لئے ایک قسم کا قلیل مدتی قرضہ بھی کہا جاسکتا ہے جس پر بینک کٹوتی کی صورت میں پیشگی سود کی وصولی کر لیتا ہے۔

ہنڈی (Bill of Exchange) کی شرعی تکلیف

اگر مرتب (ساحب) مستفید کا مدیون ہو، تو اس صورت میں ہنڈی از قبیل حوالہ ہے، مرتب محیل ہوگا، مرتب الیہ محال علیہ ہوگا، اور مستفید محال ہوگا، اور اگر مرتب مستفید کا مدیون نہ ہو، تو اس صورت میں ہنڈی از قبیل حوالہ نہیں ہوگا، بلکہ یہ وکالہ ہوگا۔ پھر جاننا چاہئے کہ اگر مرتب اور مرتب الیہ میں مدیونیت کا علاقہ نہ ہو، تو یہ حوالہ مطلقہ ہے۔

فی المعاییر الشرعیۃ: تعتبر الكمبیالة من قبیل الحوالۃ
إذا کن الشخص المستفید الذی سحبت لأمره دائئاً
للساحب، ویكون الساحب هو المحیل الذی یصدر أمراً

للمسحوب عليه بدفع مبلغ معين من النقود في تاريخ معين للمستفيد المحدد۔

أما الجهة الملتزمة بدفع المبلغ المعين (المسحوب عليه) فهي المحال عليه، والمستفيد حامل الكمبيالة هو المحال، فإن لم يكن المستفيد دائناً للساحب كان إصدار الكمبيالة توكيلاً من الساحب للشخص في قبض واستيفاء مبلغ الكمبيالة۔

تعتبر الكمبيالة في حال عدم وجود مديونية بين الساحب والمسحوب عليه من قبيل الحوالة المطلقة۔^(۱)
اس عبارت کا حاصل وہی ہے، جو ہم نے اوپر بیان کیا۔

وفي تكملة فتح الملهم: فاما اليون والكمبيالة والوثائق الأخرى التي يكتب عليها مبلغ الدين منذ يوم إجرائها، فإن التعامل بها حوالة صحيحة بلا ريب لأن الذي أصدرها قد كتب عليها إني مدين لكل من يحملها بهذا المبلغ المعلوم فكلما سلمها حاملها إلى رجل آخر، فقد أحال دينه عليه، وقد وجد رضا المحيل والمحتال صريحاً ورضاً المحتال عليه معني لأن المحتال عليه هو الذي أجرى هذه الأوراق أول مرة وقد رضى بأداء مبلغها إلى كل من يحملها فرضا عام لكل من يحملها وأما تلفظ الإيجاب والقبول فلا يشترط في الحوالة بل تنعقد الحوالة بالتعاطي كما ينعقد البيع۔

(۱) المعايير الشرعية، هيئة المحاسبة والمراجعة للمؤسسات المالية الإسلامية ۱۴۲۲ھ۔

بانڈ، ہنڈیاں اور دیگر مالی دستاویزات جن پر خاص مقدار لکھی ہوتی ہوتی ہے، جاری کرنے کے دن سے، ان کے ساتھ تعامل بلاشبہ حوالہ صحیح ہے، کیونکہ جس نے اس کو جاری کیا ہے، اس نے اس پر لکھا ہے کہ میں ہر اس شخص کا دیون ہوں جس کے پاس یہ بل موجود ہو، پس جب وہ یہ بل کسی اور آدمی کو دیتا ہے تو وہ حوالہ کر رہا ہے، اس میں محیل اور محتمل کی رضامندی صراحت پائی جاتی ہے، اور محتمل علیہ کی رضامندی معنی پائی جاتی ہے، کیونکہ وہ جاری کرتے وقت اس بات پر راضی ہے کہ وہ اس میں لکھی ہوئی رقم ہر اس شخص کو ادا کرے گا، جس کے پاس یہ بل موجود ہو، جہاں تک ایجاب و قبول کے تلفظ کا تعلق ہے تو وہ حوالہ میں شرط نہیں، (یعنی تلفظ شرط نہیں ہے) بلکہ یہ تعاطی سے بھی منعقد ہوتا ہے، جیسا کہ بیع تعاطی سے منعقد ہو جاتی ہے۔^(۱)

کٹوتی (Discounting) کا حکم

جمہور علمائے معاصرین نے کہا ہے کہ یہ ”بیمع الدین من غیر من علیہ باقل منه“ جو ناجائز ہے، بیع الدین کی پوری تفصیل شروع میں ذکر ہو چکی ہے۔

فقہائے کرام نے ایک پیر کا ذکر کیا ہے، جو ہنڈی کے مشابہ ہے، اور اس کو ”جامکیہ“ کا نام دیا ہے، یہ اس دستاویز کو کہتے ہیں جس کو بیت المال یا ستوتی وقف کسی ایسے شخص کے لئے جاری کرتا ہے، جس کا بیت المال یا وقف میں مالی حق موجود ہو، اور اس کو پیسوں کی فی الحال ضرورت ہے، تو وہ کسی آدمی سے کہتا ہے کہ جامکیہ میں جو رقم لکھی ہوئی ہے، اس سے کم مجھے دو، تو یہ ناجائز ہے کیونکہ یہ بیع الدین میں داخل ہے، علامہ حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس طرح ذکر کیا ہے:-

(۱) تکملة فتح الملهم شرح الصحیح لمسلم، العثماني (محمد تقی العثماني) کراچی، مکتبۃ دارالعلوم کراچی (۱/۵۱۵)۔

واقفی المصنف (ای صاحب تنویر الأیصار) بیطلان بیع
الجامکیۃ لما فی الاشباہ: بیع الدین إنما يجوز من
المديون۔

وقال ابن عابدين تحته: عبارة المصنف في فتاواه: سئل
عن بيع الجامكية وهو أن يكون لرجل جامكية في بيت
المال ويحتاج إلى دراهم معجلة قبل أن يخرج الجامكية،
فيقول له رجل: بعني جامكيتك التي قدرها كذا بكذا
انقص من حقه في الجامكية، فيقول: بعثك۔ فهل البيع
المذكور صحيح أم لا؟ لكونه بيع الدين بنقد، اجاب: إذا
باع الدين من غير من هو عليه كما ذكر لا يصح۔ قال
مولانا في فوائدہ: وبيع الدين لا يجوز ولو باعه المديون
أو وهبه۔^(۱)

اور حوالہ کی کتابوں میں یہ عبارت ہے:-

ولا يصح بيع العطاء قبل قبضه لأن العطاء مغيب فيكون
من بيع الفرر وهو أن العطاء قسطه في الديوان، ولا يصح
بيع رقعة به أي بالعطاء لأن المقصود بيع العطاء لاهي۔
عطا کو قبض کرنے سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں، کیونکہ عطا حاضر
نہیں، لہذا اس میں غرر ہے کیونکہ عطا کی قسط دیوان میں ہے، اور اس
کی دستاویز پہنچنا بھی جائز نہیں، کیونکہ یہاں مقصود عطا ہی کو فروخت
کرنا ہے، نہ کہ دستاویز۔^(۲)

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، مطلب فی بیع الجامکیۃ۔

(۲) کشف القناع للبهوتي (۱۵۶/۳)۔

یاد رکھنا چاہئے کہ حنفیہ اور حنبلیہ کی اصل کے مطابق بیع الدین من غیر من علمہ الدین مطلقاً ناجائز ہے، لہذا اس مسئلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہنڈی ڈسکاؤنٹ کے بغیر فروخت کرنا بھی جائز نہیں، کیونکہ یہ بیع الدین من غیر من علیہ الدین ہے، جو علی الاطلاق ناجائز ہے۔

البتہ مالکیہ کی اصل کے مطابق ہنڈی کاٹمن یا تو نقد میں سے نہ ہو، یا پھر ٹرن اس کی قیمت کے برابر ہو، اور شوائف کا نہ ہو، یہ بھی اس طرح معلوم ہو رہا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کٹوتی تو بہر حال کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں۔

اس سلسلے میں مجمع الفقہ الاسلامی جدہ کی قرارداد کے الفاظ درج ذیل ہیں:-

إن حسم الأوراق التجلیة غیر جائز شرعاً لأنه یؤل إلى دبا
النسیئة المحرم۔

مالیاتی دستاویزات کی کٹوتی بہر حال ناجائز ہے، کیونکہ اس کا نتیجہ ربا
النسیئہ کی شکل میں نکلتا ہے، جو حرام ہے۔^(۱)

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مذکورہ موقف سے متفق نہیں، وہ اس معاملے کو بیع الدین

قرار نہیں دیتے، بلکہ اس کو حوالہ قرار دے رہے ہیں، چنانچہ ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں:-

ڈسکاؤنٹنگ کی فقہی حیثیت یہ ہے کہ دائن جس کے ہاتھ میں بل ہے،

وہ دین کا بڑے لگانے والے (Discounter) کی طرف حوالہ کر دیتا

ہے۔ اور یہ حوالہ بانقص من الدین ہے جو ناجائز ہے، اس لئے

کہ یہ ربا الفضل ہے۔ ڈسکاؤنٹنگ کے اس معاملے کو بیع الدین

نہیں کہا جاسکتا، اس لئے کہ بیع اور حوالہ میں یہ فرق ہوتا ہے کہ بیع کے

بعد دائن بری الذمہ ہو جاتا ہے، اور دین کے تمام حقوق اس شخص کی

(۱) مجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی، العدد السابع ۲۱/۲، قرار رقم ۲۶/۲، فقرہ ۳، بحوالہ

”بحوث فی تضایا فقہیۃ معاصرۃ“ المجلد الثانی۔

طرف راجع ہو جاتے ہیں جس سے دین خریدنا ہوتا ہے۔ اور حوالہ میں محیل ہی دائن رہتا ہے، وہ بری الذمہ نہیں ہوتا، اگر محال کو دین نہ ملے تو وہ محیل کی طرف رجوع کا حق دار ہوتا ہے، اور آج کل ڈسکاؤنٹنگ میں صورتِ حال یہی ہوتی ہے کہ اگر بٹہ لگانے والے (Discounter) کو بل وصول نہ ہو تو وہ اصل دائن سے رجوع کرتا ہے، لہذا یہ ”بمع الدین من غیر من علیہ الدین“ نہیں، بلکہ

”حوالۃ الدین بانقصر من الدین“ ہے۔^(۱)

اسی کو حضرت مفتی صاحب اپنی عربی تصنیف میں اس طرح بیان فرماتے ہیں:-

والذی یظهر لی ان حسم الكمبیالة لبس ببعا فی الحقیقة
وإنما هو إقراض وحوالة، فالذی یحسم الكمبیالة یقرض
إلی حاملها مبلغاً ثم یحصل الحامل المقترض إیاءة علی
مصدر الكمبیالة والدلیل علی ذلك ان فی قوانین معظم
البلاد لا یتحمل الحاسم خطر عدم التسدید بل یحق له
ان یرجع علی حامل الكمبیالة إذا لم یقع التسدید من
مصدر الكمبیالة ولهذا شأن الحوالة علی مذهب
الحنفیه۔^(۲)

Bill of Exchange کی کٹوتی کا شرعی متبادل (Alternative)

اس کی کئی جائز صورتیں ہو سکتی ہیں، ان میں سے ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تاجر اس بل کو فروخت کرنے کی بجائے بنک کو اپنا قرض وصول کرنے کا وکیل بنائے، اور

(۱) اسلام اور جدید معیشت و تجارت ص: ۱۵۰۔

(۲) بحوث فی قضایا فقہیہ معاصرۃ، العثماني (محمد تقی العثماني) کراتشی، مکتبہ دارالعلوم کراتشی، طبع جدید ۱۳۲۶ھ۔

اس کے لئے وکالہ فیس مقرر کر دے، پھر اس بینک سے بل پر درج شدہ رقم کے برابر قرض لے لے، بینک تاجر کے وکیل کی حیثیت سے قرض وصول کرنے کے بعد تاجر کو دیئے ہوئے قرض کے بدلے میں اپنا قرض وصول کرے۔

مثلاً: زید کے پاس ایک بل ہے جس پر ایک لاکھ روپے کا مبلغ درج ہے، تو زید بینک کو وکیل بناتا ہے کہ وہ اس رقم کو بل کے جاری کرنے والے سے ایک ہزار روپے کے عوض وصول کرے، پھر بینک زید کو عقد مستقل کے ساتھ نانوائے ہزار روپے قرض دیتا ہے، پھر جب بینک ایک لاکھ روپے اصل آدمی سے وصول کر لے گا، تو مقاصد واقع ہو جائے گا، تو بینک اس میں سے نانوائے ہزار روپے اپنے قرض کے طور پر رکھ لے، اور ایک ہزار روپے وکالہ فیس کے طور کے رکھ لے۔

لیکن یہ معاملہ درست ہونے کے لئے چند شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:-

الاول: ان یکون کل واحد من العقدین منفصلاً عن

الآخر فلا تشترط الوكالة فی القرض والقرض فی الوكالة۔

الثانی: ان لا تكون اجرة الوكالة مرتبطة بمدّة نضج

الکمیالة بحيث تكون الأجرة زائدة إن كانت المدّة

طويلة وتكون اقل إن كانت قصيرة۔

الثالث: ان لا یزاد فی أجرة الوكالة بسبب القرض الذی

اقرضه البنك فانه یکون حينئذ قرضاً جزئ منفعة۔

۱- قرض اور وکالہ کے دونوں عقد بالکل ایک دوسرے سے الگ الگ ہوں،

وکالہ عقد قرض کے لئے شرط نہ ہو، اور عقد قرض وکالہ کے لئے شرط نہ ہو۔

۲- وکالہ فیس (Maturity) کی مدت کے ساتھ مربوط نہ ہو کہ اگر مدت لمبی ہو، تو

اجرت زیادہ ہو، اور اگر مدت کم ہو، تو اجرت بھی کم ہو۔

۳- قرض کی وجہ سے وکالہ فیس میں اضافہ نہ ہو، ورنہ یہ "کل قرض جزئ

منفعة" میں داخل ہو جائے گا، جو ناجائز ہے۔^(۱)

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

لیکن اس تجویز میں دو باتیں قابل غور ہیں۔ ایک یہ کہ عموماً وکالت کی اجرت کو بل کی رقم کی تعداد کے ساتھ مربوط کیا جائے گا، بل کی رقم زیادہ ہو، تو اجرت بھی زیادہ ہوگی، اور رقم کم ہو، تو اجرت بھی کم ہوگی۔ دوسری بات یہ کہ اجرت کو مدت کے ساتھ بھی مربوط کیا جائے گا، بل کی پختگی زیادہ مدت کے بعد ہونی ہو، تو اجرت زیادہ ہوگی، اور پختگی کم مدت میں ہونی ہو، تو اجرت کم ہوگی۔ اب یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اجرت کو رقم کی تعداد اور مدت پختگی کے ساتھ مربوط کرنا درست ہے یا نہیں؟

اجرت کو رقم کی تعداد کے ساتھ مربوط کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ذلالی (مسمرة) کی اجرت کو مالیت کے ساتھ وابستہ کرنے میں اختلاف ہے، لیکن علامہ شامی رحمہ اللہ نے جواز کو ترجیح دی ہے۔ یعنی دلال نے زیادہ مالیت کی چیز بیچی ہے تو زیادہ اجرت لینا، اور کم مالیت کی چیز میں دلال بنا ہے، تو کم اجرت لینا جائز ہے۔ اس کی جود علامہ شامی رحمہ اللہ نے نکلھی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ گویا مالیت کم یا زیادہ ہونے کی صورت میں ذلال کی محنت اور عمل برابر ہے، مگر اجرت مقرر کرتے ہوئے صرف عمل اور محنت کو نہیں دیکھا جاتا، بلکہ اجرت مقرر ہونے میں عمل کی قدر اور نوعیت کا بھی دخل ہوتا ہے، کم مالیت کی چیز کی ذلالی کی قدر کم ہے، اور زیادہ

(۱) بحوث فی قضایا فقہیہ معاصرۃ، العثمائی (محمد تقی العثمائی) کراچی، مکتبہ

دارالعلوم کراچی، طبع جدید ۱۴۲۶ھ۔

مالیت کی چیز کی قدر زیادہ ہے، لہذا اس کی بنا پر اجرت میں بھی کمی بیشی ہو سکتی ہے۔ اس پر قیاس کرتے ہوئے وکالت کی اجرت کو مقدار رقم کے ساتھ وابستہ کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، مگر اجرت کو مدت اور زمانے کے ساتھ مربوط کرنے کا کوئی جواز سمجھ میں نہیں آتا۔ اس لئے کہ یہ عینہ والی شکل ہے کہ بلا سود قرض لے کر قرض کی مدت کے حساب سے وکالت کی اجرت وصول کر لی گئی یعنی جو سود قرض پر نہیں لیا جا سکا، وہ وکالت کی اجرت بڑھا کر وصول کر لیا گیا^(۱) حاصل یہ کہ دکان فیس کو مذکورہ معاملے میں :-

- ۱۔ بل کی رقم کی تعداد کے ساتھ مربوط کرنے کی گنجائش ہے۔
- ۲۔ لیکن بل کی پختگی کی مدت کے ساتھ مربوط کرنا جائز نہیں۔

مالیاتی دستاویزات کی تطہیر (Endorsement) کی فقہی تکلیف

تطہیر کی دو قسمیں ہیں :-

تطہیر حملگی، اور تطہیر توکیل۔

پہلی قسم میں مظہر (Endorser) دستاویز کی قیمت کو مظہر الیہ (Beneficiary)

کو منتقل کرتا ہے، اب اگر مظہر مظہر الیہ کا دیون ہو، تو یہ حوالہ ہے، اور اگر ایسا نہ ہو، تو یہ توکیل بالقض ہے۔

دوسری قسم میں کلائٹ تطہیر کے ذریعے ادارے سے دستاویز کی قیمت وصول

کرنا چاہتا ہے، یہ حوالہ نہیں، بلکہ یہ دکان ہے، جو جائز ہے، خواہ اجرت کے ساتھ ہو، یا بدون اجرت ہو۔

بنکی تحویلات (Remittances / Transfer of Money) کی شرعی تکلیف

اگر کلائنٹ / بینک / ادارہ سے کہے کہ میرے کرنٹ اکاؤنٹ سے اسی کرنسی میں فلاں شخص کو رقم بھیج دے، تو یہ حوالہ ہے، اور اس پر ادارہ جواب دہ لیتا ہے، وہ جائز ہے، کیونکہ یہ پہنچانے کی اجرت ہے۔ بقیہ تفصیلات اس مسئلے کی گزشتہ ابواب میں ذکر ہو چکی ہیں^(۱)۔

پرومیسری نوٹ / اقرارنامہ (Promissory Note)

An unconditional promise in writing made by one person to another signed by the maker engaging to pay on demand or at a fixed or determinable future time, a sum certain in money to or to the order of a specified person, or to bearer.

اقرارنامہ ایک شخص کا اپنے دستخط کے ساتھ کسی دوسرے شخص کے نام ایک غیر مشروط تحریری وعدہ ہوتا ہے، جس میں اقرارنامہ تیار کرنے والا یہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ اس میں تحریر کردہ رقم کو جب وہ طلب کی جائے یا مستقبل کی کسی مقررہ قابل تعین مدت پر اسے یا اس کے حکم کے مطابق کسی دوسرے شخص کو یا اس کے اقرارنامے کے حامل یا قابض شخص کو ادا کرے گا۔^(۲)

ایک اقرارنامے کی لازمی شرائط یہ ہوتی ہیں:-

۱- غیر مشروط۔

۲- تحریری۔

۳- ایک خاص رقم کی ادائیگی۔

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: المعايير الشرعية بالعربية، و Sharia Standards۔

(۲) تعارف زرد بنکاری ص: ۲۵۸۔

۴- ادائیگی کسی مذکورہ شخص کو یا اس کے حکم پر کسی اور شخص کو یا اس کے حامل یا قابض کو۔

۵- ادائیگی مطالبے پر، یا مستقبل کی کسی قابل تعین تاریخ پر۔

۶- وعدہ کرنے والے کے دستخط۔

Promissory Note: a financial instrument containing an unconditional undertaking signed by the maker to pay on demand, or at a fixed or determinable time in future, a certain sum of money to the holder or to the bearer of the instrument, or to the order of a designated party. (1)

اس تعریف کا حاصل بھی وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔

حکم شرعی

اس نوٹ پر قبضہ اس میں درج رقم پر قبضہ نہیں لہذا اس کے ساتھ ان معاملات میں تعامل درست نہیں، جن میں قبضہ شرط ہے، مثلاً بیع صرف میں، یا بیع سلم، یعنی صرف میں اس کو بدل صرف اور سلم میں اس کو اس المال بنانا جائز نہیں۔

اسی طرح اس کو فیس و دیو سے زیادہ پر فروخت کرنا بھی جائز نہیں، وغیرہ۔ (۲)

بل آف ایکسچینج، چیک اور پرامیسری نوٹ کے آپس میں ایک

دوسرے کے ساتھ کچھ اہم فروق

چیک اور بل (Bill of Exchange) میں فرق

۱- مبادلاتی بل کسی بھی شخص کے نام جاری کیا جاسکتا ہے، جبکہ چیک صرف

(1) Glossary; Banking and Finance, English-English-Urdu, Shakil Faruqi Student Edition, State Bank of Pakistan, Institute of Bankers Pakistan, Lahore School of Economics.

(۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: المعاییر الشرعیۃ۔

متعلقہ بینک کے نام ہی جاری کیا جاسکتا ہے۔

۲- مبادلاتی بل جس کے نام جاری کیا جائے، اس کی طرف سے اس کی قبولیت ضروری ہے، جبکہ چیک میں بینک کی طرف سے قبولیت ضروری نہیں۔

۳- مبادلاتی بل کی ادائیگی مطالبے یا مستقبل کی کسی قابل تعین تاریخ پر ہوتی ہے، جبکہ چیک کی ادائیگی اس پر لکھی ہوئی تاریخ کے مطابق مطالبے پر ہوتی ہے۔

۴- مبادلاتی بل کو اس نہیں کیا جاسکتا ہے، جبکہ چیک کو اس کیا جاسکتا ہے۔

۵- مبادلاتی بل میں ڈسکاؤنٹ ہو سکتا ہے، جبکہ چیک میں کوئی ڈسکاؤنٹ نہیں کیا جاسکتا۔

۶- مبادلاتی بل میں درج رقم قسطوں میں ادا کی جاسکتی ہے، جبکہ چیک میں درج شدہ رقم کو قسطوں میں ادا نہیں کیا جاسکتا، وغیرہ۔

بل اور پرامیٹری نوٹ میں فرق

۱- بل جب قبول کر لیا جاتا ہے، تو اس کے مرتب الیہ کی ذمہ داری ثانوی نوعیت کی رہ جاتی ہے، جبکہ پرامیٹری نوٹ تیار کرنے والا اول مقروض ہوتا ہے، اور وہی اس کو قبول کرنے والے سے خط و کتابت کرتا ہے۔

۲- بل کسی مخصوص رقم کی ادائیگی کا ایک غیر مشروط حکم نامہ ہے، جبکہ نوٹ کسی مخصوص رقم کی ادائیگی کا ایک غیر مشروط وعدہ ہے۔

۳- بل کے لئے قبولیت درکار ہوتی ہے، جبکہ نوٹ کے لئے قبولیت درکار نہیں ہوتی، کیونکہ اقرار نامہ رقم ادا کرنے والا خط لکھ کر دیتا ہے۔

۴- غیر ملکی بل کے دو تین سیٹس میں بھی تیار ہوتا ہے، جبکہ اقرار نامہ کسی سیٹ کی صورت میں تیار نہیں ہوتا۔

۵- بل کو تیار کرنے والوں کی ذمہ داری مشترکہ ہوتی ہے، جبکہ اقرار نامہ تیار

کرنے والے مشترکہ طور پر یہ اقرار نامے کے الفاظ کے مطابق مشترکہ یا انفرادی طور پر رقم کی ادائیگی کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

۶۔ مل کا وسیع پیمانے پر عام لین دین ہوتا ہے، جبکہ اقرار نامے کا محدود طور پر لین دین ہوتا ہے۔

۷۔ مل غیر ملکی بھی ہو سکتا ہے، جبکہ اقرار نامہ صرف ملکی ہی ہو سکتا ہے۔

پرائمیری نوٹ اور چیک میں فرق

۱۔ پرائمیری نوٹ کسی مخصوص رقم کی ادائیگی کے لئے غیر مشروط وعدہ ہوتا ہے، جبکہ چیک بینک کے نام حکم نامہ ہوتا ہے۔

۲۔ نوٹ کے صرف دو فریق ہوتے ہیں، اقرار کرنے والا، اور رقم پانے والا، جبکہ چیک میں تین فریق بھی ہو سکتے ہیں۔

۳۔ نوٹ میں ادائیگی کے لئے کوئی خاص مدت مقرر ہوتی ہے، جبکہ چیک ہمیشہ عند الطلب واجب الادا ہوتا ہے۔

۴۔ نوٹ کا استعمال محدود ہے، جبکہ چیک کا استعمال غیر محدود ہے۔

۵۔ نوٹ کی ادائیگی اسے بنانے والے شخص کو ہی کرنا ہوتی ہے، تاہم اسے بنانے والے اگر مشترکہ کاروبار سے وابستہ ہیں، تو ادائیگی ان کی مشترکہ ذمہ داری ہوتی ہے، جبکہ چیک کی ادائیگی صرف متعلقہ مخصوص بینک اور اس کی مخصوص شاخ سے ہی ہو سکتی ہے۔

کریڈٹ کارڈ (Credit Card)

آج کل تین قسم کے کارڈ رائج ہیں، جن کے نام درج ذیل ہیں:-

۱۔ کریڈٹ کارڈ

۲۔ ڈیبٹ کارڈ

۳۔ چارج کارڈ

۱) کریڈٹ کارڈ (Credit Card)

اس کارڈ کے حامل کا ادارے میں کوئی اکاؤنٹ نہیں ہوتا، بلکہ وہ معاہدہ ہی ادھار پر سودے کا کرتا ہے، اس معاہدے میں اگرچہ ادارہ ایک متعین مدت فراہم کرتا ہے کہ جس میں اگر حامل کارڈ ادائیگی کر دے، تو اس کو سودا دہ نہیں کرنا پڑتا، لیکن اصلہ معاہدہ سود کی بنیاد ہی پر ہوتا ہے، اور اس کی ادائیگی کا وعدہ ہوتا ہے، اس کے علاوہ اس میں تجدید مدت (Rescheduling) کی سہولت بھی موجود ہوتی ہے، جس سے ادائیگی کی مدت بڑھ جاتی ہے، البتہ اس کے ساتھ ساتھ شرح سود میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے، اور بعض صورتوں میں اضافی رقم لی جاتی ہے۔

۲) ڈیبٹ کارڈ (Debit Card)

اس کارڈ کے حامل کا پہلے سے ادارے میں اکاؤنٹ موجود ہوتا ہے، جس ادارے کا اس نے کارڈ حاصل کیا ہے، حامل کارڈ یعنی کارڈ ہولڈر اس کارڈ کو جب بھی استعمال کرتا ہے، ادارہ اس کے اکاؤنٹ میں موجود رقم سے اس کی ادائیگی کر دیتا ہے، اس میں کارڈ ہولڈر کو ادھار کی سہولت حاصل نہیں ہوتی ہے، بلکہ وہ صرف اس وقت تک کارڈ کو استعمال کر سکتا ہے، جب تک اس کے اکاؤنٹ میں رقم موجود رہتی ہے۔
ادارہ اس کارڈ کو جاری کرنے کی فیس وصول کرتا ہے۔

۳) چارج کارڈ (Charge Card)

اس کارڈ کے حامل کا پہلے سے ادارے میں اکاؤنٹ نہیں ہوتا ہے، بلکہ ادارہ کارڈ ہولڈر کو ادھار کی سہولت فراہم کرتا ہے، کارڈ ہولڈر کو ایک متعین ایام کی ادھار کی سہولت میسر ہوتی ہے، جس میں اس کو ادارے کو ادائیگی کرنا ضروری ہوتا ہے، اگر اس مدت میں ادائیگی ہو جائے، تو سود نہیں لگتا، البتہ اگر حامل کارڈ نے وقت پر ادائیگی نہ کی، تو پھر اس کو سود کے ساتھ ادائیگی کرنا پڑتی ہے۔

ادارہ اس کارڈ کو جاری کرنے کی فیس وصول کرتا ہے۔

شرعی احکام ڈیٹ کارڈ کا شرعی حکم

اس کارڈ کو استعمال کرنا بلاشبہ جائز ہے، اور اس کے ذریعے خرید و فروخت کرنا درست ہے، کیونکہ اس میں نہ قرض کی صورت ہے، نہ سود کی، البتہ کارڈ ہولڈر کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ وہ اس کارڈ کو غیر شرعی امور میں استعمال نہ کرے۔

چارج کارڈ کا شرعی حکم

اس کارڈ کو مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ استعمال کرنا جائز ہے:-

- ۱- حامل کارڈ اس بات کا پورا انتظام کرے کہ وہ معین مدت سے پہلے پہلے ادائیگی کر دے اور کسی بھی وقت سود عائد ہونے کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔
- ۲- حامل کارڈ کی یہ ذمہ داری ہو کہ اس کارڈ کو غیر شرعی امور میں استعمال نہ کرے۔

۳- اگر ضرورت ڈیٹ کارڈ سے پوری ہو رہی ہو، تو بہتر ہے کہ اس کارڈ کو

استعمال نہ کرے۔

کریڈٹ کارڈ کا شرعی حکم

اس کارڈ کا استعمال جائز نہیں، الا یہ کہ ڈیٹ کارڈ یا چارج کارڈ الگ سے مہیا نہ ہو، اور اس کو ڈیٹ کارڈ یا چارج کارڈ کی طرح مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ استعمال کیا جائے۔

ان تمام کارڈز کو کریڈٹ کارڈ کہا جاتا ہے، لیکن اصلاً کریڈٹ کارڈ وہی ہے جس کی تفصیل اوپر مذکور ہوئی، اور اس کا استعمال اصلاً جائز نہیں، البتہ کریڈٹ کارڈ کا اطلاق مذکورہ بالا دو قسموں پر کیا جائے، تو ان کا استعمال جائز ہے۔

اے ٹی ایم کارڈ (Automated Transfer Machine (ATM)

یہ رقم نکالنے کا کارڈ ہوتا ہے، اور آج کل بہت عام ہو چکا ہے، اس کے ذریعے
بنک سے رقم نکالی جاتی ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

اس کارڈ کا شرعی حکم یہ ہے کہ اس کارڈ کو استعمال کرنے پر اگر متعین رقم مشین کے
استعمال کی اجرت کے طور پر ادارہ وصول کرے، جو مقدار رقم سے قطع نظر ہو، تو یہ جائز ہے،
لیکن اگر ادارہ رقم کو بنیاد بنا کر اس پر کچھ وصول کرے، تو یہ جائز نہیں بلکہ سود ہوگا، البتہ
ادارہ کارڈ جاری کرنے کی فیس وصول کر سکتا ہے۔

فی المعاییر الشرعیة: بطاقة الحسم الفوری (Debit
Card) تصدر هذه البطاقة من المؤسسة لمن له رصيد في
حسابه، تخول هذه البطاقة لحاملها السحب أو تسديد
اثمان السلع والخدمات بقدر رصيده المتاح، ويتم الحسم
منه فوراً، ولا تخوله الحصول على ائتمان، لا يتحمل
العميل رسوماً مقابل استخدامه هذه البطاقة غالباً إلا في
حال سحب العميل نقداً أو شراءه عملة أخرى عن طريق
مؤسسة أخرى غير المؤسسة المصدرة للبطاقة، تصدر هذه
البطاقة برسم أو بدون، تتقاضى بعض المؤسسات من
قابل البطاقة نسبة من اثمان المشتريات أو الخدمات۔

بطاقة الائتمان والحسم الآجل (Charge Card): هذه
البطاقة أداة ائتمان في حدود سقف معين لفترة محددة
وهي أداة وفاء أيضاً، تستعمل هذه البطاقة في تسديد
اثمان السلع والخدمات وفي الحصول على النقد، لا يتيح

نظام هذه البطاقة تسهيلات ائتمانية متجددة لحاملها حيث يتعين عليه المبادرة بسداد ثمن مشترياته خلال الفترة المحددة عند تسلمه الكشف المرسل إليه من المؤسسة، إذا تأخر حامل البطاقة في تسديد ما عليه بعد الفترة المسموح بها يترتب عليه فوائد ربوية أما المؤسسات فلا تترتب فوائد ربوية، لا تتقاضى المؤسسة المصدرة للبطاقة أية نسبة من حامل البطاقة على المشتريات والخدمات ولكنها تحصل على نسبة معينة (عمولة) من قابل البطاقة على مبيعاته أو خدماته التي تمت بالبطاقة. تلتزم المؤسسة في حدود سقف الائتمان (وبالزيادة الموافق عليها) للجهة القابلة للبطاقة بسداد ائتمان السلع والخدمات وهذا الالتزام بتسديد ائتمان المبيعات والخدمات شخصي ومباشر بعيداً عن علاقة الجهة القابلة للبطاقة بحامل البطاقة، للمؤسسة المصدرة للبطاقة حق شخصي ومباشر قبل حامل البطاقة في استرداد ما دفعته عنه وحققها في ذلك حق مجرد ومستقل عن العلاقة الناشئة بين حامل البطاقة والجهة القابلة لها بموجب العقد المبرم بينهما.

بطاقة الائتمان المتجدد (Credit Card): هذه البطاقة أداة ائتمان في حدود سقف متجدد على فترات يحددها مصدر البطاقة وهي أداة وفاء أيضاً، يستطيع حاملها تسديد ائتمان السلم والخدمات والسحب نقداً في حدود

سقف الائتمان الممنوح، في حالة الشراء للمسلم أو الحصول على الخدمات يمنح حاملها فترة سماح يسدد خلالها المستحق عليه بدون فوائد، كما تسمح له تأجيل السداد خلال فترة محددة مع ترتب فوائد عليه، أما في حالة السحب النقدي فلا يمنح حاملها فترة سماح، ينطبق على هذه البطاقة ما جاء في البند ٢/٣ هـ، و، ز.

الحكم الشرعي لأنواع البطاقات: بطاقة الحسم الفوري: يجوز للمؤسسات إصدار بطاقة الحسم الفوري ما دام حاملها يسحب من رصيده ولا يترتب على التعامل بها فائدة ربوية. بطاقة الائتمان والحسم الآجل: يجوز إصدارها بالشروط الآتية:

ألا يشترط على حامل البطاقة فوائد ربوية في حال تأخره عن سداد المبالغ المستحقة عليه.

في حالة الزام المؤسسة حامل البطاقة بإيداع مبلغ نقدي ضماناً لا يمكن لحامل البطاقة التصرف فيه يجب النص على أنها تستثمر لصالحه على وجه المضاربة مع اقتسام الربح بينه وبين المؤسسة بحسب النسبة المحددة.

أن لا يشترط المؤسسة على حامل البطاقة عدم التعامل بها فيما حرمته الشريعة وأنه يحق للمؤسسة سحب البطاقة في تلك الحالة.

بطاقة الائتمان المتجدد: لا يجوز للمؤسسات إصدار بطاقات الائتمان ذات الدين المتجدد الذي يسدده

حامل البطاقة علیٰ اقساط آجلة یفوائد ربویة۔^(۱)

بنک ڈرافٹ (Bank Draft)

A bill of exchange payable on demand, usually drawn by one bank on another or by on branch on another, a popular means of transfer of funds.

یہ ایک بل ہے جو طلب کرنے پر واجب الاداء ہوتا ہے، جو بالعموم ایک بینک سے دوسرے بینک کو یا ایک شاخ سے دوسری شاخ کو واجب الاداء ہوتی ہے، یہ رقوم منتقل کرنے کا ایک مقبول عام طریقہ ہے۔^(۲)

آگروال بینک ڈرافٹ کی یوں تعریف کر رہے ہیں:-

A bank draft is a cheque drawn by one bank upon another bank or its own branch situated at a different place, requiring it to pay a certain sum of money to a specified person or to his order to the bearer. A bank draft may be inland or foreign. Usually persons who have to make payment to distant creditors go to their bank to obtain a bank draft. They have to deposit with the bankers the amount to be remitted a small commissions. Draft is then issued which is sent to the creditor concerned who gets it encashed.

اس تعریف کا حاصل بھی تقریباً وہی ہے، جو اوپر مذکور ہوا، البتہ اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ بینک ڈرافٹ اندرون ملک بھی ہو سکتا ہے، اور بیرون ملک بھی ہو سکتا ہے، اور

(۱) المعاییر الشرعیة، هیئة المحاسبة والمراجعة للمؤسسات المالية الإسلامية ۱۴۲۲ھ
مذکورہ تفصیل اگر انگریزی میں جانا ہے، تو اس کے لئے Sharia Standards کا مطالعہ فرمائیں، جو بہت مفید ہے۔

(۲) Glossary; Banking and finance, English-English-Urdu, Shakil Faruqi Student Edition, State Bank of Pakistan, Institute of Bankers.

اس پر کیشن بھی وصول کیا جاتا ہے۔^(۱)

پے آرڈر (Pay Order)

It is a cheque like instruments issued by bank on the request of its customers or in payment of its own expenses or dues, drawn on itself, to pay a specified sum of money to the order of specified person. Payment orders are usually issued by the banks on receipt of full amounts involved, which means that it would not be returned unpaid due to lack of funds, it is also called Bankers Cheques or Cashiers Cheques.

یہ چیک کی طرح آلہ ہے جو بینک سے اس کے گاہکوں کی درخواست پر یا اس کے اپنے اخراجات یا بقایا جات کے لئے خود اس پر جاری کئے جائیں، تاکہ ایک معینہ رقم مذکورہ شخص کو ادا کی جائے، ادائیگی کے احکامات عام طور پر بینکوں کی جانب سے پوری متعلقہ رقم وصول ہو جانے کے بعد ہی جاری کئے جاتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ فنڈ کی کمی کے عذر پر بغیر ادا کئے واپس نہ کر دیئے جائیں، انہیں بینکاروں کے چیک یا کیشیئرز چیک بھی کہا جاتا ہے۔^(۲)

بنک ڈرافٹ اور پے آرڈر میں شرعی نقطہ نظر سے کوئی خاص پیچیدگی نہیں، البتہ بینک ان دونوں پر حق الخدمت وصول کرتا ہے، جو شرعاً جائز ہے۔

بائڈ (Bond)

Bond is an interest bearing government or corporate security, obligating the bond issuer under an agreement called bond indenture to pay

(۱) Introduction to Economic Principles. Dr. A.N. Agarwal. p:352.

(۲) Glossary; Banking and finance, English-English-Urdu, Shakil Faruqi Student Edition, State Bank of Pakistan, Institute of Bankers Pakistan, Lahore School of Economics.

the bond holder a principal amount on the date of maturity and periodic payment of interest over the life of the bond, bonds are long term debt instrument and are a preferred mode of raising long term funds without selling shares, bond enables the bond issuer to convert non liquid or less liquid assets into marketable instruments, the market value, or the price of the bond in the market differs from the face value or par value of the bond at the maturity by a discount factor based primarily on the current interest rate and the bond rating generally, if interest rate rises bond price fall and vice versa.

بانڈ، یہ حکومت یا کسی مشترکہ کمپنی کا ایک سودی ہمسک ہے، جو بانڈ کے اجراء کرنے والے کو اس معاہدے کے تحت، جسے بانڈ کا اقرار نامہ کہا جاتا ہے، پابند کرتا ہے کہ وہ حامل بانڈ چھٹی کی تاریخ پر اس کی اصل رقم واپس کرے، اور بانڈ کی زندگی تک عرصہ دار سود کی ادائیگی کرے۔ بانڈ قرض حاصل کرنے کا طویل مدتی آلہ ہے، اور حصص کو فروخت کئے بغیر طویل مدتی فنڈ حاصل کرنے کا ایک ترجیحی طریقہ ہے، یہ غیر سیال یا کم سیال اثاثوں کو قابل فروخت آلات میں تبدیل کرنے کا ایک ذریعہ بھی ہے، بازار کی مالیت یا بازار میں قیمت میچورٹی کے لحاظ سے اس کی فیس ویلیو سے مختلف ہوتی ہے، اس کی وجہ بندہ عنصر ہے جو خاص طور پر سود کی موجودہ شرح اور بانڈ کی درجہ بندی پر مبنی ہوتا ہے، عام طور پر اگر سود بڑھ جائے، تو بانڈ کی قیمتیں گرنے لگتی ہیں، یا دوسری صورت اس کے برعکس ہوتی ہے۔^(۱)

(1) Glossary; Banking and finance, English-English-Urdu, Shakil Faruqi Student Edition, State Bank of Pakistan, Institute of Bankers Pakistan, Lahore School of Economics.

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب بانڈ کی تعریف اور حقیقت یوں بیان فرماتے ہیں:-

السند (Bond) فی الاصطلاح المعاصر وثيقة يصدرها المديون لمقرضه إعترافاً منه بأنه استقرض من حاملها مبلغاً معلوماً يتلزم بأداءه في وقت معلوم وإن هذه السندات تصدرها عادة لعرضها على الجمهور ليحصلوا عليها بأداء المبلغ المكتوب على وجهها حتى يصيروا مقرضين ذلك المبلغ لمصدر السند وإن هذه السندات ربما تصدرها الشركات المساهمة التجارية أو الصناعية حينما تحتاج إلى اقتراض مبالغ كبيرة من المال لإنجاز مشاريعها ولا تجد أفراداً أو مؤسسات تقرضها الأموال بالحجم المطلوب، فتعرض هذه السندات على الجمهور وربما تصدر هذه السندات من قبل الحكومات التي تريد أن تمول عجز ميزانيتها فتقترض من الجمهور وإن هذه السندات سواء أصدرتها الشركات أو أصدرتها الحكومة إنما تلتزم بأداء فوائد ربوية إلى من يحملها فالسند الذي قيمته الإسمية مائة روبية مثلاً تستحق أن يدفع لحاملها مائة وخمس عشرة بعد سنة، ويحق له أن يبيع هذا السند في السوق وإنها تباع وتشترى بثمن يتراضى عليه الفريقان فمن حصل على هذا السند بمائة فإنه يبيعه إلى آخر بمائة وخمسة ويشتريه ذلك الآخر بهذا الثمن لأنه يرجو أن يحصل على مائة وخمس عشرة روبية في نهاية المدّة۔

وہناک سندات آخری تصدد من قبل الحكومة وتعرض عادة على البنوك والمؤسسات المالية الأخرى، وتسمى سندات الخزينة ومقصود هذه السندات نفس المقصد الذي من أجله تصدر السندات الحكومية الأخرى، غير أن هذه السندات تعرض على البنوك لتشتريها على أساس المزايدة، فالسند الذي قيمته ألف روبية مثلاً يتضمن التزام الحكومة بأداء ألف روبية إلى حامله عند حلول أجله فتجری فی شراء المزايدة فيما بين البنوك وتأتي العروض من قبلها إلى البنك المركزي فتباء هذه السندات إلى من عرضه أكثر، ومعنى بيع هذه السندات أن مشتريها اقراض مبلغ الثمن إلى الحكومة واستحق من خلال هذا الإقراض أن يحصل على قيمة السند الاسمية عند حلول الأجل^(۱)۔

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ:-

- ۱- بانڈ آج کل کی اصطلاح میں اس سند کو کہتے ہیں، جس کو مقروض جاری کرتا ہے اس اعتراض میں کہ اس نے اس کے حامل سے متعین رقم بطور قرض لی ہے۔
- ۲- یہ بانڈز عام طور پر عوام پر پیش کئے جاتے ہیں، تاکہ عوام ان کو خریدیں اس قیمت پر جو ان پر لکھی ہوئی ہے، تو گویا کہ انہوں نے یہ قیمت جاری کنندہ کو قرض کے طور پر دی۔
- ۳- یہ بانڈز بسا اوقات کمپنیوں کی طرف سے جاری ہوتے ہیں، جن کو بڑی

(۱) بحوث فی قضایا فقہیة معاصرة، العثماني، (محمد تقی العثماني) کراتشي، مکتبہ دارالعلوم کراتشي، طبع جدید ۱۴۲۶ھ۔

زقوم کی ضرورت ہوتی ہے۔

۴۔ بعض اوقات حکومت بھی ان بانڈز کو اپنے بجٹ کے خسارے کو پورا کرنے کے لئے جاری کرتی ہیں۔

۵۔ بانڈز خواہ کمپنی جاری کرے یا حکومت جاری کرے، ان پر حاملین کو سود دیا جاتا ہے۔

۶۔ بانڈز قابل تبادلہ آلہ ہے، مارکیٹ میں اس کی خرید و فروخت ہوتی ہے کی بیشی کے ساتھ۔

۷۔ حکومت ایک خاص قسم کے بانڈز بھی جاری کرتی ہے، جن کو سندرات الخزینہ (Treasury Bills) کہتے ہیں، یہ بانڈز بینکوں اور دیگر مالیاتی اداروں پر پیش کئے جاتے ہیں، ان کا مقصد بھی وہی ہوتا ہے جو عام بانڈز کا ہوتا ہے، البتہ یہ بینکوں پر پیش کئے جاتے ہیں، اور پھر بینک آپس میں ان کا لین دین کرتے ہیں۔

کمپنیوں کے بانڈز

بانڈ کی تعریف اور حقیقت میں یہ بات ابھی مذکور ہوئی ہے کہ بانڈز کو بعض اوقات کمپنیاں جاری کرتی ہیں، جن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کمپنیوں کے پاس سیال اثاثہ کم ہوتا ہے، تو ان کو منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے رقم کی ضرورت ہوتی ہے، اور ایسے کوئی ان کو قرض یا رقم دیتا نہیں، تو وہ یہ بانڈز جاری کر کے ان کے ذریعے عوام سے قرض وصول کرتی ہیں۔

کمپنیاں جو بانڈز جاری کرتی ہیں، ان کی بہت ساری قسمیں ہیں، یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ تفصیل کے لئے درج ذیل کتابیں ملاحظہ ہوں:-

المعاملات المالية المعاصرة في الفقه الاسلامي: ڈاکٹر محمد عثمان شبیر

احکام الاسواق المالية: الدكتور صبري بارون

گلو سری: اسٹیٹ بینک آف پاکستان

قابل تحویل بانڈز (Bonds Convertible into Shares)

بانڈز کی دو قسمیں ہیں:-

۱ غیر قابل تحویل بانڈز (Non.Convertible into Shares) اور

۲ قابل تحویل بانڈز۔

اصل یہ ہے کہ بانڈز قابل تحویل نہ ہوں، لیکن بعض اوقات بانڈز قابل تحویل بھی ہوتے ہیں، جن کے بارے میں باقاعدہ جاری کرنے کے عقد میں تصریح کی جاتی ہے کہ ان کے حامل کو یہ حق حاصل ہے کہ اتنی مدت کے اندر اندر وہ ان بانڈز کو عام حصص یا حصص ممتاز میں تبدیل کرے، اسی طرح یہ بانڈز دوسری مالی دستاویزات میں بھی تبدیل ہو سکتے ہیں۔

قابل تحویل بانڈز کے بارے میں گلوبری اسٹیٹ بینک آف پاکستان میں بہت

اچھی بحث ہے، جو درج ذیل ہے:-

A bond that can be converted into a common stock at a conversion ratio specified at the time of bond issue, it has all the factors of a regular bond, namely the par value, the coupon rate, maturity period the interest payment period, but additionally, the bond issuer pays dividend and offers the option to the investor to convert the bond into a number of common stocks as per conversion ratio of the conversion price of the stock, as a result the market price of the bond is affected both by the interest rate movements as well stock market movements, the cost of conversion option is usually gauged by the premium paid for the bond in the secondary market trading, convertible bonds proved a potential gain to the investor if the bond price goes up, while at the same time offer an attractive bond yield, specially for corporate bond whose price is likely to materially increase over the maturity period, the market value of the option attached to

convertible bond is zero or insignificant at the time bond starts selling initially in the secondary market, but the value of the option increases as the bond price climbs up, it is also possible that bond price may fall instead of rising with disastrous consequences for the option holder, therefore convertible bond can also be risky in addition to being potentially rewarding.

یہ وہ بانڈز ہیں جنہیں عام حصص میں تبدیل کیا جاسکے، اور تبدیل کے اس تناسب سے جس کی صراحت بانڈ کے اجراء کے وقت کی گئی ہو، اس میں وہ تمام فیچرز ہوتے ہیں، جو کسی باضابطہ بانڈز میں ملتے ہیں، جیسے مساوی مالیت، کوپن شرح، میچرٹی، عرصہ دار اور سودی ادائیگی، لیکن اس کے علاوہ بانڈ کا جاری کنندہ نفع ادا کرتا ہے، اور سرمایہ کار کو اختیار دیتا ہے کہ وہ بانڈ کو عام حصص کی ایک تعداد میں تبدیلی کے تناسب سے یا تبدیلی کی قیمت پر بدلوا سکتے ہیں، اس وجہ سے قابل تحویل بانڈ کی بازاری قیمت شرح سود کے علاوہ اسٹاک مارکیٹ کے اتار چڑھاؤ سے بھی متاثر ہوتی ہے، تبدیل کے اس اختیار کی لاگت کا اندازہ اس پریمیم سے کیا جاسکتا ہے جو کہ بانڈ کی ثانوی بازار میں اجرت پر دینا پڑے، قابل تحویل اس کے سرمایہ کار کو ایک احتمالی نفع پہنچاتے ہیں، اگر اس کے اسٹاک مارکیٹ کی قیمت بانڈ کی میچرٹی میں اضافہ ہوا، اور ساتھ ہی ساتھ ایک پُرکشش بانڈ کا نفع بھی، خاص طور پر ان کارپوریشنوں کے ضمن میں جن کے اسٹاک مارکیٹ کی قیمت میں خاطر خواہ اضافے کا امکان ہو، کسی قابل تحویل بانڈ سے منسلک اس آپشن کی بازاری قیمت یا تو صفر ہوتی ہے، یا برائے نام، اس کی ثانوی بازار میں تجارت شروع ہوتے وقت آپشن کی مالیت

میں اس کی اسٹاک مارکیٹ کی قیمت بڑھنے پر اضافہ ہونا شروع ہو جاتے ہیں، لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ اسٹاک مارکیٹ کی قیمت کے بجائے اضافے کے کمی ہو، جس کے بانڈ کی مالیت پر تباہ کن اثرات بھی ہو سکتے ہیں، اس لئے قابل تحویل بانڈ احتمالی طور پر پُر خطر بھی ہو سکتا ہے، یا فٹع بخش بھی ہو سکتا ہے۔^(۱)

سرکاری بانڈز

بانڈ کی تعریف اور حقیقت میں یہ بات ابھی مذکور ہوئی ہے کہ بانڈز کو بعض اوقات حکومت جاری کرتی ہے، جن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ حکومت کے پاس سیال اثاثہ کم ہوتا ہے، تو اس کو بجٹ کے خسارے کے لئے رقم کی ضرورت ہوتی ہے، اور ویسے کوئی ان کو قرض یا رقم دیتا نہیں، تو وہ یہ بانڈز جاری کر کے ان کے ذریعے عوام سے قرض وصول کرتی ہے۔

سرکاری بانڈز بھی تقریباً کمپنیوں یا سادہ بانڈز کی طرح ہوتے ہیں، اور ان کے وہی فیچر ہوتے ہیں، جو عام بانڈز کے ہوتے ہیں، البتہ یہ کہ سرکاری بانڈز دوسرے بانڈز کے مقابلے میں زیادہ قابل اعتماد ہوتے ہیں، اور ان میں ریسک نسبتاً کم ہوتا ہے۔

سرکاری بانڈز کی نمایاں قسمیں

سرکاری بانڈز کی نمایاں قسمیں درج ذیل ہیں:-

۱- سندرات الخزینہ (Treasury Bills)

۲- شہادات الخزائنہ (Treasury Certificates)

۳- سندرات البلدیہ (Municipal Bonds)

(۱) Glossary; Banking and finance, English-English-Urdu, Shakil Faruqi Student Edition, State Bank of Pakistan, Institute of Bankers Pakistan, Lahore School of Economics.

بانڈز کا حکم شرعی

بانڈز کی اور بھی بہت ساری قسمیں ہیں، جن سے یہاں بحث کرنا مقصود نہیں، گزشتہ صفحات میں ہم نے جن کتابوں کا ذکر کیا ہے، تفصیل کے لئے ان کتابوں کا مطالعہ فرمائیں، تاہم بانڈ خواہ کسی بھی قسم کا ہو، یہ سودی ہوتا ہے، اور اس کا لینا قیمت اسمیہ کے علاوہ کمی بیشی کے ساتھ ناجائز ہے، نیز اس پر انعام کے نام سے جو اضافی رقم ملتی ہے، وہ بھی سود ہے، اور ناجائز ہے، جسے حاصل کرنا جائز نہیں۔ یہی جمہور علمائے اُمت کا موقف ہے، اور یہی درست موقف ہے، مجمع الفقہ الاسلام جدہ کی قرارداد اور دیگر بعض عبارات ذیل میں ملاحظہ ہوں:-

مجمع الفقہ الاسلامی جدہ کی قرارداد

ان مجلس مجمع الفقہ الاسلامی المنعقد فی دورۃ مؤتمر السادس بجدة فی المملكة العربیة السعودیة من ۱۷ إلى ۲۳ شعبان ۱۴۱۰ھ الموافق ۱۳-۲۰ آذار (مارس) ۱۹۹۰م۔

بعد اطلاعه علی الابحاث والتوصیات والنتائج المقدمة فی ندوة الأسواق المالیه المنعقدة فی الرباط ۲۰-۲۳ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ، ۲۰-۲۳/۱۰/۱۹۸۹م بالتعاون بین هذا المجمع والمعهد الإسلامی للبحوث والتدريب بالبنک الإسلامی للتنمیة وباستضافة وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامیة بالمملكة العربیة۔

وبعد الاطلاع علی ان السند شهادة يلتزم المصدر بموجبها ان يدفع لحاملها القيمة الاسمیة عند الاستحقاق

مع دفع فائدہ متفق علیہا منسوبہ إلى القيمة الاسمية للسند
أو ترتیب نفع مشروط سواء كان جوائز توزع بالقرعة أم
مبلغاً مقطوعاً أم خصماً قرر۔

۱- أن السندات التي تمثل التزاماً بدفع مبلغها مع فائدة
منسوبة إليه أو نفع مشروط محرمة شرعاً من حيث
الإصدار والشراء والتداول لأنها قروض ربوية سواء كانت
الجهة المصدرة لها خاصة أو عامة ترتبط بالدولة ولا اثر
تسميتها شهادات أو صكوكاً استثمارية أو ادخارية أو تسمية
الفائدة الربوية الملزم بها ربها أو ربها أو عمولة او
عائدات۔

۲- كما تحرم ايضاً السندات ذات الجوائز باعتبارها
قروضاً اشترط فيها نفع أو زيادة بالنسبة لمجموع
المقرضين أو لبعضهم لا على التعمين فضلاً عن شبهة
القمار۔

مجمع الفقہ الاسلامی جدد (اسلامک فڈا کیڈ کم جدد) کی اس قرارداد کا
حاصل یہ ہے کہ بانڈز خواہ کسی بھی قسم کے ہوں، وہ چونکہ سودی قرضوں کی نمائندگی کرتے
ہیں، اس لئے ان کے ساتھ لین دین کرنا، یا ان پر انعام حاصل کرنا بالکل حرام ہے، نیز ان
میں بعض صورتوں میں شہ قمار بھی ہے۔^(۱)

ذهب غالبية العلماء المعاصرين إلى عدم جواز تعامل
بالسندات وشهادات الإستثمار دون تفريق بين أنواعها

(۱) مجلة مجمع الفقہ الاسلامی العدد السادسة، العدد السادس، الجزء الثاني ص ۱۷۲۵

ومن هؤلاء الشيخ الشلتوت، والدكتور عبد العزيز الخياط
والدكتور علي السالوس والدكتور صالح المرزوقي.....
والدكتور يوسف القرضاوي، لأن السند قرض على
الشركة والمؤسسة التي أصدرته لأجل فائدة مشروطة
وثابتة فهو من ربا النسيئة الذي نزل بحرمته القرآن
الكریم... الخ۔

اکثر علمائے معاصرین کا موقف یہ ہے کہ بانڈز اور سرٹیفکیٹ کے
ساتھ لین دین ناجائز ہے، خواہ کسی بھی قسم کے ہوں، ان میں سے شیخ
شلتوت، ڈاکٹر محمد یوسف موئی، ڈاکٹر یوسف قرضاوی، ڈاکٹر
عبدالعزیز الخياط، ڈاکٹر علی السالوس، ڈاکٹر صالح المرزوقي بھی ہیں،
کیونکہ بانڈ کمپنی یا ادارے کے ذمہ قرض ہے جس نے اس کو جاری کیا
ہے، اور اس پر مشروط نفع ملتا ہے، لہذا یہ ربا النسیئہ میں سے ہے،
جس کو قرآن کریم نے حرام قرار دیا ہے۔^(۱)

ان هذه السندات كلها ربوية من اصلها حيث أن المقرض
يلتزم فيها بإداء مبلغ القرض وزيادة فلا يخفى حرمة
تداولها لأنها تؤدي إلى تعامل ربوي حرام... الخ۔
یہ سارے بانڈز اصلاً سووی ہیں، کیونکہ ان میں مقرض یہ التزام کرتا
ہے کہ وہ بانڈ کی رقم اور کچھ اضافہ دے گا، اور اس لین دین کا حرام
ہونا ظاہر ہے، کیونکہ یہ ربوی معاملہ ہے۔^(۲)

(۱) المعاملات المالية المعاصرة في الفقه الإسلامي، (شبیر) محمد عثمانی شبیر، اردن،
دار النفائس، طبع ثالث ۱۴۱۹ھ۔

(۲) بحوث في قضايا فقهية معاصرة، العثماني (محمد تقی العثماني) کراتشی، مکتبہ
دارالعلوم کراتشی، طبع جدید ۱۴۲۶ھ۔

سریٹیلیٹس

ان سندات القروض صکوک تہل قروضا تحصلا علیہا
الشركة من عامة الناس علی أساس القائمة الربوية
المحددة وتكون هذه الصکوک فی التعامل المعاصر قابلة
للتداول وغير قابلة للتجزئة۔

وإنما تضطر الشركات فی بعض الأحيان إلى إصدار هذه
السندات لأنها قد تحتاج فی اثناء مزاولة أعمالها إلى مبالغ
اکثر مما حصلت علیہ عن طریق إصدار الأسهم لتزید
من قدراتها علی إنجاز مشاريعها والتوسع فیها أو لتواجه
ازمة مالية طرات علیها ولا ترغب الشركة فی عرض
اکتتاب بالأسهم الجديدة علی الجمهور لئلا تتضائل
انصبه الشركات فتضطر إلى أن تقترض هذه المبالغ ممن
يمكن الاقتراض منه۔

وفی جانب آخر تكون عند الناس مبالغ افروزها من
حاجاتهم اليومية ورصدها لحاجاتهم المتوقعة فی
المستقبل وإن هذه المبالغ فی بیوت أصحابها أو فی
حسابهم الجاری فی البنوک فلا يمكن ان تستغل هذه
المبالغ لصالح الوطنی الا بان تدفع المنتجین أو التجار
قرضاً فیستعملونها فی أعمالهم الإنتاجية أو التجارية فجاءت
فكرة إصدار سندات الخ۔

قرضوں کے سریٹیلیٹس ایسے صکوک ہیں، جو قرضوں کی نمائندگی
کرتے ہیں، جن کو کمپنیاں عام لوگوں سے ایک متعین سودی فائدے

کی بنیاد پر حاصل کرتی ہے، یہ سکوک آج کے لین دین میں قابلِ تداول ہیں، یعنی قابلِ خرید و فروخت ہیں، اور قابلِ تجزیہ نہیں ہیں۔ بعض اوقات کمپنیاں مجبور ہو جاتی ہیں کہ یہ سکوک جاری کریں، کیونکہ اپنے منصوبوں کی تکمیل کی انجام دہی کے سلسلے میں ان کو فنڈ کی ضرورت ہوتی ہے، حصص سے جو فنڈ حاصل ہوتا ہے، وہ ناکافی ہوتا ہے، یا بعض اوقات مالی بحران سے یہ کمپنیاں دوچار ہو جاتی ہیں، اور یہ نہیں چاہتیں کہ مزید حصص کی پیش کش کریں، کیونکہ اس سے شیئر ہولڈرز کے حصص کم ہو جائیں گے، تو وہ یہ طریقہ اختیار کرتی ہیں۔

دوسری طرف اکثر لوگوں کے پاس بچتیں ہوتی ہیں، یہ بچتیں یا ان کے گھروں میں رکھی ہوئی ہوتی ہیں، یا پھر کرنٹ اکاؤنٹ میں ہوتی ہیں، لہذا ان سے ان کو کچھ نفع نہیں ملتا، البتہ نفع کی صورت یہ ہے کہ وہ یہ بچتیں تاجروں کو یا صنعت کاروں کو دے دیں، اس طریقے سے ان کو بھی نفع حاصل ہو جائے گا، اور تاجروں اور صنعت کاروں کو بھی فائدہ ہوگا، یہیں سے ان سرٹیفکیٹس کا تصور اجاگر ہو گیا۔

اس کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ سرٹیفکیٹس بھی بانڈز کی طرح سودی سکوک ہیں، اور ان کے ذریعے عام لوگوں سے سودی قرضہ وصول کیا جاتا ہے، جس میں کمپنیوں کا بھی فائدہ ہے کہ ان کو ان کے ذریعے سودی قرضہ مل جاتا ہے، اور لوگوں کا بھی فائدہ ہے کہ ان کو اپنی بچتوں پر کچھ نفع مل جاتا ہے۔

اسی لئے مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب ان سکوک کے حکم کے اور ان کے شرعی متبادل کے بارے میں فرماتے ہیں:-

ولكن هذا الطريق مبني على اساس القرض الربوي

الذي لا تبيحه الشريعة الإسلامية في حال من الأحوال

ومن هنا اراد بعض المسلمين في البلاد الإسلامية أن
يأتوا بديل لهذه السندات في شكل سندات المقارضة
(مضاربة) الغر۔

لیکن یہ طریقہ اس سودی قرض پر مبنی ہے، جس کو شریعت جائز قرار
نہیں دیتی کسی بھی حال میں، اس لئے بعض مسلمانوں نے بعض بلاد
اسلامیہ میں ان صکوک کے شرعی متبادل کے طور پر ”سندات
المقارضة“ یعنی مضاربہ سرنٹیکلیٹس نکالے۔^(۱)

چنانچہ بانڈز اور سرنٹیکلیٹس کا شرعی متبادل یہی صکوک مشارکہ اور صکوک مضاربہ
ہیں، یعنی مشارکہ سرنٹیکلیٹس اور مضاربہ سرنٹیکلیٹس، جو ان سرنٹیکلیٹس کو خریدے گا، گویا کہ وہ
حکومت یا کمپنی کے ساتھ شریک ہوگا، یا رب المال ہوگا، یعنی یہاں مشارکہ اور مضاربہ کے
احکام جاری ہوں گے، اور نفع شرعی اصولوں کے مطابق تقسیم ہوگا۔

ان صکوک پر مجلہ مجمع الفقہ الاسلامی الدورة الرابعة، العدد الرابع، الجزء الثالث
میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے، اور متعدد تبحر علمائے کرام نے اس موضوع پر اپنے اپنے
مقالے پیش کئے ہیں، نیز مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے اپنی مشہور عربی تصنیف
”بحوث“ میں بھی اس پر بقدر ضرورت گفتگو فرمائی ہے، جس کا حوالہ اس باب میں جگہ جگہ
حاشیہ میں دیا گیا ہے۔

گورنمنٹ سیکوریٹی سرنٹیکلیٹس

ان کو سرکاری تمسکات بھی کہتے ہیں، ان سرکاری تمسکات کے بارے میں مفتی
محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:-

سرکاری تمسکات ان دستاویزات کو کہتے ہیں، جو حکومت وقتاً فوقتاً

(۱) مجلة مجمع الفقہ الاسلامی، الدورة الرابعة، العدد الرابع، الجزء الثالث، مقالة: الشیخ

المفتی محمد عثمانی ص: ۱۸۵۳۔

عوام سے قرض لینے کے لئے جاری کرتی ہے، جب حکومت کے ذرائع آمدنی (ٹیکس وغیرہ) بجٹ کے لئے ناکافی ہوں، تو حکومت یہ مالیاتی دستاویز عوام سے قرض لینے کے لئے جاری کرتی ہے، مثلاً:

۱- انعامی بانڈ:- جس میں ہر بانڈ پر تو نفع نہیں ملتا، تمام بانڈز سے حاصل ہونے والی رقم پر مجموعی طور پر نفع ہوتا ہے، جو قرضہ اندازی سے تقسیم ہوتا ہے۔

۲- ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹس

۳- خاص ڈپازٹ سرٹیفکیٹس

۴- فارن ایکسچینج بیئرر سرٹیفکیٹس:- پہلے عوام کو اپنے پاس فارن ایکسچینج (بیرونی کرنسی) رکھنے کی اجازت نہیں تھی، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ جب کسی کو فارن ایکسچینج کی ضرورت پیش آتی تو اس میں بہت سی قانونی مشکلات ہوتی تھیں، اس صورت حال کا ایک نقصان یہ تھا کہ لوگ غیر قانونی ذرائع سے فارن ایکسچینج حاصل کرتے اور اپنے پاس رکھتے، دوسرا نقصان یہ تھا کہ لوگ باہر سے فارن ایکسچینج مثلاً ڈالر لاتے تو حکومت کو نہیں دیتے تھے، جبکہ حکومت کو اس کی ضرورت ہوتی ہے، لہذا اس کو قانونی شکل دے کر لوگوں سے فارن ایکسچینج بطور قرض لینے کے لئے جو دستاویز حکومت نے جاری کی، اس کو فارن ایکسچینج بیئرر سرٹیفکیٹس (F.E.B.C) کہتے ہیں، اس کی شکل یہ ہے کہ حکومت ڈالر اس وقت کی قیمت کے مطابق پاکستانی روپے کا سرٹیفکیٹس جاری کر دیتی ہے، مثلاً اس ڈالر کی قیمت ۲۵ روپے ہے اور باہر سے آنے والا سو ڈالر لے کر آیا، تو حکومت اس سے سو ڈالر لے کر اس کو دو ہزار پانچ سو پاکستانی روپے کا سرٹیفکیٹ جاری کرے

گی، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ حکومت حامل سرٹیفکیٹ کے لئے پاکستانی ڈھائی ہزار روپے کی مقروض ہے۔

ایف ای بی سی پر سالانہ ۱۲ فیصد اضافہ ملتا ہے، اور اس کو حامل جب چاہے یہ سرٹیفکیٹ پیش کر کے دوبارہ ڈالر لے سکتا ہے، اور حامل اس سرٹیفکیٹ کو بیچ بھی سکتا ہے۔

یہ تمام سرکاری تمسکات ہیں، ان میں اصل معاملہ تو حکومت اور قرض دہندہ کے درمیان ہوتا ہے، لیکن عوام کی سہولت کے لئے ان کے بیچنے کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے، فنانسل مارکیٹ میں ان کی خرید و فروخت ہوتی ہے، حامل دستاویز جب اس کی بیع کرے گا، تو اب دائن نہیں رہے گا، اس کا معاملہ حکومت سے ختم ہو جائے گا اور اب خریدار دائن ہوگا، اور حکومت کا معاملہ خریدار سے وابستہ ہو جائے گا۔^(۱)

موسوعہ میں ہے:-

فی المعنی العام هی مستندات تثبت ملكية معينة أو حقاً فی دخل معين تودع لدى بنك كضمانة للحصول علی قرض اوراق مالية تعطى حاملها الحق فی دخل معين ویجرى فیها التعامل فی سوق الأوراق المالية (البورصة) وفي السوق الثانوية واهم صفة لهذه الأوراق هی انما قابلة للتبادل التجارى وهی اما سندات ذات فوائد ثابتة أو السهم ممتازة تتضمن الأوراق المالية التى تصدرها الحكومة المركزية والحكومات المحلية الأوراق التى

يكون عاندها متغيراً مثل الأسهم العادية^(۱)

Government Securities, which are usually bonds that pay a fixed amount of interest each year gave unlike most commercial securities a guaranteed safety factor concerning their ultimate repayment. These securities are traded in the Market, and their prices fluctuate in value, depending on trends and condition of the economy.⁽²⁾

شیر ز سرٹیفکیٹ

الصك الذي يعطى للمساهم اثباتاً لحقه

وہ رسید جو شیر ہولڈر کو دی جاتی ہے، جو اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ کمپنی میں اس کا حق اور حصہ ہے۔

الصك والوثيقة المثبتة الذي يعطى للمساهم اثباتاً لحقه لأن السهم يعطى للمساهم حقوقاً تجاه الشركة كما يترتب عليه التزامات نحوها۔

وہ رسید ہوتی ہے جو شیر ہولڈر کا حق ثابت کرتی ہے، کیونکہ شیر، شیر ہولڈر کو کمپنی میں کچھ حقوق اور کچھ واجبات دیتا ہے۔^(۲)

السهم هو الصك الذي تصدره الشركة ويمثل حق المساهم فيها ويتمتع حامله بالحق في الحصول على عائد سنوي نتيجة استثمار رأس ماله۔^(۳)

(۱) موسوعة المصطلحات الاقتصادية الإحصائية، هيكل (الدكتور عبد العزيز النهمي

هيكل) بيروت، دار النهضة العربية (ص: ۷۸)۔

(2) The New Encyclopaedia Britannica v:10, p:595.

(۳) المعاملات المالية المعاصرة في الفقه الإسلامي، (شبير) محمد عثمان شبير، أردن، دار النفائس، طبع ثالث ۱۴۱۹ھ۔

(۴) مجلة مجمع الفقه الإسلامي، الدورة السادسة، العدد السادس، الجزء الثاني ص: ۱۵۳۵۔

حاصل یہ کہ وہ سرٹیفکیٹ ہے، جو کمپنی کے اثاثے میں ایک خاص تناسب سے شیئر ہولڈر کے حصے کی نمائندگی کرتا ہے۔

اس کی بھی کئی قسمیں ہیں، جن سے بحث کرنے کا یہ مقام نہیں ہے، نیز شیئر سرٹیفکیٹ کے کچھ شرعی احکام ہیں، جن میں اس کی خرید و فروخت اور زکوٰۃ وغیرہ کے مسائل شامل ہیں۔^(۱)

بونس شیئرز

بونس شیئر کے بارے میں مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:-
 Dividend کی تقسیم کے دو طریقے ہوتے ہیں، کبھی تو نقد نفع لوگوں کو فراہم کیا جاتا ہے، اور کبھی اس نفع کے دوبارہ حصص جاری کر دیئے جاتے ہیں، اس قسم کے حصے کو ”بونس شیئر“ (Bonus Share) کہتے ہیں۔

بونس شیئر جاری کرنے سے کمپنی کا سرمایہ بڑھ جاتا ہے، ایسا عموماً اس وقت ہوتا ہے جبکہ کمپنی کی کیش پوزیشن کمزور ہو، یعنی اس کے پاس نقد رقم کم ہو، تو بجائے نقد نفع دینے کے مزید حصص جاری کر دیئے جاتے ہیں، کسی حصہ دار کو مثلاً دس روپے دینے کے بجائے دس روپے کا حصہ دے دیا جاتا ہے، لیکن اس کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ منظور شدہ سرمائے میں اس کی گنجائش ہو، مثلاً ۸۰ ملین کی اجازت ملی تھی، ان میں سے ۶۰ ملین جاری کئے گئے تھے، ۲۰ ملین کی گنجائش باقی تھی، اگر منظور شدہ سرمائے میں مزید گنجائش نہیں ہے تو دوبارہ درخواست دے کر اجازت لی جائے گی۔

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اسلام اور جدید معیشت و تجارت۔

بونس شیئر جاری کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کمپنی کے شیئرز کی بازاری قیمت (Market Value) قیمت اسمیہ (Face Vlaue) سے کم نہ ہو، اگر بازار میں قیمت گر گئی ہے، تو اب بونس شیئر جاری کرنے میں حصہ داران کو نقصان ہے، مثلاً دس روپے کے شیئر کی قیمت بازار میں نو روپے ہے، تو حصہ دار کو دس روپے کی بجائے نو روپے کا شیئر ملے گا، تو اس کو ایک روپیہ کا نقصان ہوا۔^(۱)

تعہدات (Warrants)

تعہدات کی تعریف مجمع الفقہ الاسلامی جلد میں یوں الفاظ میں کی گئی ہے:-

هو الخيار الذى تباعه الشركة على مستثمرين جدد ويسمى Warrants حيث يكون لهم حق شراء مجموعة من اسهم الشركة عند سعر محدد خلال مدة محددة وهو قابل للتداول وربما يمتد لسنوات تصدر الشركات انواعا من التعهدات (Warrants) تتضمن الوعد ببئع عدد من أسهم الشركة بسعر محدد خلال فترة محددة أو غير محددة ويستطيع الشركة بهذه الطريقة أن تحقق دخلا بدون أن تخاطر بتغير هيكل ملكيتها الذى قد ينتج عن ادخال مساهمين جدد وفى نفس الوقت يستطيع المستثمرون المضاربة على مستقبل الشركة بدون الحاجة إلى مبلغ كبير من المال-

Warrants اس خيار کو کہتے ہیں کہ جس کو کمپنی نئے سرمایہ کاروں کو بیچتی ہے، اس خيار کی بنیاد پر سرمایہ کاروں کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے

کہ وہ کمپنی کے شیئرز خرید لیں، متعین ریٹ پر متعین مدت کے درمیان، یہ اختیار قابل تبادل (لیمن دین) ہے، یعنی اس کی خرید و فروخت ہوتی ہے، اور بسا اوقات یہ اختیار کئی سالوں تک ممتد ہوتا ہے..... کمپنیاں مختلف قسم کے تعہدات جاری کرتی ہیں، جن میں یہ وعدہ ہوتا ہے کہ حامل کچھ متعین شیئرز متعین قیمت پر متعین مدت تک خرید لے، اور بعض اوقات مدت کا ذکر نہیں یعنی مدت کی قید نہیں ہوتی۔

تعہدات کے جاری کرنے میں کمپنی کو یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ نئے شیئرز ہولڈرز کے آنے سے ملکیت کی حالت میں کمی آنے کا خطرہ ہوتا ہے اس سے کمپنی محفوظ ہو جاتی ہے، کیونکہ سرمایہ کاروں نے ایک خاص ریٹ پر شیئرز خریدنے کا اختیار خریدا ہے، اور دوسری طرف سرمایہ کاروں کو بھی کسی بڑی رقم کے بغیر شیئرز میں سرمایہ کاری کا موقع مل جاتا ہے۔^(۱)

گلوبل اسٹیٹ بینک آف پاکستان میں وارنٹس کی حقیقت ان الفاظ میں بیان کی

گئی ہے:-

Warrants are securities issued with preferred stocks or bond or certificates, that give the holder the right to buy a proportionate amount of common stock at specified price, usually higher than market price at the time of issue of warrants, for a specific period of time, or perpetuity. In this sense, warrants are options to the holder of corporate stocks or bonds.

وارنٹ یہ وہ تمسکات ہوتے ہیں، جو ترجیحی اسٹاک یا باغڈیا سرٹیفکیٹ کے ہمراہ جاری کئے جاتے ہیں، جو حامل کو یہ حق دیتے ہیں کہ وہ ایک

خاص قیمت پر عام اسٹاک کی ایک متناسب تعداد خرید لے، یہ خاص قیمت وارنٹوں کے اجراء کے وقت کسی خاص عرصے کے لئے یا ہمیشہ کے لئے عموماً بازار کی قیمت سے زیادہ ہوتی ہے، اس مفہوم میں وارنٹ کارپوریٹ اسٹاک یا بانڈ کو حاصل کرنے کے آپشن ہوتے ہیں۔^(۱)

ان عبارات کا حاصل یہ ہے کہ وارنٹ ایک اختیار ہے، جس سے حامل کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ ایک مخصوص مدت یا غیر معین مدت میں ایک خاص ریٹ پر عام اسٹاک (سہم عادی) کمپنی (جاری کنندہ) سے خریدے، یعنی حامل کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ اگر اس ریٹ پر اس کمپنی کے عام اسٹاک لینا چاہتا ہے تو لے سکتا ہے۔

نیز وارنٹس قابل تداول بھی ہیں، جسے "Negotiable" کہتے ہیں، یعنی ان کی خرید و فروخت ہوتی ہے، مزید تفصیل اور حکم ان شاء اللہ تعالیٰ خیارات میں آئے گا۔

خیارات (Options)

خیارات کی حقیقت گلوٹری میں یوں بیان کی گئی ہے:-

Option is a contract giving the asset holder the right but not the obligation to sell or buy an asset at an agreed price called strike price or exercise price over a short period in future which is of critical importance in the contract, if the contract stipulates a fixed date for transaction in future, it is a European Style option, if the transaction can be done a number of times in future over the contract period it is Bermuda Style option, if the time of transaction is chosen by the holder up to maturity date of the contract it is an American Style option.

(1) Glossary: Banking and Finance, English-English-Urdu, Shakil Faruqi Student Edition, State Bank of Pakistan, Institute of Bankers Pakistan, Lahore School of Economics.

In securities market, this contract could be a call option.

یہ ایک کنٹریکٹ ہے جو اثاثہ بردار کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ اثاثے کی خرید و فروخت کر سکے، لیکن مجبور نہیں کرتا، یہ خرید و فروخت مستقبل میں ایک مختصر عرصے کے دوران کی جاسکتی ہے، جو کہ کنٹریکٹ کے لئے نازک اہمیت رکھتا ہے، اور صرف ایک منظور شدہ قیمت پر جسے اختیار کی قیمت کہتے ہیں۔

اگر اس کنٹریکٹ میں معاملے کی کوئی آئندہ تاریخ متعین ہو، تو یہ یورپی طرز کا آپشن ہوگا، لیکن اگر کنٹریکٹ کی مدت میں معاملہ بار بار کیا جاسکے، تو یہ برمودہ طرز آپشن ہوگا، اگر معاملے کا وقت کنٹریکٹ کا حامل فریق متعین کرے، لیکن صرف کنٹریکٹ کے عرصے کے اندر اندر، تو یہ امریکی طرز آپشن ہوگا، تمسکات کے بازاروں میں آپشن دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک کال آپشن اور پٹ آپشن۔^(۱)

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب آپشن کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:-
کسی خاص چیز کو خاص قیمت پر بیچنے یا خریدنے کے حق کا نام ”خيارات“ یا ”Options“ ہے۔ کوئی شخص دوسرے سے وعدہ کرتا ہے کہ اگر تم چاہو گے تو فلاں چیز اتنی قیمت میں اتنی مدت تک میں خریدنے کا معاہدہ کرتا ہوں، تم جب چاہو بیچ سکتے ہو، اس کو بیچنے کا آپشن کہتے ہیں۔ آپشن دینے والا یہ حق دینے پر فیس لیتا ہے، آپشن دینے والا اس مدت میں اس چیز کو اسی قیمت پر خریدنے کا پابند ہوتا ہے، لیکن آپشن لینے والا بیچنے کا پابند نہیں ہوتا، اسی طرح اس کے

(1) Glossary; Banking and Finance, English-English-Urdu, Shakil Faruqi Student Edition, State Bank of Pakistan, Institute of Bankers Pakistan, Lahore School of Economics.

برعکس بعض اوقات ایک شخص یہ وعدہ کرتا ہے کہ میں تم سے فلاں چیز فلاں تاریخ تک فلاں نرخ پر بیچنے کی ذمہ داری لیتا ہوں، اس تاریخ تک تم جب چاہو، مجھ سے اس نرخ پر یہ چیز خرید لینا، یہ خریداری کا آپشن ہے۔ آپشن کرنسی پر بھی ہوتا ہے اور اجناس پر بھی ہوتا ہے، اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آپشن دینے والا لینے والے کو اس کرنسی یا جنس کی قیمتوں کے اتار چڑھاؤ سے مطمئن کرتا ہے اور یہ اطمینان دلانے پر کمیشن لیتا ہے۔ مثلاً ایک شخص نے پچیس روپے کا ایک ڈالر خریدا، وہ اس کمیشن میں ہے کہ اگر یہ اپنے پاس رکھوں تو اس کی قیمت گرنے کا احتمال ہے، اگر ابھی آگے فروخت کر دوں، تو ہو سکتا ہے کہ آئندہ اس کی قیمت بڑھ جائے، تو نفع سے محروم رہوں گا۔ اب دوسرا شخص اس کو اطمینان دلاتا ہے کہ ڈالر تم اپنے پاس رکھو، میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تین ماہ تک یہ ڈالر میں بیچیں روپے میں خریدوں گا، اور اس وعدے پر اتنی فیس لوں گا۔ اس کی وجہ سے وہ شخص قیمت گرنے سے مطمئن رہے گا، اگر قیمت بڑھ گئی، تو کسی اور کو فروخت کر دے گا، قیمت گر گئی تو آپشن بیچنے والے کو بیچیں روپے میں فروخت کر دے گا۔ آپشن کو مستقل مالی تجارت سمجھا جاتا ہے، اور اس کی آگے بھی بیچ ہو جاتی ہے۔

یہ کاروبار دوسرے ممالک میں بہت وسیع پیمانے پر ہو رہا ہے، اور اس کی صورتیں روز بروز پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتی جا رہی ہیں۔^(۱)

آپشن کی چند مشہور اقسام

آپشن کی مشہور قسمیں تین ہیں:-

(۱) اسلام اور جدید معیشت و تجارت ص: ۶۰۔

- ۱ - اختیار الطلب (Call Option)
- ۲ - اختیار الدفع (Put Option)
- ۳ - اختیار المركب (Stradle Option)

۱ - اختیار الطلب (Call Option)

اختیار الطلب سے مراد کسی چیز کو خریدنے کا حق ہے، جس کی مثال اوپر ڈالر کے ساتھ ہم نے دی۔

۲ - اختیار الدفع (Put Option)

اختیار الدفع سے مراد کسی چیز کو بیچنے کا حق ہے، یہ پہلے اختیار کی ضد ہے، اس میں بیچنے والے شخص کو تو اختیار حاصل ہوتا ہے، لیکن خریدار کے لئے لازم ہوتا ہے کہ وہ اسے خریدے۔ جس کی تفصیل اوپر گزر گئی۔

۳ - اختیار المركب (Stradle Option)

اختیار المركب سے مراد خریدنے اور بیچنے دونوں کا اختیار ہے، بعض مرتبہ لوگ دونوں اختیار لے لیتے ہیں۔

مجمع الفقہ الاسلامی میں ایک چوتھی قسم کا بھی ذکر ہے، جس کو ”الخيار الممتد“ (Spread Option) کا نام دیا ہے، یہ درحقیقت اختیار مرکب ہی ہے، البتہ اس میں خریدنے کا نرخ بیچنے کے نرخ سے زیادہ ہوتا ہے۔

اختیارات کی ان اقسام سے متعلق مجلہ مجمع الفقہ الاسلامی کی عبارت ملاحظہ ہو:-

عقد اختیار الطلب (Call Option)

عقد خيار الدفع (Put Option)

عقد الخيار المركب (Stradle Option)

عقد الخيار الممتد (Spread Option)

الخيار المركب: ويتضمن هذا الخيار حق في البيع وحق

فی الشراء فی ذات الوقت یصدر المستثمر هذا الخيار ثم
 ينتظر ماذا يحدث فی السوق فإذا وجد الاجدى له البیع
 مارسه وإذا وجد الاجدى له الشراء مارسه۔
 الخيار الممتد: ويتضمن خيار شراء وبيع ای خياراً مرکباً
 ولكن بسعر للشراء یزید علی سعر البیع... الخ۔^(۱)

حکم شرعی

یاد رکھنا چاہئے کہ ورنٹس (جو درحقیقت خیارات ہی میں داخل ہیں، لیکن ان کا
 زیادہ تر تعلق اسٹاک یعنی شیئرز سے ہے، جیسا کہ وہاں ذکر کردہ تفصیلات سے واضح ہے)
 اور خیارات کی بیع شرعاً جائز نہیں، اور اس کے ناجائز ہونے کے دو اسباب ہیں:-

۱- اس معاملے میں غرر (Uncertainty) ہے، کیونکہ جس کے پاس آپشن ہوتا
 ہے، اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ اسے استعمال کر کے مطلوبہ چیز خرید لے، یا اسے بیچ
 دے، گویا مستقبل میں اس عقد کا ہونا ضروری نہیں۔

۲- یہ خیاری شریعت کی نگاہ میں مال نہیں، جبکہ بیع ہونے کے لئے ضروری ہے کہ
 دونوں طرف سے مال کا تبادلہ ہو، گویا اس بیع پر شرعی بیع کی تعریف صادق نہیں آتی، اس لئے
 یہ بیع جائز نہیں، بیع کی تعریف یہ ہے کہ باہمی رضامندی سے فریقین اپنے اموال کو ایک
 دوسرے سے تبدیل کریں۔^(۲)

(۱) فلہر اجمع لتفصیل هذه الخيارات وتفاصيلها: مجلة مجمع الفقه الإسلامی جدد،
 الدورة السادسة، العدد السادس، الجزء الثاني، هذه النسخة موجودة فی مكتبة جامعة
 دارالعلوم كراتشي۔

وايضاً تفصیل هذه الأقسام موجودة فی گلویری (Glossary) لبینک المرکزی
 پاکستان، علی صفحہ: ۳۸۰۔

(۲) اسلامی بنکاری اور غرر (Uncertainty)، ڈاکٹر مولانا اعجاز احمد صمرانی، ادارہ اسلامیات کراچی،
 لاہور طبع اول، ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ۔

یہ تالیف درحقیقت موصوف کے دکتوراه کے مقالے، جس کا موضوع ہے ”غرر“ کا خلاصہ ہے، عوام کی
 آسانی کے لئے اس مقالے کا خلاصہ مذکورہ نام سے لیا گیا ہے۔

ضمیمہ ۱: Bai-al-Dain

اس باب کے شروع میں بیع الدین کا مسئلہ ذکر ہوا تھا، اس سے متعلق چونکہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے اپنی مشہور انگریزی تصنیف "An Introdcution to Islamic Finance" میں اس کا خلاصہ ذکر کیا ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس خلاصے کو ان ہی کے الفاظ میں یہاں ضمیمہ ۱ کے طور پر ذکر کیا جائے، تاکہ انگریزی جاننے والے قارئین اس مفید خلاصے سے مستفید ہوں:-

Here comes the question whether or not Bai-al-Dain is allowed in Shariah. Dain means debt and Bai means sale. Bai-al-Dain, therefore connotes the sale of debt. If a person has a debt receivable from a person and he wants to sell it at a discount, as normally happens in the bills of exchange, it is termed in Shariah as Bai-al-Dain. The traditional Muslim jurists (fuqaha) are unanimous on the point that Bai-al-Dain with discount is not allowed in Shariah. The overwhelming majority of the contemporary Muslims scholars of Malaysia have allowed this kind of sale. They normally refer to the ruling of shafiit school wherein it is held that the sale of debt is allowed, but they did not pay attention to the fact that the shafiite jurists have allowed it only in a case where a debt is sold at its par value. In fact, the prohibition of Bai-al-Dain is a logical consequence of the prohibition of riba, or interes. A debt receivable in monetary terms corresponds to money, and every transaction where money is

exchanged for the same denomination of money, the price must be at par value. Any increase or decrease from one side is tantamount to riba and can never be allowed in shariah.

Some scholars argue that the permissibility of Bai-al-Dain is restricted to a case where the debt is created through the sale of a commodity and its sale may be taken as the sale of a commodity. The argument, however, is devoid of force, for, once the commodity is sold, its ownership is passed on to the purchaser and it is no longer other than money. Therefore if he sells the debt, it is no more than the sale of money and it cannot be termed by any stretch of imagination as the sale of the commodity.

That is why this view has not been accepted by the overwhelming majority of the contemporary scholars. The Islamic Fiqh Academy of Jeddah, which is the largest representative body of the Sharia scholars and has the representation of the Muslim countries, including Malaysia, has approved the prohibition of Bai-al-Dain unanimously without a single dissent.⁽¹⁾



(1) An introduction to Islamic Finance. p:216.

ضمیمہ ۲: شیراز اور اسٹاک ایکسچینج میں کاروبار سے متعلق اہم تحقیق

شیراز سے متعلق چونکہ گزشتہ صفحات میں اختصار کے ساتھ بحث کی گئی، یہاں اس کی مناسبت سے شیراز اور اسٹاک ایکسچینج کے کاروبار سے متعلق ایک اہم فتویٰ ذکر کیا جاتا ہے جو اس سلسلے میں بہت ہی اہم ہے، اور اس پر باقاعدہ اہل فتویٰ حضرات کا اجلاس ہوا ہے، اور اس اجلاس میں منظور ہوا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ

الکریم، وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین، وعلیٰ کل من تبعہم

باحسان الیٰ یوم الدین

آج کل کمپنیوں کے حصص کی بیع و شراء جن طریقوں سے ہوتی ہے، ان کی شرعی حیثیت کے بارے میں بہت سے سوالات پیدا ہوتے رہتے ہیں، اور پوچھے بھی جاتے ہیں، ان کا شرعی حکم معلوم کرنے کے لئے اس طریق کار کی صحیح واقفیت ضروری ہے جو اس بیع و شراء میں اختیار کیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ اس وقت گفتگو ان کمپنیوں کے حصص کے بارے میں ہو رہی ہے، جن کا کاروبار شرعاً حلال ہے اور ان کے حصص کی خریداری حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ کے فتویٰ ”القصص السنی فی حصص الکمبنی“ کی رو

سے جائز ہے۔

یہ معلومات حاصل کرنے کے لئے دارالعلوم کراچی کے دارالافتاء سے اہل علم کی ایک جماعت نے کراچی کے اسٹاک ایکسچینج کا دورہ کیا، ایکسچینج کے ذمہ داروں سے عملی صورت حال معلوم کی، اور ان کے قواعد و ضوابط حاصل کر کے ان کا مطالعہ کیا۔ اس تحقیق کے نتیجے میں جو صورت حال واضح ہوئی وہ ذیل میں درج کی جا رہی ہے۔

بنیادی طور پر قابل تحقیق امور مندرجہ ذیل تھے:-

۱- ڈے ٹریڈنگ، یعنی ایک ہی دن میں حصص خرید کر اسی دن بیچ دینا۔

۲- مستقبل کے سودے (Forward)۔

۳- بدلے کے معاملات۔

ڈے ٹریڈنگ

ڈے ٹریڈنگ کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص ایک ہی دن میں حصص خرید کر اسی دن کسی اور شخص کو وہ حصص بیچ دیتا ہے، یہ ڈے ٹریڈنگ فوری سودوں (Spot Transactions) میں بھی ہوتی ہے، اور مستقبل کے سودوں (Forward Trading) میں بھی۔ پہلے ہم فوری سودوں کی تحقیق کرتے ہیں۔

فوری سودے (Spot Trading)

فوری سودوں کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کمپنی کے حصص خریدتا ہے تو اس خریداری کا اندراج فوری طور سے KAT میں ہو جاتا ہے، جو اسٹاک ایکسچینج میں ہونے والے سودوں کا کمپیوٹرائزڈ ریکارڈ ہوتا ہے، اور اسٹاک ایکسچینج ان سودوں میں فریقین کی ذمہ داریوں کی ضمانت دیتا ہے، اس سودے کو حاضر سود بھی کہا جاتا ہے، فوری سودوں میں ہر سودے کے تین دن بعد خریدار کو طے شدہ قیمت ادا کرنی ہوتی ہے، اور بیچنے والے کو بیچے ہوئے حصص کی ڈیلیوری دینی ہوتی ہے۔ ڈیلیوری کا مطلب حصص کی بیع میں یہ ہوتا ہے

کہ جس کمپنی کے حصص بیچے گئے ہیں اس کمپنی کے ریکارڈز میں سی ڈی سی کے ذریعے ان حصص کی منتقلی خریدار کے نام ہو جاتی ہے۔

فقہی نقطہ نظر سے یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی چیز خریدے تو اس کے لئے شرعاً ضروری ہے کہ پہلے اس چیز پر قبضہ کرے، پھر اس کے لئے آگے فروخت کرنا جائز ہوتا ہے، قبضے سے پہلے بیع جائز نہیں۔ اب حصص کی خریداری میں صورت حال یہ ہے کہ ڈیلیوری، خریداری کے تین دن بعد ہوتی ہے، سوال یہ ہے کہ خریداری اور ڈیلیوری کے درمیان جو تین دن کی مدت ہے، کیا خریدار کے لئے جائز ہے کہ اس درمیانی مدت میں وہ اپنے خریدے ہوئے حصص کسی اور شخص کو فروخت کر دے؟

اگر ڈیلیوری کو شرعی قبضہ قرار دیا جائے تو ڈیلیوری سے پہلے فروخت کرنا بیع قبل القبض قرار پائے گا، اور ناجائز ہوگا، لیکن دوسرا احتمال یہ ہے کہ ”ڈیلیوری“ شرعی قبضے سے عبارت نہیں، بلکہ کمپنی میں حصص کے خریدار کے نام پر اندراج کو ”ڈیلیوری“ کہا جاتا ہے، ورنہ جہاں تک خریدے ہوئے حصص کے جملہ منافع اور نقصانات کا تعلق ہے، وہ خریداری کے متصل بعد خریدار کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں، یعنی اگر خریداری اور ڈیلیوری کی درمیانی مدت میں کمپنی کو کوئی نقصان ہو جائے تو وہ نقصان خریداری برداشت کرتا ہے، اور اگر کمپنی کو نفع ہو جائے تو اس نفع کا فائدہ بھی خریداری کو پہنچتا ہے۔

یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ حصص کی بیع کا مطلب کمپنی کے حصص مشاعہ کی بیع ہے، لہذا یہ ”بیع المشاع“ ہے اور مشاع میں جسی قبضہ ممکن نہیں ہوتا۔ دوسری طرف بیع قبل القبض کی ممانعت کی علت یہ ہے کہ جب تک مشتری بیع پر قبضہ نہ کرے، یا کم از کم بائع تخلیہ نہ کرے، بیع بائع ہی کے ضمان میں رہتی ہے، یعنی اگر اس دوران وہ ہلاک ہو جائے تو بیع فسخ ہو جاتی ہے، لہذا اگر قبضہ کئے بغیر مشتری نے بیع کسی اور کو فروخت کر دی، بعد میں بائع اصلی ہی کے قبضے میں ہلاک ہوگئی تو پہلی بیع فسخ ہو جائے گی، تو اس کے نتیجے میں دوسری بیع بھی فسخ ہو جائے گی، لہذا اس دوسری بیع میں شروع ہی سے غرر انفساخ پایا جاتا ہے۔

علامہ کاسانی رحمہ اللہ بیع قبل القبض کی ممانعت کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

ولأنه بيع فيه غرر الانفساخ بهلاك المعقود عليه، لأنه اذا

هلك المعقود عليه قبل القبض يبطل البيع الأول، فيفسخ

الثاني۔ (بدائع الصنائع ج: ۴ ص: ۳۹۳، مؤسسة التلويج العربي)

بیع قبل القبض کی ممانعت کی اس سے زیادہ واضح علت یہ ہے کہ اس سے ربیع

مالم یضمن لازم آتا ہے، کیونکہ قبضے سے پہلے بیع کا ضمان مشتری کی طرف منتقل نہیں ہوتا،

اب اگر وہ اسے آگے فروخت کرے اور اس میں نفع کمائے تو یہ ربیع مالم یضمن ہوگا، جس

کی ممانعت مندرجہ ذیل حدیث میں آئی ہے:-

لا يحل سلف وبيع ولا شرطان في بيع، ولا ربع مالم

تضمن۔ (سنن ابی داؤد ج: ۳ ص: ۲۸۳، کتاب البیوع، باب فی

الرجل یبيع ما ليس عنده)

جامع ترمذی میں یہ حدیث ان الفاظ سے مروی ہے:-

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن سلف وبيع، وعن

شرطين في بيع وعن ربع مالم يضمن۔ (جامع الترمذی

ج: ۳ ص: ۵۳۵، باب ما جاء فی كراهية بيع ما ليس عندك)

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:-

یرید به الربح الحاصل من بيع ما اشتراه قبل أن يقبضه

وینتقل من ضمان البائع إلى ضمانه، فإن بيعه فاسد، فی

شرح السنّة: قيل: معناه ان الربح فی كل شيء انما يحل

ان لو كان الخسران عليه، فإن لم يكن الخسران عليه

كالبيع قبل القبض اذا تلف فإن ضمانه على البائع۔

(مرقاۃ المفاتیح ج: ۲ ص: ۸۹)

اور علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

وربہ مالم یضمن، یرید بہ الحاصل من بیعہ ما اشتراہ
قبل ان یقبضہ وینتقل من ضمان البائع الی ضمانہ، فان
بیعہ فاسد۔ (شرح الطیبی ج: ۲ ص: ۸۲)

علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:-

(وربہ مالم یضمن) ہو ربہ مبیعہ اشتراہ فباعہ قبل ان
ینتقل من ضمان البائع الأول الی ضمانہ بالقبض۔

(حاشیۃ السندی علی المحتجب للنسائی ج: ۷ ص: ۲۹۵)

اور حضرت مولانا غلیل احمد سہارنپوری قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:-

ولا ربہ مالم تضمن، ای لا یحل ربہ شیء لم یدخل فی
ضمانہ وهو ربہ مبیعہ اشتراہ فباعہ قبل ان ینتقل عن
ضمان البائع الأول الی ضمانہ بالقبض۔ (بذل المجہود

ج: ۱۵ ص: ۱۸۰، کتاب البیوع، باب فی الرجل یمیع مالمس عنده)

حاصل یہ ہے کہ کسی چیز کی بیع قبل القبض اس لئے ناجائز ہوتی ہے کہ قبضے کے

بغیر اس کا ضمان مشتری کی طرف منتقل نہیں ہوتا، لہذا اگر وہ نفع پر آگے بیچنا چاہتا ہے تو یہ ربہ مالم یضمن میں داخل ہے، نیز جیسا کہ صاحب بدائع نے فرمایا، قبضے سے پہلے اگر بیع ہلاک ہو جائے تو بائع کے ضمان میں ہونے کی بناء پر بیع فسخ ہو جائے گی، اور اس کے نتیجے میں اگلی بیع بھی فسخ ہوگی، لہذا اگلی بیع میں شروع ہی سے غرر انفساخ پایا جاتا ہے۔

لیکن اگر ضمان حسی اور حقیقی قبضے کے بغیر تجلیہ کے ذریعے مشتری کی طرف منتقل ہو جائے تو پھر چونکہ نہ ربہ مالم یضمن کا اندیشہ ہے، نہ غرر انفساخ کا، اس لئے مشتری کے لئے اسے آگے بیچنا جائز ہے، اسی لئے فقہائے کرام رحمہم اللہ نے تجلیہ کو قبضہ کے قائم مقام قرار دیا ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے:-

وَأَجْمَعُوا عَلَى أَنَّ التَّخْلِيَةَ فِي الْبَيْعِ الْجَائِزِ تَكُونُ قَبْضًا، وَفِي
الْبَيْعِ الْفَاسِدِ رَوَايَتَانِ وَالصَّحِيحُ أَنَّهَا قَبْضٌ رَجُلٌ بَاعَ غُلًّا
فِي دَنْ فِي بَيْتِهِ فَخَلَّى بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمُشْتَرَى فَخْتَمَ الْمُشْتَرَى
عَلَى الدَّنِّ وَتَرَكَهُ فِي بَيْتِ الْبَائِعِ فَهَلَكَ بَعْدَ ذَلِكَ فَاتَّهَ بِهَلْكَ
مِنْ مَالِ الْمُشْتَرَى فِي قَوْلِ مُحَمَّدٍ، وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى۔

(فتاویٰ عالمگیری ج: ۳ ص: ۱۶، کتاب البیوع، باب: ۴، فصل: ۲)

اب دیکھنا یہ ہے کہ مشاع کی بیع میں قبضہ کیسے متحقق ہوتا ہے؟ اس کے جواب میں
بھی فقہائے کرام نے یہی فرمایا ہے کہ مشاع کی بیع میں تسلیم اور قبض کا تحقق تخلیہ ہی سے
ہوتا ہے۔ علامہ سرخسی رحمہ اللہ اجارۃ المشاع (جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز
نہیں) اور بیع المشاع کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

وهذا بخلاف البيع، لأن التسليم هناك بالتخلية يتم وذلك
في الجزء الشائع يتم۔

(مبسوط السرخسی ج: ۱۵ ص: ۱۴۶، کتاب الاجارۃ)

صاحب ہدایہ رحمہ اللہ نے بھی اس فرق کو اس طرح بیان فرمایا ہے:-
ولأبى حنيفة انه أجز ما لا يقدر على تسليمه فلا يجوز،
وهذا لأن تسليم المشاء وحدة لا يتصور، والتخلية
اعتبرت تسليمًا لوقوعه تمكينًا، وهو الفعل الذي يحصل
به التمكن، ولا تمكن في المشاء، بخلاف البيع لحصول
التمكن فيه۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اجارہ میں چونکہ مقصود صرف انتفاع ہوتا ہے، ملک نہیں،
اور حصہ مشاع میں تمکین انتفاع نہیں ہو سکتی، اس لئے اس میں تخلیہ مقصود نہیں ہے، اس کے
برخلاف بیع میں مقصود ملک ہوتی ہے، لہذا تخلیہ کے ذریعے اس میں تمکین ہو سکتی ہے، چنانچہ

صاحب عنایہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:-

بخلاف البیع فان المقصود به ليس الانتفاع، بل الرقبة،
ولهذا جاز بيع الجحش فكان التمكن بالتخلية فيه حاصلًا۔
اور صاحب کفایہ اس کو مزید واضح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

ان التخلية اعتبرت تسليمًا اذا كان تمكينًا من الانتفاع،
وانما يكون تمكينًا اذا حصل بها التمكن، والتمكن لا
يحصل به فلم يعتبر فعله تمكينًا بخلاف البیع، لحصول
التمكن ثمة من البیع والاعتاق وغير ذلك۔ (فتح القدير مع

الغنية والكفاية ج: ۸، ص: ۴۱ و ۴۲ باب الاجارة الفاسدة)

صاحب کفایہ کی خط کشیدہ عبارت سے یہ بات واضح ہے کہ مشاع میں حسی قبضے
کے بغیر تخلیہ قبضے کے قائم مقام ہو جاتا ہے اور مشتری کے لئے اس میں ملک کے تصرفات
کرنا جائز ہو جاتا ہے، جن میں اسے آگے فروخت کرنا بھی شامل ہے۔

علامہ طوری رحمہ اللہ نے بھی تكملة البحر الرائق میں فرق کی وضاحت صاحب ہدایہ
اور صاحب عنایہ کے بیان کے مطابق کی ہے۔

(تكملة البحر ج: ۸، ص: ۳۶، باب الاجارة الفاسدة)

ان تصریحات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مشاع کی بیع میں حسی قبضہ تو ممکن
نہیں ہوتا، لیکن تخلیہ اور تمکین سے قبضے کا مقصود حاصل ہو جاتا ہے، اور مشتری کے لئے اس
تخلیہ یا تمکین کے بعد اسی مشاع کو آگے فروخت کرنا بھی جائز ہو جاتا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ حصص کی بیع میں بائع کی طرف سے تمکین اور تخلیہ کا تحقق ہو جاتا
ہے یا نہیں؟

اگرچہ اشاک اپنی بیع کے ذمہ دار اور اس میں کام کرنے والے اس بات پر متفق
نظر آئے کہ سودا ہوتے ہی بیچے ہوئے شیئرز کے حقوق اور ذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل

ہو جاتی ہیں، گویا شیر ز خریدار کے ضمان میں آ جاتے ہیں (اور اس لحاظ سے اگر خریدار انہیں آگے بیچے تو ”ربیع مالم یضمن“ لازم نہیں آتا) لیکن اسٹاک آپکینج کے قواعد و ضوابط کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قبضہ شرعی کا تحقق ڈیلیوری سے پہلے نہیں ہوتا، جس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:-

۱- یہ بات فقہ اسلامی میں طے شدہ ہے کہ ”قبض کل شیء بحسبہ“ یعنی ہر چیز کا قبضہ اس شیء کی نوعیت کے لحاظ سے عرفاً مختلف ہوتا ہے، شیر ز کے بارے میں عرف عام یہی ہے کہ سودے کے وقت محض اسٹاک آپکینج کے فوری اندراج کو قبضہ نہیں کہا جاتا، بلکہ کہا جاتا ہے کہ ”ڈیلیوری“ تین دن بعد ہوگی، ڈیلیوری کے معنی ہی قبضہ دینے کے ہیں، لہذا عرف نے اسی کو قبضہ قرار دیا ہے۔

۲- اسٹاک آپکینج میں ”بیمع مالا یملک الانسان“ (Short Sale) کا رواج عام ہے، جب ہم نے اسٹاک آپکینج کا دورہ کیا، اس وقت ہمیں یہ بتایا گیا کہ حاضر سودوں یعنی فوری سودوں میں شارٹ سیل ممنوع کر دی گئی ہے، لیکن قواعد و ضوابط سے پتہ چلتا ہے اور بعد میں اسٹاک آپکینج کے صدر صاحب نے بھی اس کی تصدیق کی کہ جو چیز منع کی گئی ہے وہ بلیک سیل (Blank Sale) ہے، یعنی ایسی بیچ جس میں بائع کے پاس نہ تو ملکیت میں شیر ز ہوں، اور نہ اس نے شیر ز کی خریداری کے لئے کسی سے قرض کا معاہدہ کر رکھا ہو، لیکن حاضر سودوں میں شارٹ سیل کی اس شرط کے ساتھ اجازت دے دی گئی ہے کہ بیچنے والا خریدار کو بتا دے کہ وہ شارٹ سیل کر رہا ہے اور یہ کہ اس نے وقت پر شیر ز کی ڈیلیوری کے لئے کسی سے قرض لینے کا انتظام کر رکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حاضر سودوں میں شارٹ سیل کا امکان موجود ہے، اور اگر بالفرض قواعد کے لحاظ سے شارٹ سیل منع بھی ہو تو اس بات کی گارنٹی نہیں ہے کہ وہ اس قاعدے کی خلاف ورزی نہیں کر رہا۔

اب ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص شارٹ سیل کر رہا ہے، یعنی شیر ز اس کی ملکیت میں نہیں ہیں، پھر بھی بیچ رہا ہے تو نہ صرف یہ کہ ”بیمع مالا یملک“ ہونے کی بناء پر یہ بیع شرعاً

باطل ہے، بلکہ اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ سودا ہوتے ہی شیئرز کے حقوق و التزامات خریدار کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں یا خریدار کے ضمان (Risk) میں آ جاتے ہیں، وہ یہ بات شرعی مفہوم میں نہیں کہتے، کیونکہ یہ بات وہ شارٹ سیل کی صورت میں بھی کہتے ہیں، حالانکہ شرعی مفہوم میں شارٹ سیل کی صورت میں ضمان منتقل ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جب شیئرز بائع ہی کی ملکیت میں نہیں ہیں تو وہ خریدار کو تحکیم یا تخلیک کیسے کر سکتا ہے؟ اور اس سے شرعی مفہوم میں ضمان کیسے منتقل ہو سکتا ہے؟

۳- کراچی اسٹاک ایکسچینج کی طرف سے ہمیں جو قواعد و ضوابط فراہم کئے گئے،

ان میں حاضر سوہوں کے قواعد و ضوابط (Rules For Ready Delivery Contracts) کی پہلی دفعہ میں یہ کہا گیا ہے کہ تمام حاضر سودوں کا تصفیہ آئندہ ہفتے میں پیر کے دن ہونا ضروری ہے، یعنی پیر کے دن بائع شیئرز کی ڈیلیوری دے گا، اور خریدار اس کی قیمت بائع کو ادا کرے گا، لیکن اسی دفعہ کی شق بی میں یہ صراحت ہے کہ اگر بائع نے مقررہ وقت تک ڈیلیوری نہ دی تو خریدار کو حق ہوگا کہ کسی کمپنی کے جتنے شیئرز اس نے بائع سے خریدے تھے، وہ بازار سے خرید لے (جس کو اسٹاک ایکسچینج کی اصطلاح میں "Buy In" کہا جاتا ہے) اور شق سی میں کہا گیا ہے کہ ایسی صورت میں اگر خریدار کو بازار سے خریداری کرنے میں کوئی نقصان ہو (مثلاً وہ شیئرز بازار سے زیادہ قیمت میں ملیں) تو بائع کا فرض ہوگا کہ وہ خریدار کے نقصان (Damages) کی حلائی کرے۔

یہ قاعدہ واضح طور پر اس بات کا اعتراف ہے کہ سودے کے وقت قبضہ نہیں ہوا تھا، کیونکہ بائع کی طرف سے ڈیلیوری نہ دینا، دو ہی صورتوں میں ممکن ہے، یا تو بائع نے شارٹ سیل کی تھی، یعنی شیئرز کے ملکیت میں ہونے کے بغیر فروخت کر دیئے تھے، اس صورت کا بطلان اوپر نمبر ۲ میں گزر چکا ہے، یا پھر اس نے شارٹ سیل نہ کی تھی، مگر خریدار سے سودا کرنے کے بعد اس کی رائے بدل گئی اور اس نے وہ خود رکھنے یا کسی اور کو بیچ دینے کا فیصلہ کر لیا، جب اس کے لئے رائے بدل کر شیئرز کو خود رکھ لینا یا کسی اور کو بیچنا ممکن ہے تو

یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ سودے کے وقت اس نے خریدار کو تمکین کر دی ہے یا اس کے حق میں تخلیک کر دیا ہے؟ نیز اس صورت میں اسٹاک آپکھینچ کے قواعد یہ نہیں کہتے کہ جو شیئرز فروخت کئے گئے تھے بائع کو ان کی ڈیلیوری دینے پر مجبور کیا جائے، بلکہ خریدار کو یہ حق دیتے ہیں کہ وہ بائع کو ڈیلیوری پر مجبور کرنے کے بجائے بازار سے اسی کمپنی کے اسی مقدار میں دوسرے شیئرز خرید لے، اور اس خریداری میں اسے کوئی نقصان ہو تو بائع کو اس کی تلافی پر مجبور کرے، جس کا حاصل یہ ہے کہ پہلی بیع ایک طرفہ طور پر منسوخ کرے، اور کسی تیسرے شخص سے نئی بیع کرے۔

۴- اسٹاک آپکھینچ کے حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ حاضر سودوں کے علاوہ فارورڈ سودوں میں بھی حقوق و التزامات فوراً منتقل ہو جاتے ہیں، صرف کمپنی کے ریکارڈز میں نام کی منتقلی حاضر سودوں کے مقابلے میں زیادہ تاخیر سے ہوتی ہے، حالانکہ فارورڈ سودوں میں شارٹ سیل کا رواج حاضر سودوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے، اس سے پتہ چلا کہ یہ حضرات حقوق و التزامات کی جس منتقلی کا ذکر کر رہے ہیں وہ شرعی مفہوم میں ضمان کی منتقلی نہیں ہے۔ اور اس سارے مجموعے سے جو بات واضح ہو رہی ہے، وہ یہ ہے کہ جس چیز کو اسٹاک آپکھینچ کی اصطلاح میں حاضر سودا کہا جا رہا ہے، اس میں سودے کے وقت شرعی مفہوم میں قبضہ منتقل نہیں ہوتا، اور جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ سودا ہوتے ہی تمام حقوق و التزامات خریدار کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں، وہ اس معنی میں کہتے ہیں کہ اسٹاک آپکھینچ معاملے کو انتہائی کم پہنچانے کا ذمہ دار ہے، اور شیئرز کی قیمت بڑھے یا گھٹے، بائع اسی قیمت پر شیئرز کی ڈیلیوری کرنے کا، اور خریدار وہی قیمت ادا کرنے کا پابند ہے، اور اگر کوئی فریق اپنی یہ ذمہ داری پوری نہ کرے اور خریدار کی عدم ادائیگی کی صورت میں بائع کو بازار میں شیئرز فروخت کرنے (Sale Out) میں اور بائع کے قبضہ نہ دینے کی صورت میں خریدار کو بازار سے شیئرز خریدنے میں جو نقصان ہو، دوسرا فریق اس کی تلافی کا ذمہ دار ہے۔

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں شرعی حکم یہ ہے کہ شیئرز کے خریدار کے لئے اس

وقت تک شیئرز کو آگے بیچنا جائز نہیں ہے جب تک کہ ڈیلیوری نہ مل جائے۔ اگر بیچنے والے نے شارٹ سیل کی ہے یعنی شیئرز ملک میں لائے بغیر فروخت کئے ہیں تو یہ بیع ہی باطل ہے، اور اگر شیئرز بائع کی ملک میں تھے، اور عقد بیع کے ارکان متحقق ہو گئے ہیں تو یہ بیع درست ہے، (اسے بیع الکالی بالکالی اس لئے نہیں کہا جاسکتا کہ کمپنی کے شیئرز بائع کی ملکیت میں ہیں اور عین ہیں دین نہیں) لیکن خریدار کے لئے آگے بیع کرنا اسی وقت جائز ہوگا جب اسے باقاعدہ ڈیلیوری مل جائے، لہذا اس وقت جس طرح ڈے ٹریڈنگ ہو رہی ہے (جس میں ڈیلیوری سے پہلے شیئرز آگے بیچ دیئے جاتے ہیں) وہ شرعاً جائز نہیں ہے۔

مستقبل کے سودے (Futures)

مذکورہ بالا تفصیل حاضر سودوں کے بارے میں تھی، جنہیں "Spot Sales" یا "Ready Contracts" کہا جاتا ہے۔ جب حاضر سودوں میں صورت حال یہ ہے تو مستقبل کے سودوں میں جنہیں Future یا Forward کہا جاتا ہے۔ بطریق اولیٰ یہ حکم ہوگا کہ ڈیلیوری کے بغیر شیئرز کو آگے بیچنا جائز نہیں، اس لئے کہ ان سودوں میں شارٹ سیل کا رواج حاضر سودوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے، اور شارٹ سیل پر جو پابندیاں حاضر سودوں میں ہوتی ہیں، مستقبل کے سودوں میں اتنی پابندیاں نہیں ہیں۔

اسٹاک ایکسچینج کے دورے کے دوران ہمیں یہ بھی بتایا گیا کہ حاضر سودوں اور مستقبل کے سودوں میں اس کے سوا کوئی فرق نہیں ہے کہ حاضر سودوں میں ڈیلیوری جلدی ہو جاتی ہے، اور مستقبل کے سودوں میں دیر سے ہوتی ہے، لیکن خریدے ہوئے شیئرز کے حقوق والتزامات فوراً منتقل ہو جاتے ہیں، لیکن ان حضرات کا یہ بیان اس بات کی دلیل ہے کہ حقوق والتزامات کی منتقلی کا لفظ وہ شرعی مفہوم میں استعمال نہیں کر رہے، بلکہ اس معنی میں استعمال کر رہے ہیں کہ شیئرز کی قیمت ڈیلیوری سے پہلے بڑھے یا گھٹے، ہر صورت میں بائع طے شدہ قیمت پر ڈیلیوری دینے اور خریدار طے شدہ قیمت ادا کرنے کا پابند ہوتا ہے۔

اس صورتِ حال کے پیشِ نظر مستقبل کے سودوں (Forward Sale) یا Future Sale کا حکم یہ ہے کہ:-

۱- اگر بیچنے والے کی ملکیت میں شیئرز نہیں ہیں اور وہ شارٹ سیل یا بلینک سیل کر رہا ہے تو یہ بیع مالا بملک ہونے کی وجہ سے ناجائز اور باطل ہے۔

۲- اگر بیچنے والے کی ملکیت میں شیئرز ہیں اور وہ ان کی ڈیلیوری بھی لے چکا ہے، اور آئندہ کی تاریخ کے لئے آج ہی ایجاب و قبول کے ذریعے بیع کی تکمیل کر رہا ہے، جسے (Forward Sale) کہا جاتا ہے، یعنی بیع آج ہی مکمل ہوگئی ہے، لیکن وہ بیع آئندہ تاریخ کے لئے ہے، تو یہ بیع مضاف الی المستقبل ہونے کی بناء پر ناجائز ہے۔

۳- اگر بیچنے والے کی ملکیت اور قبضے میں شیئرز ہیں (یعنی وہ ان کی ڈیلیوری لے چکا ہے) اور بیع آئندہ تاریخ کے لئے نہیں، بلکہ آج ہی کی تاریخ کے لئے ہوئی ہے، البتہ قیمت اُدھار رکھی گئی ہے کہ خریدار قیمت آئندہ کسی تاریخ پر ادا کرے گا، تو اس صورت میں شیئرز کی ڈیلیوری خریدار کو دینی ہوگی، اور قیمت کی وصولی کے لئے ڈیلیوری دیئے بغیر شیئرز اپنے قبضے میں رکھنا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ یہ بیع مؤجل ہے، اور بیع مؤجل میں جس المبیعہ لاستیفاء الثمن جائز نہیں ہے۔

فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:-

قال أصحابنا رحمهم الله تعالى: للبايع حق حبس المبيع
لاستيفاء الثمن اذا كان حلاً كذا في المحيط، وان كان
مؤجلاً فلمس للمبايع ان يحبس المبيع قبل حلول الأجل
ولا بعده، كذا في المبسوط۔

(فتاویٰ عالمگیریہ ج: ۳، ص: ۱۵، باب: ۳ من کتاب البیوع)

۴- اگر بیچنے والے کی ملکیت اور قبضے میں شیئرز ہیں، اور وہ آج کی تاریخ ہی کے لئے خریدار کو بیچ رہا ہے، اور ان کی ڈیلیوری بھی خریدار کو دیتا ہے، لیکن قیمت، آئندہ تاریخ

کے لئے اُدھار رکھی گئی ہے اور خریدار کو ڈیلیوری دینے کے بعد پھر وہی شیئرز (جو خریدار کے نام منتقل ہو چکے ہیں) اپنے پاس گروی رکھ لیتا ہے تو یہ صورت جائز ہے۔
علامہ حنفی رحمہ اللہ، الدر المختار میں فرماتے ہیں:-

ولو كان ذلك الشيء الذي قال له المشتري: أمسكه، هو
المبيع الذي اشتراه بعينه لو بعد قبضه، لأنه حينئذ يصلح
أن يكون رهناً بضمنه، ولو قبله لا يكون رهناً، لأنه
محبوس بالثمن۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ اس کے تحت فرماتے ہیں:-

قوله: لأنه حينئذ يصلح ... الخ أي لتعيين ملكه فيه، حتى
لو هلك يهلك على المشتري، ولا يفسخ العقد ط قوله
"لأنه محبوس بالثمن" أي وضمائه يخالف ضمان الرهن،
فلا يكون مضموناً بضمانين مختلفين الخ۔

(رد المحتار، کتاب الرهن، ج: ۶، ص: ۴۹۷)

صورت نمبر ۳ اور صورت نمبر ۴ کا فرق بھی علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ کی اس عبارت میں موجود ہے، اس کی مزید وضاحت بندہ کی کتاب "بحوث فی قضایا فقہیہ معاصرہ" (ص: ۱۸ تا ۱۹، طبع دارالعلم دمشق) میں دیکھی جاسکتی ہے۔

۵۔ پانچویں صورت یہ ممکن ہے کہ بیچنے والے کی ملک اور قبضے میں شیئرز ہیں، اور وہ بیع ابھی نہیں کرتا، بلکہ ایک خاص قیمت پر آئندہ بیچنے کا وعدہ کرتا ہے، اور خریدار آئندہ اس قیمت پر خریدنے کا صرف وعدہ کرتا ہے، بیع ابھی مکمل نہیں ہوتا، علمائے معاصرین کی ایک بڑی جماعت (جس میں مجمع الفقہ الاسلامی جدد بھی داخل ہے) دو طرفہ وعدہ ملزم کو بھی عقد کے حکم میں قرار دے کر اسے ناجائز قرار دیتی ہے، اور جن فقہاء نے بعض معاملات (مثلاً بیع بالوفاء) میں وعدہ ملزم کو جائز قرار دیا ہے، وہ بھی اسے حاجت عامہ سے

مشروط مانتے ہیں، چنانچہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے:-

لأن المواعدة قد تكون لازمة فتجعل لازمة لحاجة

(الفتاویٰ الخاتیة ج: ۲ ص: ۱۶۵)

الناس۔

مذکورہ صورت میں کوئی ایسی حاجت نظر نہیں آتی جس کی وجہ سے کوئی حرج عام لازم آئے، بلکہ اسٹاک آپکھینچ میں سٹ بازی کے رُحان کو روکنے کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ”وعدہ“ غیر ملزم بن رہے، لہذا اگر دونوں فریق وعدہ غیر ملزم (Non-Binding Promise) کر لیں تو یہ جائز ہے، اس صورت میں اگر کوئی فریق وعدے کو پورا نہ کرے تو وہ دینا نہ تو گناہگار ہوگا، لیکن قضاء اسے مجبور نہ کیا جاسکے گا۔

بدلہ کے معاملات

اسٹاک آپکھینچ میں بدلہ کے معاملات اس طرح ہوتے ہیں کہ بعض اوقات ایک شخص بہت سے حصص خرید لیتا ہے، مگر قیمت ادا کرنے کے لئے اس کے پاس رقم نہیں ہوتی، ایسی صورت میں وہ خریدے ہوئے حصص کسی تیسرے شخص کو اس شرط کے ساتھ بیچ دیتا ہے کہ وہ ایک طے شدہ مدت کے بعد خریدار سے وہی حصص زیادہ قیمت پر خرید لے گا، مثلاً الف نے ب سے یکم اپریل کو ایک لاکھ روپے کے دس ہزار حصص خریدے، لیکن اس کے پاس ایک لاکھ روپے نہیں ہیں، لہذا وہ یہ دس ہزار حصص ج کو اس شرط کے ساتھ بیچتا ہے کہ ۱۳ اپریل کو وہ یہی حصص ایک لاکھ دو ہزار روپے میں واپس خرید لے گا۔

اس طریق کار میں شرعی اعتبار سے دو خرابیاں ہیں، ایک یہ کہ عموماً بدلے کا یہ معاملہ ڈیلیوری سے پہلے کیا جاتا ہے، جس کے بارے میں پیچھے بیان کیا جا چکا ہے کہ وہ بیع قبل القبض ہونے کی بناء پر ناجائز ہے۔ دوسرے ج کو جو شیئرز بیچے جارہے ہیں وہ زیادہ قیمت پر واپس خریدنے کی شرط کے ساتھ بیچے جارہے ہیں، یہ شرط فاسد ہے، جو بیع کو فاسد کر دیتی ہے، اور درحقیقت اس کا مقصد ایک لاکھ روپے لے کر ایک لاکھ دو ہزار روپے

واپس کرنا ہے جو سود کی ایک شکل ہے، جس کے لئے اس بیع فاسد کو بہانہ بنایا گیا ہے، اس لئے بدلہ کے یہ معاملات بھی شرعاً ناجائز ہیں۔

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم

بندہ محمد تقی عثمانی عفی عنہ

جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

۲۱ رمضان المظفر ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۷ اپریل ۲۰۰۵ء



اختتامیہ

اللہ جل شانہ کے فضل و کرم اور اس کی توفیق سے ”زر“ (Money) کے مختلف پہلوؤں سے متعلق حتی المقدور اس مقالے میں بحث کی گئی، زمانے کی ترقی اور معاشی دائرے کے وسیع ہونے کی وجہ سے ”زر“ کا مفہوم بھی بہت وسیع ہو گیا، پہلے زمانے میں زیادہ تر زر کا اطلاق صرف سونے یا چاندی یا درہم و دینار پر ہوتا تھا، اور اس کے ساتھ فلوس بھی زر کی کیلکری میں شمار ہوتے تھے، لیکن تجارتی اور معاشی ترقی نے زر کی نئی شکلیں متعارف (Introduced) کرائی، جن میں کریڈٹ منی کی مختلف قسمیں سامنے وجود میں آئیں، اور ان قسموں کے ساتھ لین دین ہونے لگا، جس کی تفصیل آخری باب میں گزر گئی۔

اس مقالے کے مباحث میں سب سے زیادہ قابل توجہ اور حامل اہمیت مسائل میں سے ”زر کی حقیقت“ (The Nature of Money) ہے، کیونکہ موجودہ بینکنگ اور مالیاتی سسٹم میں زر ہی کو آلہ تجارت (Tradable) آلہ قرار دیا گیا ہے، زر کے اس خلاف فطرت استعمال نے مختلف قسم کی معاشی اور شرعی مفساد پیدا کئے، جن میں سب سے بنیادی خرابی سود کی ہے۔

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:-

One of the most important characteristics of Islamic financing is that it is an asset-backed financing. The conventional / capitalist concept of financing is that the banks and financial institution deal in money and monetary papers only. That is why they are forbidden. In most countries, from

trading in goods and making inventories. Islam, on the other hand, does not recognize money as a subject-matter of trade.... In conventional financing, the financier gives money to his client as an interest-bearing loan, after which he has no concern as to how the money is used by the client.(۱)

امام غزالی رحمہ اللہ نے ذکر کو خلاف فطرت استعمال کرنے کو ظلم قرار دیا ہے:-
اور جس نے بھی ذرا ہم و ذرائع میں سود کا معاملہ کیا تو اس نے نعمت خداوندی کی ناشکری کی اور ظلم کیا، کیونکہ ان دونوں کی تخلیق اپنے لئے نہیں بلکہ غیر کے لئے ہے، کیونکہ یہ دونوں مقصود بالذات نہیں، چنانچہ جب کوئی شخص ان دونوں میں تجارت کرے گا، تو اس نے ان دونوں کو اس حکمت سے ہٹایا جس کے لئے ان کی تخلیق ہوئی تھی:-

”إذ طلب النقد لغیر ما وضع له ظلم“

کیونکہ ذکر کو ایسی چیز کے لئے لینا جس کے لئے یہ پیدا نہیں ہوا ہے، ظلم ہے۔ (۲)

گویا ذکر کے ساتھ عام اشیاء سا سلوک کرنا، اور اس کو محل تجارت (Tradable) بنادینا ظلم ہے، ذکر کے معاملے میں انصاف یہی ہے کہ جس مقصود کے لئے اس کی تخلیق ہوئی ہے، اسی مقصود میں اس کو استعمال کیا جائے۔

اسی طرح اہم مسائل میں سے ”نوٹ کی شرعی حیثیت“ ہے، جس میں علماء کا اختلاف ہے، لیکن راجح قول یہی ہے کہ یہ بذات خود دشمن عرفی (Comstomary Price) ہے۔

(۱) An Introduction to Islamic Finance, p:20.

(۲) إحياء علوم الدين، الغزالی (الإمام أبو حامد محمد بن محمد الغزالی م ۵۰۵ھ) بیروت، لبنان، دارالمعرفة (۹۱/۲)۔

نیز اہم مسائل میں سے ذکر کا یا ہی تبادلہ اور ذکر اعتباری کی چند قسمیں مثلاً: چیک، بل آف ایکسچینج، بانڈز اور مختلف قسم کے سرٹیفکیٹس ہیں، جن پر آٹھویں باب میں الحمد للہ سیر حاصل بحث کی گئی، اگرچہ ان آلات میں سے ہر آلہ ایسا ہے، جس کی مختلف اقسام، ان کی تعریفات، حقائق، شرائط اور احکام پر مستقل مقالہ تیار ہو سکتا ہے، مثلاً بانڈز کی بے شمار قسمیں ہیں، اور ان کے بے شمار تعلقات ہیں، اسی طرح شیئرز سرٹیفکیٹ پر مستقل اور ضخیم مقالہ تیار ہو سکتا ہے، چنانچہ مجمع الفقہ الاسلامی جدہ کے مجلات (جن میں سے بعض کا حوالہ گزشتہ مباحث میں دیا گیا ہے) سندات اور سہم (Shares) پر باقاعدہ مقالے لکھے گئے ہیں۔

نیز مقالے کے اصول کے مطابق ہم نے اصل باب میں ذکر کردہ عنوانات سے متعلق موقوف علیہ مباحث بھی اختصاراً ذکر کئے ہیں، مثلاً بیع صرف، بیع المدین اور حوالہ وغیرہ کے مسائل، کیونکہ ان پر ذکر کے بہت سارے مسائل موقوف ہیں۔

اور آخر میں اور اسی طرح درمیان میں بعض جگہ ضامم (Appendices) اور مختلف فوائد بھی ذکر کئے ہیں، کیونکہ ان کی توہان پر ضرورت محسوس کی گئی ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین، اللہ تعالیٰ اس حقیر کوشش کو شرف قبولیت عطا فرمائیں، اور ہر کام اور عمل میں خلوص عطا فرمائیں، آمین۔



مراجع ومصادر (Bibliography)

الف

- ✽ احکام الأوراق النقدية الجعيد (سحر بن فواب الجعيد) الطائف، مكتبة الصديق، طبع اول
- ✽ اسلام اور جديد معيشت و تجارت، ادارۃ المعارف کراچی ۱۴، طبع اول ۱۴۱۹ھ
- ✽ اعلام الموقعين عن رب العالمين، ابن قيم الجوزية (علامة شمس الدين ابو عبد الله محمد بن ابی بکر المعروف بابن الجوزية، المتوفى ۷۵۱ھ) مصر، ادارة الطباعة المنيرية
- ✽ احياء علوم الدين، الغزالي (الإمام ابو حامد محمد بن محمد الغزالي م ۵۰۵ھ) بيروت، لبنان، دار المعرفة
- ✽ إقتصاديات النكود، متولى (الدكتور ابوبکر الصديق عمر متولى) القاهرة، مكتبة وهبة، طبع اول ۱۴۰۳ھ
- ✽ احکام القرآن، ابن العربي (ابوبکر محمد بن عبد الله المعروف بابن العربي، متوفى ۵۴۳ھ) بيروت، دار المعرفة، طبع سوم ۱۳۹۲ھ
- ✽ ابن ماجه والحاكم
- ✽ إمداد الفتاوى، تهاوى (حضرت مولانا اشرف على تهاوى) کراچی، مکتبه دارالعلوم کراچی ۱۴
- ✽ ابحاث هيئة كبار العلماء بالمملكة العربية السعودية، طبع اول ۱۴۰۹ھ

- ✽ اقرب السوئد، الشرتونی (علامة سعيد الخوري الشرتوني) لبنان، دار الاسوة للطباعة والنشر، طبع اول ۱۳۷۴ھ
- ✽ ابو داود في كتاب البيوع، باب ۱۲-۱۷، الترمذی في كتاب البيوع، باب ۴۲-۴۳
- ✽ إعلاء السنن، العثماني (علامة ظفر احمد العثماني) كراتشي، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية
- ✽ أحسن الفتاوى، لدھیاتوی (مفتی رشید احمد صاحب) کراچی، ایچ ایم سعید، پاکستان چوک، طبع اول ۱۴۱۵ھ
- ✽ البلاغ، شماره جُمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ دارالعلوم کراتشي ۱۴
- ✽ ایضاح المسالك، الوشریسی (ابو العباس احمد بن یحییٰ) متحده عرب إمارات، رباط، التراث الإسلامي، طبع اول ۱۹۸۰ء
- ✽ الانصاف، المرادوی (علاء الدین ابی الحسن علی بن سلیمان) طبع اول ۱۳۷۶ھ
- ✽ اوجز المسالك، الکاندهلوی (شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا) ملتان، اداره تالیفات اشرفیہ

ب

- ✽ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، الكاساني (العلامة علاء الدين ابوبكر الكاساني) کراچی ایچ ایم سعد، طبع اول ۱۳۲۸ھ
- ✽ بغوی، کتاب الطلاق
- ✽ البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ابن نجيم (الشيخ العلامة زين الدين بن ابراهيم متوفى ۹۷۰ھ) بیروت، دار الكتب العلمية، طبع اول ۱۴۱۸ھ
- ✽ بلوغ الامانی علی الفتح الربانی، الساعقی (احمد عبدالرحمن الینا) مصر، مطبعة الفتح الربانی، طبع اول ۱۳۵۶ھ
- ✽ بهجة المشتاق بحواله احكام الأوراق النقدية للجمعید
- ✽ بهشتی زیور التہاتوی (مولانا اشرف علی) کراچی، دُور الاشاعت، آرام باغ

- ❖ البینک الازبیوی فی الاسلام، السید محمد یاقوہ الصدر، بیروت، دارالتعارف، طبع ششم، ۱۴۰۰ھ
- ❖ البلاغ، شمسہ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ دارالعلوم کراچی ۱۴
- ❖ بحوث فی قضایا فقہیہ معاصرہ، العثماني (محمد تقی العثماني) کراتشي، مکتبہ دارالعلوم کراتشي، طبع جدید ۱۴۲۶ھ
- ❖ بحوث فی الربا، الإمام ابو زهرة، بیروت، دار الفکر العربی-

ت

- ❖ تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، الزیلعی (الإمام فخرالدین عثمان بن علی الزیلعی الحنفی) بیروت، دار الکتب العلمیہ، طبع اول ۲۰۰۰ء "یعنی إذا وجد معدن ذهب أو فضة وهو المراد بالمعدن أو حديد... الخ"
- ❖ تحفة المحتاج، الہیتمی (العلامة ابن حجر الہیتمی الشافعی)
- ❖ تحریر الفاظ التنبیہ، النووی (محمی الدین یحییٰ بن شرف النووی) دمشق، دارالقلم، طبع اول ۱۴۰۸ھ
- ❖ تعارف زک و بینکاری، شیخ مبارک علی، ریسرچ سکالر اوسلو یونیورسٹی، نوروے، رہبر پبلشرز کراچی، طبع اول ۱۹۹۱ء
- ❖ تطور النقود فی ضوء الشریعة الإسلامیة، الحسنی (الدکتور احمد حسن احمد الحسنی) جدہ، دار المدنی، طبع اول ۱۴۱۰ھ
- ❖ تکملة فتح المہم شرح صحیح مسلم (جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی) کراچی، مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴ طبع اول ۱۴۰۵ھ
- ❖ تلخیص الحبیر، العقلانی (علامة ابن حجر العقلانی المتوفی ۸۵۲ م) الرياض، مکتبہ نزار مصطفى الباز، طبع اول ۱۴۱۷ھ
- ❖ تهذیب الاسماء واللقبات، النووی (ابو زکریا محی الدین بن شرف النووی المتوفی ۶۷۶ھ) مصر، ادارة الطباعة المنبریة

- ❖ تنوير الابصار متن الدر المختار، التمر تاشي (محمد بن عبد الله بن احمد الخطيب التمر تاشي الغزي المتوفى ٩٣٩هـ) بيروت، دار إحياء التراث العربي، طبع اول ١٣١٩هـ
- ❖ تحفة الفقهاء، السمرقندي (علامة علاء الدين المتوفى ٥٣٩هـ) دمشق، مطبعة جامعة دمشق، طبع اول ١٣٤٤هـ
- ❖ تنبيه الرقود على مسائل النقود، ضمن رسائل ابن عابدين، لاهور، پاکستان، سہیل اکیڈمی ١٩٤٦ء
- ❖ تحفة المحتاج مع حاشية الشرواني، الهيتمي (علامة احمد بن حجر الهيتمي الشافعي) تدريس الراوي للسيوطي ص: ٢٥ طبع المدينة المنورة

ج

- ❖ جديد فقهي مباحث، قاسمي (مولانا معاهد الاسلام قاسمي) كراچی، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، جلد دوم
- ❖ جهاد في رفع يلو الربا، الشيخ (محمد خاطر محمد الشيخ) مصر، مطابع الأهرام المصرية، القاهرة
- ❖ جريدة البلاد السعودية، العدد: ٢٩١٤ (١٣٤٨/٦/٢٢هـ)
- ❖ جامع الاصول، ابن الأثير الجزري (الإمام مجد الدين ابى السعادات المبارك بن محمد المتوفى ٦٠٦هـ) حلوان، مكتبة الحلواني، طبع ١٣٨٩هـ

ح

- ❖ حواشي الشرواني بن قسم العبادي
- ❖ الحاوي للفتاوى، السيوطي (علامة جلال الدين عبد الرحمن بن ابى بكر السيوطي المتوفى ٩١١هـ) بيروت، المكتبة المصرية، طبع اول ١٣١١هـ
- ❖ حاشية الدسوقي

- * حاشیہ جامع الاسرار فی المنار للنسفی للکاکبی، الأفغانی (فضل الرحمن عبد الغفور الأفغانی)
- * حکمة التشريع الإسلامی فی تحریم الربا، ڈاکٹر یوسف حامد العالم، دار جامعة ام درمان الإسلامية، طبع اول ۱۴۰۳ھ

خ

- * الخرشی علی سیدی خلیل، الخرشی (محمد الخرشی المالکی) بیروت، دار المنصور
- * الخیار والثرة فی العقود، ابو غدة (الدکتور عبدالستار ابو غدة) الكويت، مطبعة مقهوى، طبع دوم ۱۴۰۵ھ

د

- * الدر المختار للمصنفی شرح تنویر الابصار للتمرتاشی ومتن رد المحتار لابن عابدین المعروف بالشامی
- * دائرة معارف القرآن، وحیدی (محمد فريد وحیدی) مطبعة دائرة معارف القرآن ۱۳۵۷ھ
- * الهداية فی تخريج احاديث الهداية، العسقلاني (العلامة ابن حجر العسقلاني المتوفى ۸۵۲ھ) پنجاب، شیخوپورہ، المكتبة الاثرية، پاکستان

ر

- * الربا خطرة وسبيل الخلاص منه، الحماد (الدكتور حمد بن عبد العزيز الحماد)، مصر، مطبعة المدنى، طبع اول ۱۴۰۴ھ
- * رد المحتار الشامی (محمد امين بن عابدین الشامي م ۱۲۵۲ھ) مطبع مذکوره، طبع اول ۱۴۱۹ھ
- * روضة الطالبين، النووي (علامة محي الدين بن شرف النووي) بيروت، المكتب الإسلامی، طبع م ۱۴۰۵ھ
- * رسالة بحث ونظر ص: ۱۱۵، شماره اپریل، منی، جون، ۱۹۹۰ء

ز

- ✽ زَر اود بنکراہی، شیخ عطاء اللہ، لاہور، کشمیر بازار، طبع اول ۱۹۵۳ء
- ✽ زاد المحتاج شرح المنہاج، الکوهجی (الشیخ عبداللہ بن الشیخ حسن الحسن الکوهجی) قطر، طبع اول ۱۳۰۲ھ

س

- ✽ السیاسة النقدية والمصرفية فی الإسلام، الترکمانی (الدکتور عدنان خالد الترکمانی)، بیروت، مؤسسه الرسالة، طبع اول ۱۴۰۹ھ
- ✽ سود کی متبادل اساس، شیخ محمود احمد، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، طبع اول ۱۹۸۶ء
- ✽ سورة البقرة آیت: ۲۷۶
- ✽ سنن ابی داود
- ✽ سورة الشعراء آیت: ۱۸۱
- ✽ سورة هود آیت: ۸۵
- ✽ سورة التطفیف
- ✽ سونا چاندی اور ان کے زیورات کے اسلامی احکام، مؤلفہ ڈاکٹر مفتی عبدالواحد سے لئے لکھے ہیں، دابرالافتاء جامعہ مدنیہ، کریم پور، راوی روڈ، لاہور پاکستان
- ✽ سنن ابی داود، السجستانی (سلمان بن الاشعث بن اسحاق السجستانی) البیوع

ش

- ✽ شرح الصلوی للشیخ محمد ابراہیم البیہارک، بحوالہ احکام الأوراق النقدية والتجارية للجمید
- ✽ شرح الحافظ ابن القيم علی سنن ابی داود مع عون المعبود، بیروت، دار الکتب العلمیة

- ✽ شرح منہج الجلیل (علامہ محمد علیش)
- ✽ الشرح الصغیر علی اقرب المسائل إلیٰ مذهب الإمام مالک، الدردیر (العلامة أبو البركات أحمد بن محمد بن أحمد الدردیر) مصر، دار المعارف
- ✽ شرح المجلة، الأتسی (العلامة محمد خالد الأتسی) پاکستان، کوئٹہ، مکتبہ اسلامیہ

ص

- ✽ صحیح مسلم، القشیری (أبو الحسن مسلم بن الحجاج القشیری) باب المساکاة
- ✽ صحیح البخاری، البخاری (أبو عبد الله محمد بن اسماعیل البخاری) کتاب المساکاة

ط

- ✽ الطبرانی الکبیر، الطبرانی (سليمان بن أحمد م ۳۶۰ھ)

ع

- ✽ عقد الجواهر الثمينة، ابن شاس (جلال الدین عبد الله بن نجم ابن شاس المتوفی ۶۱۶ھ) دار الغرب الإسلامي، طبع اول ۱۴۱۵ھ
- ✽ عزیز الفتاویٰ، مفتی عزیز الرحمن صاحب، کراچی، دار الاضاعت کراچی، طبع اول ص: ۶۳۶
- ✽ عطر الہدایۃ، لکھنوی (بحر العلوم مولانا فتح محمد صاحب لکھنوی) مکتبہ نشر القرآن دیوبند، یوپی، ہندوستان
- ✽ عقود التورید والمناقصۃ، مخطوطہ، جامعہ دارالعلوم کراچی
- ✽ العقود الدیۃ فی تنقیح الفتاویٰ العامدیۃ، شامی (علامہ محمد امین المعروف بابن عابدین) بیروت، دارالمعرفۃ، طبع دوم

ف

- ✽ فتاویٰ رشیدیہ، مولانا مفتی رشید احمد گنگوہی

- ❖ فتاویٰ رضویہ، بریلوی (مولوی احمد رضا خان بریلوی) کراچی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، ایم اے جناح روڈ کراچی
- ❖ فتح القدیر شرح الہدایۃ، ابن الہمام (الإمام محمد بن عبدالواحد بن الہمام) کوئٹہ، مکتبہ وشیدیہ
- ❖ فتوح البلدان، البلاذری، (احمد بن یحییٰ البلاذری) القاهرة، مکتبۃ النهضة المہریۃ
- ❖ الفقہ الاسلامی وادلتہ، الزحلی (الدکتور وہب الزحلی) بیروت، دار الفکر
- ❖ الفتاویٰ السعدیۃ، السعدی (الشیخ عبدالرحمن الناصر السعدی) السعودیۃ، الرياض، مکتبۃ المعارف، طبع دوم ۱۹۸۲ء
- ❖ الفتاویٰ العالمگیریۃ، جماعۃ من العلماء الکبار، کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ، طبع دوم ۱۴۰۲ھ
- ❖ الفتاویٰ العاتمیۃ علیٰ هامش العالمگیریۃ
- ❖ الفروع لابن مفلح
- ❖ فقہی مقالات، عثمانی (جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی) کراچی، مبین اسلامک پبلشرز کراچی ۱۹۹۴ء

ق

- ❖ القاموس الفقہی لغة واصطلاحاً، سعدی ابو حبيب
- ❖ القوانين الفقہیۃ، الجزی (ابو القاسم محمد بن محمد احمد الجزی المالکی متوفی ۴۱ھ) بیروت، دار القلم، طبع اول ۱۹۷۷ء
- ❖ قرارات، قرآن ۳۱/۳ جلد۱، السعودیۃ العربیۃ
- ❖ القاموس الإقتصادی، النضی (حسن النضی) بغداد، مدیریۃ مطبعۃ الإدارة المحلیۃ ۱۹۷۷م

ث

- ❖ كشف الغطاء، الجراحی (اسماعیل بن محمد العجلونی الجراحی م ۱۱۶۳ھ) بیروت، مؤسسة الرسالة، طبع سوم ۱۴۰۳ھ (۱۶۳/۲)

✽ کنز الدقائق مع البحر، النسخی (الإمام ابو البركات عبد الله بن احمد بن محمود المعروف بحافظ الدين النسخی المتوفى ۱۰۷۷ھ) بيروت، دار الكتب العلمية، طبع اول ۱۴۱۸ھ

✽ كتاب معاشيات، پروفیسر محمد منظور علی، طبع ۱۹۸۲ء علمی کتاب خانہ
✽ کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم، عثمانی (جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی)
کراچی، مبین اسلامک پبلشرز، طبع اول ۱۹۹۳ء
✽ کتاب سود کی متبادل اساس، شیخ محمود احمد، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، طبع اول ۱۹۸۶ء

✽ کنز العمال، المتقی (علاء الدین علی المتقی الہندی) عدد الحدیث ۳۶۶۹
✽ کفل الطیبه الفاهم فی احکام القرطاس والنداهم، بریلوی (مولوی احمد رضا خان بریلوی) لاہور، شہر برادرز، اردو بازار لاہور

✽ کتاب الروایتین والوجهین لابی یعلیٰ
✽ کشف القناع، البهوتی (العلامة منصور بن یونس المتوفى ۱۰۵۱ھ) السعودية العربیة، مطبعة الحكومة بمكة ۱۳۹۳ھ

✽ کتاب الکافی فی فقه اهل المدينة المالکی، القرطبی (ابو عمر یوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر النضر القرطبی) السعودیة، الرياض، مكتبة الرياض الحديثیة، طبع دوم ۱۴۰۰ھ

✽ الکافی، ابن قدامة المقدسی، بیروت، المكتب الإسلامی، طبع سوم ۱۴۰۲ھ (۱۲۵/۲)
✽ کشف القناع عن متن الاقناع، البهوتی (منصور بن یونس البهوتی المتوفى ۱۰۳۶ھ) مكة المكرمة، مكتبة الحكومة ۱۳۹۳ھ

ل

✽ لسان العرب، ابن منظور متوفى ۱۱۷۷ھ، بیروت دار احیاء التراث العربی، طبع اول ۱۴۰۸ھ

م

- ❖ مجمع الزوائد، الہیتمی (الحافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیتمی م ۸۰۷ھ) بیروت، لبنان، دار الکتب، طبع دوم ۱۹۶۷ء
- ❖ مجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی، العدد السابع، ۲/۲۱۷، قرار رقم ۷/۲/۶۶ فقرہ ۳، بحوالہ "بحوث" فی قضایا فقہیۃ معاصرۃ المجلد الثانی
- ❖ مجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی الدورۃ السادسة، العدد السادس، الجزء الثانی ص: ۷۲۵، قرار رقم ۶/۱۱/۷۶۲
- ❖ المغنی والشرح لکبیر، ابن القدامة (عبد اللہ بن قدامة) السعودیۃ، مکتبۃ الرياض، ۱۴۰۳ھ
- ❖ مجموع الفتاویٰ ابن تیمیہ (شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ) السعودیۃ، مطابع الرياض، طبع اول ۱۳۸۳ھ
- ❖ مقدمة فی النقود والبنوک، الدكتور محمد زکی شافعی، بیروت، دار النهضة العربیۃ، طبع ہفتم
- ❖ المواعظ للإمام محمد رحمہ اللہ، باب الرجل یكون له العطایا أو الدین علی الرجل یتیمہ
- ❖ المعاییر الشرعیۃ ص: ۱۵، ۱۴۶۱ھ ہیئۃ المحاسبۃ والمراجعة، بحرین
- ❖ مجموعۃ الفتاویٰ ابن تیمیہ (شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ) السعودیۃ، مطابع الرياض، طبع اول ۱۳۸۲ھ
- ❖ مغنی المحتاج، الشربینی (الشیخ محمد الشربینی الخطیب) بیروت، دار إحياء التراث العربی
- ❖ المدونة الکبریٰ، الاصبیحی (الإمام مالک بن انس الاصبیحی المتوفی ۱۷۹ھ) بیروت، دار الکتب العلمیۃ، طبع اول ۱۴۱۵ھ
- ❖ المصنوع شرح المہذب، النووی (الإمام ابو زکریا محی الدین بن شرف النووی) بیروت، دار الفکر

- ✽ المعیار العربیہ الوثریسی (احمد بن یحییٰ المتوفی ۹۱۳ھ) بیروت، دار الغرب الاسلامی ۱۴۰۱ھ
- ✽ مجمع الانهر فی شرح ملتقى الابحر، الشیخی زاده (العلامة عبد الرحمن بن محمد بن سلمان المتوفی ۱۰۷۸ھ) بیروت، دار الکتب العلمیة، طبع اول ۱۴۱۹ھ (۱/۳۶۱)
- ✽ مجلة مجمع الفقه الاسلامی، الدورة الخامسة، العدد الخامس، الجزء الثالث ۱۴۰۹ھ
- ✽ المتطلبات الشرعیة نصفیة المراجعة للأمر بإشراء بحرین (۱۶)
- ✽ معاشیات، حبیب الرحمن، مکتبہ فریدی، اردو کالج اسپتال روڈ، طبع اول ۱۹۵۳ء
- ✽ معاشیات، پروفیسر محمد منظور علی، لاہور، علمی کتب خانہ، حصہ دوم ص: ۱۲۷
- ✽ معاشیات کے ابتدائی اصول، لاہور، قومی کتب خانہ، طبع سوم ۱۹۵۴ء ص: ۲۶۳
- ✽ المعاملات المالية المعاصرة فی الفقه الاسلامی، الدكتور محمد عثمان شبیر، اردن، دار النفائس، طبع سوم ۱۴۱۹ھ
- ✽ مسلم، کتاب المساقاة
- ✽ مصنف عبدالرزاق
- ✽ المبسوط، السرخسی (شمس الدین السرخسی) بیروت، دار المعرفة، ۱۴۱۴ھ
- ✽ مجموعة الفتاوى، لکھنؤی (مولانا عبدالحی) کراچی، ایچ ایم سعید، پاکستان چوک
- ✽ مجلة البحوث الإسلامية، العدد الاول من المجلد الاول
- ✽ مسئلہ سود (ص: ۱۵) ادارة المعارف کراچی طبع جدید ۱۳۹۹ھ
- ✽ مستندک حاکم، الحاکم، (محمد بن عبد الله الحاکم م ۴۰۵ھ) بیروت، دار الکتب العلمیة ۱۴۱۱ھ
- ✽ مسند احمد بن حنبل
- ✽ مباحث العلة فی القیاس عند الأصولیین، الہیتی (عبد الحکیم عبد الرحمن السعدی السعدی الہیتی العراقی) بیروت، لبنان، دار البشائر الإسلامية، طبع اول ۱۴۰۶ھ
- ✽ المقدمات المسببات ابن رشد المالکی (ابو الولید محمد بن احمد القرطبی م ۵۲۰ھ)

- * المحلی، ابن حزم (ابو محمد علی بن احمد بن سعید ابن حزم، م ۳۵۶ھ) (۳۶۸/۸) إدارة الطباعة المنيرية، مصر، طبع اول ۱۳۵۰ھ
- * المغرب فی ترتیب المغرب، المطرزی (ابو الفتح ناصر الدین عبد السید بن علی المطرزی المتوفی ۶۱۶ھ) بیروت، دار الکتب العربی
- * موسوعة المصطلحات الإقتصادية والإحصائیة، هیکل (الدکتور عبد العزیز فهمی هیکل) بیروت، دار النهضة العربیة ۱۹۸۰م

ن

- * نصب الرایة، الزیلعی (العلامة جمال الدین ابو محمد عبد الله الزیلعی الحنفی المتوفی ۷۲۲ھ) لبنان، مؤسسة الريان، طبع اول ۱۳۱۸ھ
- * النقود الائتمانیة، العمر (ابراهيم بن صالح العمر) بیروت، دار العاصمة ۱۳۱۳ھ
- * نسبات الاسماء علی المنار، الشامی (علامة ابن عابدين الشامی) کراچی، ادارة القرآن والعلوم الإسلامية، طبع سوم ۱۴۱۸ھ
- * نيل الاوطار، الشوکانی (محمد بن علی بن محمد الشوکانی، م ۱۲۵۵ھ)
- * نهاية المحتاج إلى شرح المنهاج، الرملي (شمس الدین محمد بن أبی العباس الرملي المتوفی ۱۰۰۳ھ) بیروت، إحياء التراث العربی

ہ

- * الهدایة مع الفتح، المرغینانی (شہنشاہ الاسلام برهان الدین ابو الحسن ابوبکر المرغینانی المتوفی ۵۹۳ھ) کوئٹہ، پاکستان، مکتبہ رشیدیہ

English Books

A

- ❖ An Introduction to Islamic Finance

E

- ❖ Encyclopaedia of Britannica V:3, p:722

F

- ❖ Footnotes on Introduction to Economics Principles

G

- ❖ Glossary; Banking and Finance, Englihs-English-Urdu, Shakil Faruqi Student Edition, State Bank of Pakistan, Institute of Bankers Pakistan, Lahore School of Economics

H

- ❖ The Historic Judgment on Interest, Usmani, (Justice Muhammad Taqi Usmani) Karachi, Idartul-Ma'arif, 1st edition, 2000 A.D

I

- ❖ Introduction to Economics Principles, Dr. A. N. Agarawal, Kitab Mahal, 1983

M

- ❖ Modern Economics Theory, Dewett, Kewal, Krishan, India Delhi, Eighteen revised edition, 1983, p:409

N

- ❖ The New Encyclopaedia Britannica v:10, p:595

S

- ❖ Shar'ia Standards 1423 AH. 2002, Accounting and Auditing Organization for Islamic Financial Institutions

T

- ❖ The Theory of Money and Credit. Mises, Ludwig Von Mises

ہکاف کی
شرق چشمت

ڈاکٹر محمد انور احمد

مدرسہ اسلامیہ کراچی



پہلی قسم کی کتاب اور حسن نگار

اولاد اللہ اور کراچی